خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ حیا کراچی

عقیدتوں کا سفر

آئینہ

آئینہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرمانِ الٰہی

تکبیر تشریق خواتین پر بھی واجب ہے

اور اس میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے اور خواتین کو یہ تکبیر پڑھنا یاد ہی نہیں رہتا۔ مرد حضرات تو چونکہ مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں اور جب سلام کے بعد تکبیر تشریق کہی جاتی ہے تو یاد آجاتا ہے، اور کہہ لیتے ہیں۔ لیکن خواتین میں اس کا رواج بہت کم ہے، اور عام طور پر خواتین اس کو نہیں پڑھتیں۔ اگرچہ خواتین پر واجب ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ واجب نہیں ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں خواتین پر بھی یہ تکبیر واجب ہے۔ ان کو بھی پانچ روز تک یوم عرفہ کی فجر سے ۱۳ تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد یہ تکبیر کہنی چاہئے۔ البتہ مردوں پر تو بلند آواز سے کہنا مسنون ہے اور خواتین کے لئے آہستہ آواز سے کہنا مسنون ہے۔ لہٰذا خواتین کو بھی اس کی فکر کرنی چاہئے اور خواتین کو یہ مسئلہ بتانا چاہئے اور چونکہ خواتین کو اس کا پڑھنا یاد نہیں رہتا، اس لئے خواتین گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں، وہاں یہ دعا لکھ کر لگالیں، تاکہ ان کو یہ تکبیر یاد آجائے اور سلام کے بعد یہ کہہ لیں۔ اس لئے کہ صحیح قول کے مطابق عورتوں پر بھی ایک مرتبہ اس تسبیح کا پڑھنا واجب ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

قربانی دوسرے ایام میں نہیں ہوسکتی

سب سے افضل عمل جو اللہ تعالیٰ نے ایام ذی الحجہ میں مقرر فرمایا ہے۔ وہ قربانی کا عمل ہے اور یہ اعمال سال کے دوسرے ایام میں انجام نہیں دیا جاسکتا صرف ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو انجام دیا جاسکتا ہے، ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں آدمی چاہے کتنے جانور ذبح کرلے لیکن قربانی نہیں ہوسکتی۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نورِ نبوت

ترتیب: مولانا محمود عباسی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع

سنت لغت میں طریقہ کو کہتے ہیں، جس طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے، جب تک اس پر نہ چلا جائے، بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، حتیٰ کہ اگر بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویدار ہے تو اس کے لئے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ کا اتباع ضروری ہوگا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہاری مغفرت فرمادیں گے۔

(۱)......حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میری تمام امت جنت میں جائے سوائے اس شخص کے جو انکار کرے، آپ سے پوچھا گیا، انکار کرنے والا کون شخص ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: "جس نے میری اتباع کی، وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے انکار کیا۔" (بخاری)

(۲)......حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے پیارے بیٹے! اگر تم اس بات کی قدرت رکھتے ہو کہ تم صبح شام اس حال میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے کھوٹ نہ ہو تو ایسا کرلو، پھر فرمایا: اے پیارے بیٹے! یہ میری سنت ہے اور جو شخص میری سنت سے محبت کرے گا، وہ مجھ سے محبت کرے گا اور جو مجھ سے محبت کرے گا، وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔" (ترمذی)

(۳)......حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت پر عمل کرے گا تو اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔" (مشکوٰۃ)

☆......☆......☆

آوازِ حیا

حرمت رسول پر ایک بار پھر حملہ کرنے کی ناپاک جسارت کی گئی ہے، پہلے سے زیادہ گھناؤنی، پہلے سے زیادہ سنگین۔ مسلمانوں کا اس واقعے پر غم و غصہ اور اضطراب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کا مظہر ہے، ہر مسلمان غم میں بھی ہے اور غصے میں بھی، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ وہ آخر کرے تو کیا کرے؟ ہر امتی اپنے طور سے اپنے جذبات کا اظہار کر رہا ہے، تحریر سے، تقریر سے، مواصلاتی ذرائع سے، مگر عالم اسلام کے بے حس حکمران اپنی اپنی جگا دم سادھے ہوئے خرچ سے آگے بڑھ کر زبانی جمع تک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تفسیر بنے ہوئے ہیں، کسی میں اتنی جرأت، اتنا حوصلہ ہی نہیں کہ کچھ کرے، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا تو یہ ہے کہ حکمران اٹھیں اور دوٹوک الفاظ میں کہیں کہ ان بد باطنوں کو قرار واقعی سزا دی جائے، اپنے اپنے سفیر اس ملک سے واپس بلائیں اور ان کے سفیروں کو اپنے ملک سے روانہ کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی بنفس نفیس خود ایسے گستاخوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارکہ میں تمسخر اور گستاخی کرتے تھے، ان لوگوں میں ایک شخص عبداللہ بن خطل شامل تھا جو آپؐ کی ہجو میں شعر کہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اسے فتح مکہ کے

آوازِ حیا

دن بیت اللہ میں حجرے اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان عین اس وقت اس کی گردن اڑا کر اسے قتل کیا جب وہ بیت اللہ کا غلاف پکڑے ہوئے تھا، ایسے میں ہم مائیں کیا کر سکتی ہیں، ایک کام تو یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے خود بھی اور اپنے بچوں سے بھی احتجاج کروائیں، ایسے ذرائع کا مکمل بائیکاٹ کریں جو جو یہ شر پھیلانے میں مصروف ہیں، ہمارا دوسرا کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی کردار سازی بالکل سنت کے مطابق کریں، ہمارے اور ان کے اخلاق، معاملات، اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر ہو، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں ایسے ڈھل جائیں کہ پوری دنیا ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار جان لیں، اس کیلئے ہمیں سیرت رسول اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی جانے والی کتابیں خود بھی مستقل پڑھنی چاہئے اور اپنے بچوں کو بھی پڑھانی چاہئے، ان پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھانا چاہئے، کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اتنا بھی نہیں کر سکتے، یہ سوچئے اور ضرور سوچئے۔

آپ کی مدیرہ

راحت ارشد

دعوت و تبلیغ کے کام میں عورتوں کا کردار

مولانا احسان الحق صاحب



میرے بھائیو، دوستو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو زمین و آسمان سے بنایا، ایسی صورت نہیں رکھی کہ زمین ہو، آسمان نہ ہو، یا آسمان ہو زمین نہ ہو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو زمین و آسمان سے بنایا۔

کائنات کا وجود مرد و عورت سے ہے:...... اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو مرد و عورت سے بنایا، اگر دنیا میں صرف مرد ہی ہوتے، عورتیں نہ ہوتیں تو زندگی گزارنا بہت مشکل کام ہو جاتا، چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو مرد و عورت سے بنایا، اس وجہ سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ساری دنیا میں سارا دین زندہ ہو جائے، اس کے لئے ضروری ہے کہ مرد بھی اس محنت کو کرنے والے ہوں اور عورتیں بھی اس محنت کو کرنے والی ہوں، اگر صرف مرد اس محنت کو کرنے والے ہوں گے تو بھی سارا اسلام ساری دنیا میں زندہ نہیں ہو سکتا، ہمارا مقصد جو ہے کہ سارا دین ساری دنیا میں زندہ ہو جائے، وہ تبھی حاصل ہو سکتا ہے، جب مرد بھی پوری محنت کرنے والے ہوں اور عورتیں بھی پوری محنت کرنے والی ہوں۔

مردوں کی بہ نسبت عورتیں نرم دل ہیں:...... عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے کمزور بنایا ہے، ان کا دل جلدی اثر لیتا ہے اور زیادہ اثر لیتا ہے اور مرد، اللہ نے طاقتور اور مضبوط بنایا ہے، اس لئے اس کا دل بھی زیادہ طاقتور اور مضبوط ہوتا ہے، اب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں دیکھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں بھی تھیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی بہنیں بھی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے بھائی بھی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچوں کو دیکھا جائے تو ابولہب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، لیکن کلمہ نہیں پڑھا اور حضرت حمزہؓ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، تقریباً چھ سال کے بعد اسلام میں داخل ہوئے، حضرت عباسؓ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، لیکن ہجرت کے بعد کسی موقع پر اسلام میں داخل ہوئے اور ابو طالب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں، جنہوں نے بچپن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالا ہے، دادا عبدالمطلب کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کرنے والے تھے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کی پرورش میں:...... اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت تھی، اپنے بچوں کو بعد میں کھلاتے تھے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے کھلاتے تھے، اپنے بچوں کو بعد میں پہناتے تھے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے پہنایا کرتے تھے، پچیس سال کی عمر ہوئی تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ابو طالب نے کروائی، حضرت خدیجہؓ سے اور بہت محبت کرنے والے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ابو طالب نے قصیدے بھی کہے اور پھر جب چالیس سال کی عمر میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کا کام شروع فرمایا تو اس دعوت والے کام میں نصرت بھی بہت کرنے والے تھے، دس سال مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں گزارے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تو ہر انسان کے بارے میں تمنا تھی کہ وہ کلمہ پڑھے، ایمان والا بنے، دوزخ سے بچے اور جنت میں چلا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں عام انسانوں کی ہدایت کے طالب تھے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ابو طالب کی ہدایت کی، بہت تمنا، بہت آرزو تھی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محسن ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسانات کرنے والے ہیں، ان احسانات کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا تقاضا تھا کہ یہ میرے چچا مجھ سے اتنی محبت اور اتنی میری نصرت کرنے والا کلمہ پڑھے، جنت میں جائے، لیکن مرد چونکہ مضبوط اور بہادر ہوتا ہے اور دل بھی اس کا سخت ہوتا ہے، حتیٰ کہ جب ابو طالب آخری وقت پر پہنچے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ میرے چچا دنیا سے جانے والے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو کر چچا کے پاس پہنچے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا کی ہدایت کے لئے بے چین ہونا:...... اور یوں فرمایا، اے میرے چچا آپ ایک دفعہ لا الہ الا اللہ کہہ لیں، میں قیامت کے دن گواہی دوں گا کہ میرے چچا نے کلمہ پڑھا تھا، اے اللہ میرے چچا کو آگ میں نہ ڈالیں، انہوں نے کہا کہ میرے بھتیجے مجھے معلوم ہے کہ میں کلمہ پڑھوں گا، جنت میں جاؤں گا اور دوزخ سے بچ جاؤں گا اور کلمہ نہیں پڑھوں گا تو دوزخ میں چلا جاؤں گا، لیکن اس وقت مرتے وقت اگر کلمہ پڑھا تو لوگ یوں کہیں گے کہ ابو طالب بڑا ڈرپوک نکلا، بزدل تھا، ارے موت سے ڈر گیا اور موت سے ڈر کے بھتیجے کے دین میں داخل ہو گیا، زندگی گزاری باپ کی ملت پر اور موت سے ڈر کر بھتیجے کی ملت میں داخل ہو گیا، یہ عار کا بول مجھے برداشت نہیں، چاہے آگ میں مجھے جلنا پڑے، تو مرد چونکہ بہادر ہوتا ہے اس لئے اس کا دل سخت ہوتا ہے اور عورت کو چونکہ اللہ نے نازک بنایا ہے، اس لئے اس کا دل کمزور ہوتا ہے اور اثر بھی جلدی لیتا ہے اور زیادہ لیتا ہے، یہ سارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب پھوپھیاں مشرف بہ اسلام ہوئیں:...... اب ان چچوں کی جو بہنیں ہیں، یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پھوپھیاں ہیں، ایک بھی پھوپھی کے بارے میں ایسا نہیں آیا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زندہ ہوں اور کلمہ پڑھ کر مسلمان نہ ہوئی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری پھوپھیاں مسلمان ہو کر اسلام میں داخل ہوئیں اور اسلام کی دعوت دینے والی بنی ہیں، بھائیوں میں تو معاملہ مختلف رہا ہے، لیکن بہنیں ساری کلمہ پڑھ کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والی ہیں، ایمان کی دعوت میں لگنے والی بنی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء علیہ السلام گزرے ہیں، ان میں اگر دیکھا جائے تو کیا نظر آتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ اہلیہ جو ہیں، وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوئیں تو اللہ کی شان قوم بھی مسلمان نہیں ہوئی، پھر بیوی اگر مسلمان نہ ہو گھر میں اگر بات نہیں چلے تو باہر بات کیسے چلے گی؟

باہر کی دعوت موثر ہوتی ہے گھر کی دعوت سے:...... اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوئی تو ان کی قوم بھی مسلمان نہیں ہوئی اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی جو ہیں وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے والی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کو اسلام میں داخل کیا ہے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی ازواج مطہرات ہیں، وہ سب کی سب کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے والی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کو بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمان کیا ہے، گھر کے اندر اگر بات نہ چل سکے تو باہر کیسے چلے گی، اس لئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دن سے ہی جیسے مردوں کو دین کی محنت میں اپنا ساتھی بنایا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دن سے ہی عورتوں کو بھی اس دین کی محنت میں شریک کیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے پہلے دن سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والے تھے۔

حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام میں معاون تھیں:...... اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ پہلے دن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والی تھیں اور اپنا مال دین کے کام میں خرچ کرنے والی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے پریشان ہو کر لوگوں کے مارنے پیٹنے، تنگ کرنے سے پریشان ہو کر گھر آیا کرتے تھے تو حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلاسہ دیا کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ بہت بڑھایا کرتی تھیں، جی آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائیں نہیں، اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضائع نہیں ہونے دیں گے، اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور سنبھالیں گے، تو حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ بڑھانے والی تھیں تو دیکھا جائے کہ جس

طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو دین کی محنت میں لگایا، اسی طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو دین کا کام کرنے والا بنایا بلکہ بعض چیزوں میں دیکھا جائے تو صحابیہؓ کی عورتیں مردوں سے آگے نظر آئیں گی چونکہ شہادت کا مرتبہ بہت بڑا مرتبہ ہے، قرآن پاک میں اس کے فضائل اور احادیث مبارکہ بہت ساری آئی ہیں اور صاف کہا گیا کہ جو شہید ہو جائے، اسے مردہ مت کہو، وہ زندہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کو روزی عطا فرماتے ہیں، شہادت کا مرتبہ بہت بڑا، اب اس امت میں سب سے پہلا شہید کون ہوا؟

اس امت کی سب سے پہلی شہید:...... اس امت میں شہادت کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ایک صحابیؓ عورت کو نصیب فرمایا اور وہ ہیں حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کہ دین کی محنت کرتے ہوئے اپنی جان لگا دینا اور خون بہا دینا اور قربان ہو جانا، بہت سارے صحابہؓ آپ کو ملیں گے، ہزاروں صحابہؓ آپ کو ملیں گے، جو شہادت پانے والے ہیں، لیکن سب سے پہلے جو شہادت کا مرتبہ ملا ہے، وہ حضرت سمیہؓ کو ملا ہے، آج تک جتنے مسلمان اللہ کے راستے میں شہید ہو چکے یا قیامت تک، آئندہ جو شہید ہوں گے، ان سب کو اللہ تعالیٰ جتنا ثواب عطا فرمائیں، ان سب کے برابر اللہ تعالیٰ حضرت سمیہؓ کو ثواب عطا فرمائیں گے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا ذریعہ ان کی بہن بنیں:...... حضرت عمرؓ جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ثانی بنے ہیں اور جو فاروق اعظمؓ کہلاتے ہیں اور جن کے اسلام لانے پر مسلمانوں نے ایسے زور سے اللہ اکبر کہا ہے کہ مکہ کے سارے پہاڑوں پر وہ اللہ اکبر سنی گئی ہے، ان کے اسلام لانے پر آسمان کے فرشتوں نے بھی خوشی منائی ہے، ان کا اسلام میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ نے ان کی بہن کے حصہ میں رکھا تھا، ان کی بہن حضرت فاطمہؓ حضرت عمرؓ سے پہلے مسلمان ہوئیں ہیں اور اپنے گھر میں تعلیم کر رہی تھیں اور سیکھنے سکھانے کے عمل میں لگی ہوئی تھیں کہ اس موقع پر حضرت عمرؓ تشریف لے آئے، آپ غصہ میں بھرے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور اندر آئے اور پوچھا، آپ اندر کیا باتیں کر رہے تھے، اجی میاں بیوی باہر دونوں باتیں کر رہے تھے، اب سکھانے والے صحابیؓ تو اندر کہیں چھپ گئے اور یہ دونوں میاں بیوی باہر رہ گئے۔ کہا نہیں، نہیں، معلوم ہوتا ہے اور سنا ہے تم دونوں بے دین ہو گئے ہو اور اپنے بہنوئی کو پکڑ کر مارنے لگے، پیٹنے لگے اور سینے پر بیٹھ گئے، ان کی خوب پٹائی کی، ان کی بیوی اور حضرت عمرؓ کی بہن اپنے خاوند کو چھڑانے کے لئے جب وہ سامنے آئیں تو اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ ان کی بہن کے چہرے سے خون نکل آیا، ایسا تھپڑ مارا، اب یہ ایمان کی وجہ سے قربانی دینا تکلیف اٹھانا تھا، اب ان کا ایمان بھی جوش میں آ گیا اور کہا، اے عمرؓ! اب تم سے جو ہوتا ہے کر لو، ہم نے کلمہ پڑھ لیا ہے، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین سچ ہے، حق ہے اور ہم تو اس پر آ گئے ہیں، اب تم سے جو ہوتا ہے کر لو ہمارے ساتھ، جان دے دیں گے، مگر ایمان نہیں چھوڑیں گے، اب اللہ تعالیٰ نے ان چند بولوں پر جو انہوں نے تکلیف اٹھائی، قربانی دی اور بول ایمان کو بچانے اور ایمان کو پھیلانے کے لئے بولے، اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے دل کو بدل دیا، کہنے لگے، اچھا وہ کاغذ کیا تھے، وہ تم کیا پڑھ رہے تھے، وہ مجھے بھی دکھاؤ، وہ سورۃ طٰہٰ کی آیات سیکھنے سکھانے میں لگے ہوئے تھے تو حضرت عمرؓ کی عمر بھر کی ساری نیکیاں اور ان کا اسلام میں داخل ہو کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو کچھ کیا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر کہلائے اور حضرت ابوبکرؓ کے دست راست بنے، پھر اپنے زمانہ خلافت میں آدھی دنیا میں اسلام کو زندہ کیا، یہ سارا ثواب اللہ تعالیٰ ان کی بہن کے نامہ اعمال میں لکھے گا، کیونکہ وہ ان کے اسلام میں آنے کا ذریعہ بنیں۔

حضرت عکرمہؓ کے اسلام کا ذریعہ ان کی بیوی بنیں:...... حضرت عکرمہؓ جو ابوجہل کے بیٹے تھے، فتح مکہ کے موقع پر جان بچا کر بھاگ گئے تھے کہ میں اگر مکہ میں رہ گیا اور مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا تو میری خیر نہیں ہے، میں نے ایسا برتاؤ کیا ہے مسلمانوں کے ساتھ اور ایسی تکلیفیں پہنچائی ہیں مسلمانوں کو کہ مجھے اگر پکڑ لیا گیا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا اور وہ بھاگتے بھاگتے یہاں تک چلے گئے کہ اب ملک عرب میں نہیں رہوں گا، ملک حبشہ چلا جاؤں گا، نجاشی بادشاہ کے ملک میں رہنا میرے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک میں رہنے سے زیادہ بہتر ہے، لیکن ان کی بیوی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئیں، اسلام لاتے ہی اس زمانہ میں مردوں عورتوں سب کو اسلام پھیلانے کی فکر لگ جایا کرتی تھی، اب عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو سراسر رحمت للعالمین ہیں، سب انسانوں کو اپنے ساتھ جوڑنے والے ہیں اور آپ تو ابرالناس ہیں، میرے خاوند عکرمہؓ کو بھی امن دے دیں، اگر وہ آ جائے گا تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ، آپ کے خاوند کو بھی ہم نے امن دے دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود امن طلب کیا اپنے خاوند کے لئے اور سفر کیا، سفر کر کے پہنچیں، وہاں پر وہ کشتی میں بیٹھ کر جانے والے تھے اور ان کو بلا کر لائیں اور واپس ان کو لائیں اور وہ واپس آئے اور انہیں مدینہ طیبہ لے کر آئیں، اب حضرت عکرمہؓ جو بعد میں اللہ کے راستے میں شہادت کا درجہ پانے والے بنے، ان کا مسلمان ہونا اور سارے کے سارے دین پر چلنا اور دین کو پھیلانے میں ان کی ساری محنت و کوشش تگ و دو حتیٰ کہ انہوں نے اپنا خون بھی اللہ کے راستے میں بہا دیا، یہ سارا کا سارا ثواب اللہ تعالیٰ ان کی زوجہ محترمہ کو عطا فرمائیں گے، وہ اپنے خاوند کے اسلام میں آنے کا ذریعہ بنی ہیں۔

عدی ابن حاتمؓ کے اسلام لانے کا ذریعہ ان کی پھوپھی بنیں:...... حضرت عدی ابن حاتمؓ بعد میں مسلمان ہوئے، ان کی پھوپھی جان جو گرفتار ہو کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلی گئیں اور بعد میں وہاں سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کی وجہ سے چھوٹ کر واپس آ گئیں تھیں، واپس آ کر انہوں نے اپنے بھتیجے کو دعوت دی کہ ارے تمہارے جیسا آدمی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں جا رہا، وہاں پر جو بھی جاتا ہے، مالا مال ہو کر آتا ہے، تم بھی وہاں پر ضرور جاؤ، ارے میرے بھتیجے تم بھی ضرور جاؤ اور مالا مال ہو کر آؤ، چنانچہ پھوپھی نے دعوت دی ہے اور بھتیجے نے دعوت قبول کر لی ہے اور یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ہیں اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے تو ان کی زندگی بھر کی جتنی نیکیاں ہیں، وہ اللہ پاک ساری کی ساری ان کی پھوپھی جان کو عطا فرمائیں گے، جو ان کے اسلام میں آنے کا ذریعہ بنی ہیں، دعوت دینے والی بنی تھیں تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی زندگی کو دیکھا جائے تو یہ بات نظر آتی ہے کہ بہت ساری صورتیں ایسی ہیں جن میں صحابہؓ کی عورتیں صحابہؓ کے مردوں سے بہت آگے بڑھ گئی ہیں اور مردوں کے اسلام میں آنے کا ذریعہ بنی ہیں، اب ہم بھی اس زمانہ میں چاہتے ہیں کہ سارا کا سارا دین، ساری کی ساری دنیا میں زندہ ہو جائے تو یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ مرد بھی محنت کرنے والے ہوں، عورتیں بھی محنت کرنے والی ہوں، ہماری مسجدوں میں محنت کا ماحول ہو اور ہمارے گھروں میں وہ ساری کی ساری باتیں چل رہی ہوں جو باتیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کے گھروں میں چلا کرتی تھیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کی حالت:...... آپ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں کیا چلا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں کیا زندگی تھی، ہمارے گھروں میں کھانا پکانا

بہت بڑا کام بنا ہوا ہے، اب فجر کی نماز پڑھتے ہی مرد صاحب گھر پہنچتے ہیں اور پہنچتے ہی کہتے ہیں، گرم چائے فوراً دے دو، اب چائے کا مطالبہ اور چائے پک رہی ہے پھر ناشتہ تیار ہو رہا ہے اور دوپہر کا کھانا اور پھر شام کی چائے اور بعض بھائی تو ایسے بھی ہیں پانچ فرض نمازیں پڑھتے ہیں اور چھ وقت چائے پیتے ہیں اور بھائی رات کا کھانا ہے تو روزانہ چار پانچ دفعہ ہمارے ہاں چولہا جلتا ہے اور کھانا پکانا ایک لمبا کام بنا ہوا ہے، اب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں کیا تھا، بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات تعداد میں زیادہ تھیں، لیکن ان کا کام کیا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، ایک چاند دیکھتی تھی پھر دوسرا دیکھتی تھی (یعنی تین چاند دیکھنے میں دو مہینے ضرور گزرتے ہوں گے) یعنی دو مہینے مسلسل ایسے ضرور گزر جاتے تھے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں کسی گھر میں آگ نہیں جلائی جاتی تھی، دو مہینے مسلسل آگ نہیں جل رہی، لہٰذا روٹی نہیں پک رہی، سالن نہیں پک رہا، چائے کا سوال ہی نہیں تھا اس زمانہ میں، یہ تو پتہ نہیں کہاں سے اس زمانہ میں ہمارے پیچھے لگ گئی ہے تو چائے کا اس وقت سوال بھی نہیں تھا، اب کیا تھا کہ پانی پی لیا اور کھجور کھالی، زیادہ سے زیادہ انصار مدینہ کے ہاں سے دودھ ہدیہ میں آجایا کرتا تھا، اب دودھ کو کچا بھی پی لیا یا پانی ڈال کر پی لیا، یہ نہیں کہ دودھ کو گرم کرو اور پھر اسے ٹھنڈا کر کے پیو، دودھ بھی کچا پی جاتے تھے تو کھانا پکانا یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں اتنا وقت نہیں لیتا تھا، جتنا وقت کہ ہمارے گھروں میں لیتا ہے۔

ہمارے گھروں میں فضول کاموں کے سلسلے:......

اور پھر ہمارے گھروں میں ایک بڑا سلسلہ جو چلا ہوا ہے، وہ کپڑے سینے کا سلسلہ سلائی اور پھر کڑھائی، ارے مشین خریدنے جاؤ، اول تو بازار کپڑے خریدنے جاؤ تو فلانے ڈیزائن کا کپڑا نکل آیا ہے اور فلانے ڈیزائن کا نکل آیا ہے اور بھائی اب کپڑے نئے نئے نمونے کے آتے ہیں اور پھر سلانے کے بھی نئے نئے نمونے سامنے آتے ہیں، گلا کسی کا کہیں سے چوڑا ہے اور کسی کی آستین کیسی اور کسی کا کرتہ ہے اس پر کڑھائی کیسی ہو رہی ہے اور شلوار کیسی بنی ہوئی ہے، دوپٹہ میں کیسی کڑھائی ہو رہی ہے، ایک ایسا اور لمبا چوڑا سلسلہ چلا ہوا ہے کہ کوئی درزی سے سلواتا ہے اور کسی نے گھروں میں مشین لا کر رکھی ہوئی ہے، ایک لمبے چوڑے سلسلے چلے ہوئے ہیں اور پھر جس گھر میں شادی آجائے تو کچھ نہ پوچھو کہ ان چیزوں کو ہم نے اتنا لمبا کام اور اپنے لئے کتنی لمبی مصیبت بنالیا ہے۔

سستی اور سادہ شادی کا قابل تقلید نمونہ:......

حالانکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں شادی کو آسان سے آسان مختصر سے مختصر اور سستا سے سستا اور سادہ کہ ایک صحابیؓ نے دوسرے سے کہا کہ بھئی اس گھر میں جاؤ اور انہیں کہو کہ ان کی فلاں لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، میرے طرف سے شادی کا پیغام اس گھر میں دے دو، وہ چلے گئے وہاں پیغام دینے کہ فلانے صاحب باہر ہیں وہ آپ کی فلاں بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اب بیٹی والوں نے کہا کہ نہیں، نہیں، ہم ان سے کرنے کو تیار نہیں ہیں، ہم آپ سے کرنے کو تیار ہیں، اچھا میرے سے کرنے کو تیار ہو، چلو میرے سے کرلو، اندر ہی گواہ مہیا ہوگئے اور اندر ہی خطبہ پڑھایا گیا اور اندر ہی نکاح ہوگیا، اب نکاح پڑھوا کر شادی کا پیغام جو دوسرے کا لے کر گئے تھے، وہ اپنی شادی کروا کر باہر آئے، مسکراتے ہوئے اور شرماتے ہوئے کہ اجی میں اندر گیا تھا اور آپ کا پیغام دیا تھا آپ پر تو راضی ہوئے نہیں مجھ پر راضی ہوگئے تو میں اپنی شادی کروا کر آرہا ہوں، اب سننے والے نے بھی کیا جواب دیا، اس نے کہا، بھئی اس میں شرمانے کی کیا بات ہے، شرمانا مجھے چاہئے تھا کہ مقدر میں تو تمہارے لکھی ہوئی تھی اور زور میں خواہ مخواہ لگا رہا تھا۔

انہوں نے بھی برا نہیں مانا تو شادی کرنا اتنا آسان تھا کہ بھئی بروقت جو موجود ہوا، انہیں کو جمع کر کے شادی کرلو، نہ اس دوسرے صحابیؓ نے شور مچایا کہ بھائی تو نے مجھے دغا دیا ہے، ارے میں نے اپنا پیغام دے کر تجھے بھیجا تھا تو نے میرے لئے کوشش کیوں نہیں کی تو نے اپنی شادی کرلی، نہ لڑکی والوں میں کوئی بات، نہ لڑکے والوں میں کوئی بات، تو شادی آسان سے آسان، مختصر سے مختصر اور سستی سے سستی، کیونکہ شادی جس قدر مہنگی اور مشکل ہوتی چلی جائے گی زنا کرنا اتنا آسان اور سستا ہوتا چلا جائے گا تو مزاج شریعت یہ بتاتا ہے کہ شادی کو آسان سے آسان، مختصر سے مختصر اور سستے سے سستے رکھو۔

امیر ترین صحابی عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی شادی سادہ طریقے سے ہوئی:...... حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ جو کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے صحابہؓ میں سے تھے، شادی کرلی، مدینہ منورہ میں کسی اور کو تو کیا بلاتے، خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں بلایا، مدینہ میں شادی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بلایا، شادی ہوگئی اور رخصتی ہوگئی، جب اگلا دن آیا تو ان کے کپڑوں پر کچھ زردی کا نشان تھا جو اس زمانہ میں نئی شادی کی نشانی سمجھا جاتا تھا، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نشان دیکھا اور پوچھا، ارے تم نے شادی کرلی عبدالرحمٰن؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کوئی برا نہیں منایا، بھئی شادی کرلی اور مجھے کیوں نہیں بلایا تو ایسا مختصر اور آسان کام تھا کہ بہت تھوڑے اور مختصر وقت میں اور معمولی سے انتظام میں یہ کام ہوجایا کرتا تھا، کیونکہ صحابہ کرامؓ کے سامنے ایک اور بامقصد اور بڑا کام تھا کہ کوئی انسان دنیا کا دوزخ میں جانے نہ پائے، سارے کے سارے انسان جنت میں چلے جائیں، ان کا وقت اسی مقصد کے لئے تھا ان کا مال اسی مقصد کے لئے تھا اور ان کی فکر، کڑھن، کوشش اسی مقصد کے لئے تھی، ارے شادی تو وہ چلتے پھرتے اسی طرح کرلیا کرتے تو ہمارے گھروں میں شادی بڑی مصیبت بنی ہوئی ہے ایک جوڑا دو پانچ جوڑ بیس جوڑے پھوپھی کی طرف سے لے آرہے ہیں ماموں کی طرف سے آرہے ہیں اور چچا کی طرف سے آرہے ہیں الغرض ایک لمبا چوڑا سلسلہ چلتا ہے۔

امہات المومنین اور صحابیات کا حجلہ عروسی:......

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک جوڑا تھا، جس کی قیمت پانچ درہم تھی، پانچ درہم کی اگر چاندی بنائی جائے تو سوا تولہ چاندی، اگر اس زمانے میں خریدی جائے تو تقریباً 1500 روپے اس کے بنیں گے تو 1500 روپے کا ایک جوڑا بنایا ہوا تھا اب جس عورت کی شادی ہوتی تو اس کو وہ جوڑا دے دیا کرتیں اور وہ پہن کر دلہن بن جایا کرتی اور پھر ہمیں دو چار راتوں کے بعد واپس کردیتی اور ہم اسی طرح دوسری دلہن کے لئے دے دیا کرتیں تھیں اور پھر وہ اسی طرح واپس کردیتی تو ایک ہی جوڑے میں بیسیوں عورتوں کی شادی ہوجایا کرتی تھی اور اب ایک عورت کی شادی کے لئے بیسیوں جوڑے بنانے پڑتے ہیں، تو میرے بھائیو اور دوستو! اگر ہم نے اور آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ساری دنیا کے اندر اسلام کو زندہ کرنا ہے تو یہ بھائی بھی سارے کے سارے اس بات کی نیت اور ارادہ کریں کہ ان شاء اللہ شادی کو سادہ سے سادہ اور مختصر سے مختصر کریں گے، تا کہ ہماری شادی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی شادی کا نمونہ بن جائے اور اپنی خواتین کی مصروفیات کا رخ ہمیں اس محنت کی طرف پھیرنا ہے، جس محنت کو تنہا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس محنت میں جہاں پر مرد شریک تھے وہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور کلمہ گو مسلمان عورت اس کے لئے فکر مند تھی، البتہ ان کی فکر پردہ کی پابندی کے ساتھ ساتھ گھروں کی حدود تک رہتے ہوئے ہوتی تھی کیونکہ عورتیں مردوں کی طرح مسجد میں عام مجلسوں میں شریک نہیں ہو سکتی تھیں جبکہ مسجد کے اندر تو

نمازوں میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مرد ہیں، تعلیم میں مرد ہیں، ایمان کی محفلوں میں مرد ہیں اور مشوروں میں ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مرد ہیں اور چلنے پھرنے، بازاروں میں جا رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مرد جا رہے ہیں، غرض کہ مردوں میں رہنا، سہنا اور اٹھنا بیٹھنا، مشورہ دینا کرنا پڑتا تھا، البتہ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ کسی گھر کے اندر عورتوں کو جمع کر لیا (لیکن یہ بہت کم ہوتا تھا) تو ہر وقت عورتیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شریک نہیں ہوتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی صحابہؓ کی عورتیں پردہ کیا کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں نے کبھی کسی (غیر محرم) عورت کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اس لئے کہ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مرد رہتے تھے، عورتیں نہیں رہتی تھیں اور آپ عورتوں میں رہتے نہیں ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات زیادہ تعداد میں رکھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا کام عورتوں میں دین پھیلانا تھا:...... اور ان کا کام کیا بنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین لیتی جائیں اور ساری دنیا کی عورتوں کو دیتی جائیں اور عورتوں کا کام تھا عورتوں کے اندر ایمان کو پھیلانا، عورتوں کے اندر دعوت کو چلانا، عورتوں کو قرآن سنانا اور عورتوں میں دین کو پھیلانا اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سنانا اور عورتوں میں پورا دین زندہ کرنا تو سارے مدینہ طیبہ کی عورتیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس آیا کرتی تھیں ان سے حدیثیں سنتیں، قرآن پڑھتی اور دین سیکھتی تھیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی بات معلوم نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں کہہ دیتیں کہ اس بات کا مجھے پتہ نہیں ہے رات کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوں گی اور کل تم آجانا، تمہاری بات کا جواب پوچھ کر کل دے دوں گی تو ان کا کام تھا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم لیتے جانا اور دنیا کی ساری عورتوں کو دیتے جانا، ازواج مطہرات رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام دنیا کی عورتوں کے درمیان واسطہ بنی ہوئی تھیں کہ اوپر سے قرآن وحدیث کو لینا اور دین کو لینا اور آگے سب میں پھیلاتے چلے جانا، اسی وجہ سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ محبت عورتوں میں حضرت عائشہؓ سے تھی جو کہ اسلام کے پھیلانے میں سب سے زیادہ حصہ ڈالنے والی ہیں، صرف نو سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آتی ہیں، بہت سمجھدار، حافظہ بہت تیز، بہت سے سوالات کر کے پوچھنے والی، نو سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہیں، اٹھارہ سال کی عمر تھی جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے، بڑی سمجھدار حافظہ کی تیزی کی مالک تھیں کہ قرآن بھی آپ سے خوب لیا اور حدیثیں بھی آپ سے خوب سیکھیں اور بہت کچھ سیکھا اور پھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد چونکہ آگے کسی سے شادی کرنے کی اجازت نہیں تھی خدا کی طرف سے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپؓ اس دنیا میں تینتالیس سال زندہ رہی ہیں اب تینتالیس سال خاوند کی خدمت بھی نہیں، خاوند کی خدمت بھی ختم ہو گئی، وہ کام جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا، وہ کام بھی نہیں رہا، اب کیا کام تھا حضرت عائشہؓ کا مدینہ کی ساری عورتوں میں قرآن، مدینہ کی ساری عورتوں میں حدیثیں اور مدینہ کی ساری عورتوں میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اور ایمان، آخرت، جنت اور دوزخ ان کو بتلایا اور سکھلایا۔

اب جو اپنے بھتیجے اور بھانجے ہیں، ان کو سکھلایا، اپنے بھائیوں کو سکھلایا، یہاں تک کہ بعض دفعہ اپنے بھائی کی بیوی یعنی اپنی بھابی سے فرماتیں کہ اس لڑکے کو تم دودھ پلا دو، یہ تمہارا رضاعی بیٹا بن جائے گا تو میرا رضاعی

بھتیجا بن جائے گا اور محرم بن جائے گا میرا، تو پھر بچپن میں بھی اس کو سکھاؤں گی اور جب یہ بالغ ہو گا تو میرا محرم ہو گا، پھر بھی اس کو سکھاؤں گی تو مردوں میں بھی بہت سارے میرے شاگرد بن کر تیار ہو جائیں گے تو رضاعی رشتوں کے ذریعہ مردوں میں اپنے محرم بنا لیتی تھیں، اپنی بہنوں اور بھابیوں کے ذریعہ اسلام کو پھیلانا اور دین کو عام کرنا ان کا مقصد زندگی تھا۔

حضرت عائشہؓ کا اہم مسائل کا حل کرنا:...... جب آخری زمانہ آیا تو اس زمانہ میں جب ان کی عمر زیادہ ہو گئی تو چھوٹے صحابہؓ جب بڑی عمر کے ہوئے تو حضرت انس ابن مالکؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور ابن عمرؓ تو ان جیسے بڑوں میں آپس میں یقیناً کچھ اختلاف ہو جاتا ہے، مسائل کے اندر کہ بھائی اس چیز میں خدا کا کیا حکم ہے کوئی ان میں کیا دلیل لاتا، کوئی کیا دلیل لاتا، جب آپس میں کوئی بات طے نہ ہوتی تو کہتے چلو، اماں جان حضرت عائشہؓ کے پاس چلتے ہیں، چنانچہ یہ حضرات حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور کمرے میں آتے ہیں، درمیان میں پردہ پڑا ہوتا اور پھر اپنی اپنی بات سب حضرت عائشہؓ کے سامنے رکھتے، آپ سب کی بات سن کر پھر ایسی بات فرمایا کرتیں کہ سارے مرد صحابہ کرامؓ مطمئن ہو کر جایا کرتے تھے تو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی زیادہ اسلام پھیلانی والی بنی اور قرآن وحدیث کو زیادہ چلانے والی بنی ہیں اس سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت زیادہ ہوئی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری شادیاں دینی مقصد کے لئے، قرآن وحدیث کو پھیلانے اور چلانے کے لئے ہیں۔

عورتوں کو اعمال والا بنائیں:...... میرے بھائیو اور دوستو! ہماری مسجدوں میں ماحول ایسا بن جائے جیسے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ماحول تھا اور ہمارے گھروں کا بھی ماحول ایسا بن جائے جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ماحول تھا تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر چیزوں سے خالی تھے، کھانوں سے خالی تھے اور دنیا کے ساز و سامان سے خالی تھے، لیکن ایمان و اعمال کی محنت سے بھرے ہوئے تھے تو آپ اور ہم سب اس بات کا ارادہ کریں کہ اپنے گھروں کو سادہ سے سادہ بنائیں گے اور جن اعمال سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بھرے ہوئے تھے ان اعمال سے اپنے گھروں کو بھریں گے، اس میں ایک عمل کیا ہے کہ ہماری ساری عورتیں پانچ وقت کی نماز پڑھنے والی بنیں، اول وقت پڑھیں اور اہتمام سے پڑھیں، خشوع وخضوع سے پڑھیں اور تہجد کا بھی اہتمام کرنے والی ہوں، اشراق بھی پڑھنے والی ہوں، چاشت و اوابین بھی پڑھنے والی ہوں اور صلوٰۃ التسبیح بھی ہمارے گھروں میں پڑھی جا رہی ہو، صلوٰۃ التوبہ اور صلوٰۃ الشکر کا بھی اہتمام ہو اور ساری عورتوں کو صلوٰۃ الحاجۃ پر لگانا ہے، بچہ بیمار ہو تو نماز پڑھ کر سب سے پہلے عورت اللہ سے کہے کہ اے اللہ میرا بیٹا بیمار ہوا ہے اس کو شفا عطا فرما اور اگر گھر میں خرچہ ختم ہو جائے تو اپنی عورتوں کو اس پر لانا ہے کہ خاوند سے جھگڑنے کے بجائے اور مطالبہ پر مطالبے کرنے کی بجائے وہ عورت بھی نماز پڑھے اور اللہ سے کہے میں فقیر ہوں، میرے پاس کچھ نہیں تو غیب سے میرے لئے انتظام فرما، اپنی عورتوں کو اللہ سے مانگ کر کھانے والا ہم بنائیں اور اللہ سے لینے والا بنائیں تو ہمارا گھر فرض نمازوں سے بھرا ہو، نفل نمازوں سے بھرا ہو، بچے سات سال کے ہوں، نماز پڑھ رہے ہوں اور جو بچے دس سال کے ہوں، وہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانے والے ہوں، ہمارے گھروں میں عورتوں کو مسجد میں نمازوں کے اوقات معلوم ہوں جو رشتہ دار مرد گھروں میں آجائیں، اگر مرد گھر پر نہ ہوں تو ہماری عورتیں آنے والے مردوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کے

لئے بھیجنے والی ہوں تو غرضیکہ ہمارے گھروں کا ماحول ہو عبادت کا، نماز کا اور اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکانے کا، یہ ہمارے گھروں کا ایک مستقل کام ہے کہ گھروں میں ماحول نماز کا بننا چاہئے، خاوند دکان پر گیا، بچے مدرسہ چلے گئے، عورت گھر میں فارغ بیٹھی فارغ وقت صحیح گزارنے کا بہترین مصرف مصلّے پر قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنا ہے تو ہمارے گھروں میں نماز کا ماحول ہونا چاہئے، نماز سے فارغ ہوں تو کس چیز کا ماحول ہو، اللہ کے ذکر کرنے کا، صبح کی تین تسبیحات، شام کی تین تسبیحات، لڑکے بھی کر رہے ہیں اور لڑکیاں بھی، اس پر لگی ہوں، ہماری عورتیں بھی اسے کر رہی ہوں اور بوڑھی اماں جان بھی ہیں تو وہ بھی تسبیحات کا اہتمام کر رہی ہیں، تسبیح پڑھنے کی بہترین صورت یہ ہے، وضو کیا جائے اور اس کے بعد قبلہ رو ہو کر بیٹھا جائے اور نگاہ نیچی ہو۔ سبحان اللہ والحمدللہ والا الا اللہ واللہ اکبر اور اسی طرح سے اللھم صلی علی محمد وعلیٰ آل محمد اور استغفر اللہ اور تین تسبیح آرام سے بیٹھ کر صبح کو اور تین تسبیح آرام سے بیٹھ کر شام کو تو ہمارے گھروں میں ذکر کا ماحول بھی ہو، چنانچہ ہنڈیا بھی پکائی جا رہی ہو اور اللہ کا ذکر بھی کیا جا رہا ہو، کپڑے سیتے وقت ذکر کرے گی اس کپڑے کو جو پہنے گا، اس کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوگی، اگر کھانا پکاتے ہوئے درود شریف پڑھتی جائے گی تو جو کھانا کھائے گا اس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھتی چلی جائے گی، جھاڑو دے رہی ہو اللہ کا ذکر کر رہی ہو اور برتن دھو رہی ہو تو اللہ کا ذکر کر رہی ہو، کپڑے دھو رہی ہو تو اللہ کا شکر کر رہی ہو اور ہمارے گھروں میں سب کے سب قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام کرنے والے ہوں تو سارے بھائی اس کا ارادہ کریں کہ ان شاء اللہ اپنے بچوں کو قرآن پاک کا حافظ بھی بنائیں گے اور دین کا عالم بھی بنائیں گے تو

ہمارے گھروں کے اندر قرآن کی تلاوت کا اہتمام بھی ہو اور سارے گھر میں صبح کو قرآن پاک کی تلاوت کی آوازیں آ رہی ہوں اور اس کے ساتھ ہمارے گھروں میں روزانہ تعلیم کا حلقہ بھی لگ رہا ہو، یعنی گھر کے کام میں بنیادی چیز روزانہ کی تعلیم ہے، آدھا گھنٹہ پونا گھنٹہ روزانہ تعلیم ہو، مرد بھی بیٹھے، بیوی بھی بیٹھے، نا سمجھنے والے بچے بھی بیٹھیں، کیونکہ بچے ماحول سے اثر لیتے ہیں، سمجھیں یا نہ سمجھیں، جس گھر میں نماز کا ماحول ہوگا اس گھر کا ایک سال کا بچہ بھی رکوع وسجدہ کرے گا، چاہے الٹا ہی کیوں نہ کرے اور چاہے مشرق کی طرف کیوں نہ کر دے، اسی طرح جس گھر کے اندر تعلیم کا ماحول ہوگا، وہاں پر چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی سر پر دوپٹہ لے کر ادب سے بیٹھ جائیں گی اور جب کھیل کھیلا کریں گی تو تعلیم کا حلقہ لگانے والا کھیل کھیلا کریں گی تو اپنے چھوٹے بچوں کو بھی اپنے ساتھ تعلیم میں بٹھایا کریں جس میں سارے فضائل اعمال میں سے تھوڑا تھوڑا پڑھا جائے اور جس میں روزانہ چھ نمبروں کا مذاکرہ بھی کیا جائے، مسجد کی تعلیم میں روزانہ کے چھ نمبر نہیں ہیں لیکن گھر کی تعلیم میں روزانہ کے چھ نمبر ہیں، آج بیٹے نے چھ نمبر کہے ہیں تو کل کو بیوی صاحبہ چھ نمبر کہیں اور پرسوں کو بیٹے اور اگلے دن خاوند صاحب چھ نمبر کہیں، اگر ہمارے گھر میں بوڑھی اماں جان ہیں تو ان کو بھی چھ نمبر سکھاؤ اور اگر خالہ جان ہیں تو انہیں بھی چھ نمبر سکھاؤ اور کام کرنے والی نوکرانی ہے تو اس کو بھی چھ نمبر سکھاؤ۔

اپنے گھروں کے افراد کو داعی بنانا:...... الغرض گھر کے اندر جتنے افراد ہیں، سب کو چھ نمبروں کا داعی بنانا ہے اور سب کو دین کا داعی بنانا ہے، یہ ہمارے گھروں کی بنیادی چیز ہے، روزانہ گھروں کی تعلیم ہونا، روزانہ چھ نمبروں کا ہونا، ایمانیات کو تفصیل سے بیان کیا جائے اور چھ نمبروں کی حدیثیں تفصیل سے یاد کی جائیں، نبیوں

کے قصے، صحابہ کرام کے قصے، جنت میں کیا ہوگا، قیامت کے دن کیا ہوگا، قبر میں کیا ہوگا، دوزخ میں کیا ہوگا، قیامت قائم ہونے سے قبل اس کی کیا کیا نشانیاں ہیں، دابتہ الارض کیسے ظاہر ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے کیسے آئیں گے اور دجال کا ظہور کیسے ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے کیسے ہتھیار لے کر آئیں گے اور حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کیسے کامیاب کیا، ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کیسے کامیاب کیا، ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے آگ میں کیسے کامیاب فرمایا اور لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے کیسے الٹا کر کے گرا دیا، یہ ساری ساری باتیں بالتفصیل ہماری عورتوں کو اور بچوں کو معلوم ہوں اور بچوں کی زبانوں پر ایمانیات ساری کی ساری ہونی چاہئے، صحابہؓ کی عورتوں کے قصے ہوں، صحابہؓ کے بچوں کے قصے ہوں، یہ سارے کا سارا روزانہ ہمارے گھروں میں آ جائے وہ اس ماحول سے اثر لے کر جانے والا ہو اور دعوت دی جا رہی ہو، پڑوسن عورتیں آ جائیں تو ان کو دعوت دی جائے، رشتہ دار عورتیں آ جائیں تو ان کو دعوت دی جائے اور کوئی غریب عورت مانگنے کے لئے آ جائے تو اس کو دعوت دی جائے اور پھر میاں بیوی بیٹھ کر روزانہ سوچا کریں کہ ہمارے گھر کے اندر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے طریقے کس طرح زندہ ہو جائیں اور ہمارے گھر کے اندر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں کس طرح زندہ ہو جائیں، اپنے گھروں کے اندر سنتوں کو بڑھایا جائے اور اللہ کے حکموں کو بڑھایا جائے سو فیصد سارے اللہ تعالیٰ کے حکم ہمارے گھروں میں زندہ ہوں اور سو فیصد ساری سنتیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمارے گھروں کے اندر زندہ ہوں۔

اپنی اولاد کو عمر کے حساب سے آگے بڑھائیں:...... اور اپنے گھروں کے اندر تبلیغ کے بڑھانے کی فکر ہو کہ یہ بچہ اب دس سال کا ہو گیا ہے، اسے مسجد کی تعلیم کے اندر لے جائیں اور یہ بارہ سال کا ہو گیا ہے، اس کو گشت میں شریک کریں اور یہ چودہ سال کا ہو گیا ہے، اس کو سہ روزہ میں لے کر جائیں، یہ سولہ سال کا ہو گیا ہے، اس کا چلہ لگنا چاہئے، یہ اٹھارہ سال کا ہو گیا ہے اس کے تین چلے لگنے چاہئیں تو اپنے بچوں کو آگے تبلیغ میں بڑھانے کے لئے روزانہ ہمارے گھروں میں مشورے ہوں، بیوی یہ سوچے کہ میرا خاوند اللہ کے کام میں کیسے بڑھتا جائے اور اگر دو گھنٹے روزانہ اللہ کے راستے میں لگاتا ہے تو آٹھ گھنٹے کے لئے تیار کریں اور محلّہ میں جماعت کے آنے پر کہے کہ ارے تم تو دکان یا دفتر سے آ رہے ہو اور مسجد میں جماعت آئی بیٹھی ہے، چھوٹے بچے نے آ کر مجھے بتایا ہے، جلدی سے جا کر اس جماعت کی نصرت کرو، کوئی اس جماعت کے پاس نہیں ہے تو میاں بیوی دونوں اس کوشش میں ہوں کہ دونوں کی تبلیغ کس طرح بڑھتی چلی جائے، ہمارے گھر کے اندر کس طرح تبلیغی کام بڑھتا چلا جائے، مردوں کا ہر مہینہ سہ روزہ لگنا چاہئے اور کہتے ہیں عورتوں کا ہر دوسرے مہینہ سہ روزہ لگنا چاہئے، جیسے ہم لوگ اللہ کے راستے میں نکلتے ہیں اور کچھ کام دین کا ہمارے سامنے آیا، بھائی عورتوں کو بھی دین کا کام صحیح پورا اس وقت سمجھ میں آ سکے گا، جب وہ بھی اللہ کے راستے میں نکلنے والی بن جائے گی، تین دن تین مرتبہ جب لگ جائیں تو پھر پندرہ دن کے لئے انہیں رائے ونڈ لایا جائے اور پھر ہر سال جب پندرہ روزہ اور تین چار روزہ لگ جائیں تو پھر ملکوں کی جماعتوں میں عورتوں کو جانا چاہئے، غرضیکہ ہمارے مرد بھی تبلیغی فکر والے ہوں اور ہماری عورتیں بھی تبلیغی فکر والی ہوں اور روزانہ بیٹھ کر میاں بیوی سوچیں، کراچی میں کام کا کیا حال ہے اور کتنی مسجدوں میں اڑھائی گھنٹے نہیں ہیں تو سارے شہر کے تقاضے سوچے جائیں اور خدا وہ دن بھی لائے کہ میاں بیوی بیٹھ کر سارے پاکستان کے تقاضوں کو

سوچنے والے ہوں اور اسی طرح خدا وہ دن بھی لائے کہ ہر گھر میں مسلمان مرد و عورت بیٹھ کر سارے عالم کے تقاضوں کو سوچنے والے ہوں۔

باہر کے دعوتی کام سے اپنی عورتوں کو بھی باخبر رکھیں: ......تو اس طرح جب آپ حضرات اپنے اپنے مراکز سے شب جمعہ کو یا منگل کو واپس گھر جائیں تو سارے کام کے تقاضے اپنے گھر والوں کے سامنے رکھیں، اس میں ان کو شریک کریں، اس فکر میں لگنے والا ان کو بنائیں تو ہمارے گھروں میں ایمان کے مذاکرے ہوں، سارے عالم کے بارے میں حصہ ڈالنے کے بارے میں منصوبے بنائے جا رہے ہوں، اب کون سی عورت پندرہ دن دو دفعہ لگا چکی ہے، اس کو کون سے ملک میں بھیجنا چاہئے، لوگ کہتے ہیں، پوری دنیا کے اندر دو سو ملک ہیں، اگر دیکھا جائے تو ابھی عورتوں کی جماعتیں پاکستان سے صرف بیس پچیس ملکوں میں گئی ہوں گی، ایک سو اسی ملک دنیا کے ایسے ہیں، جہاں پر پاکستان سے اب تک ایک بھی عورتوں کی جماعت نہیں گئی، تو ساری دنیا میں عورتوں کے کام کے تقاضے بھی سوچے جائیں، مردوں کی دعوت میں گشت نہیں ہے، مرد کھڑے ہو کر بھی بات کر سکتا ہے، کرسی ممبر پر بیٹھ کر بات کر سکتا ہے، جب کہ عورت کے لئے کھڑی ہو کر بات کرنا نہیں ہے، کرسی ممبر پر بیٹھ کر بیان کرنا نہیں ہے، ہاں عورت کے لئے یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر بات کرے، ان کا بیان کرنے کا انداز نہ ہو، بات کرنے کا انداز ہو، یعنی دعوت عورت کے لئے بھی دینا ہے، انفرادی دعوت میں ہر عورت کو چلانا ہے تو سارے مسلمان مرد بھی اس دعوت کو کرنے والے بنیں اور ساری عورتیں بھی اس دعوت کو اپنانے والی بنیں تو اللہ تعالیٰ ساری دنیا میں سارے دین کو زندہ فرما دیں گے تو اس بات کو اپنے گھروں میں ضرور چلائیں، تبلیغی مشورے روزانہ اور سارے عالم کے تقاضے روزانہ، رائے ونڈ اور پاکستان کے تقاضے روزانہ، اپنے اپنے مراکز کے تقاضے روزانہ اور تعلیم چھ نمبروں کے مذاکرے روزانہ، جب آپ یہ بتائیں گے تو آپ کی عورتوں میں بھی اسلام پر قربان ہونے کا جذبہ بنے گا اور مال اور جان کو لٹانے کا جذبہ بنے گا۔

حضرت خنساءؓ صحابیہ کا واقعہ: ......حضرت خنساءؓ نے جنگ قادسیہ سے ایک روز قبل یہی تو فرمایا تھا، اپنے چار جوان بیٹوں سے جب کہ خاوند موجود نہیں ہے، چاروں بچے جوان اور ماشاء اللہ خوب صحت مند، ان سے کہنے لگیں، میں نے تمہیں پالا ہے، آج کے دن کے لئے، میں تو تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہارے باپ سے خیانت نہیں کی ہے، البتہ میں چاہتی ہوں کہ کل کے روز جو تم جاؤ تو سخت سے سخت دشمن کو تلاش کرو اور اس سے مقابلہ کرو ایک بیٹا شہید ہو، دوسرا بیٹا شہید ہو، میں چاہتی ہوں کہ تم چاروں کے چاروں بیٹے کل اللہ کے راستے میں شہید ہو، جاؤ، تو خود ترغیب دے رہی ہیں اپنے بیٹوں کو اللہ کے راستے میں جان دینے کی، چنانچہ اگلا دن آیا، ایک بیٹا، دوسرا بیٹا ایک ہی دن شہید ہو گئے، شام کو جب مسلمان واپس آئے تو آ کر اطلاع دی کہ اے خنساءؓ بہن تمہارا فلاں بیٹا بھی شہید ہو گیا ہے اور فلاں بھی اور فلاں بھی چاروں شہید ہو گئے تو نہ آنکھوں میں آنسو ہیں نہ کوئی غمگین چہرہ ہے بلکہ خوش ہو رہی ہے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے میری دلی آرزو پوری فرما دی، تو اس زمانہ میں مسلمان عورتیں اپنے بچوں کو اسلام کے لئے پالا کرتی تھیں اور اسلام پر جان دینے کے لئے آمادہ کیا کرتی تھیں، اپنے خاوندوں کو بھی، اپنے بچوں کو بھی، تو یہی ماحول ہمارے گھروں میں بھی بن جائے گا تو ان شاء اللہ ساری دنیا کے اندر سارا اسلام زندہ ہو جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو دین کی دعوت اور محنت کے لئے قبول فرمائیں۔ آمین

☆......☆......☆



انعام الٰہی: ...... اللہ جل شانہ کے ہم پر کتنے احسانات ہیں؟ ظاہراً و باطناً احسانات ہی احسانات ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: الم تروان الله سخر لكم مافی السموت ومافی الارض واسبغ عليكم نعمه ظاهرة وباطنة ۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے تمہارے کام میں لگا دیا تمہاری خدمت میں لگا دیا ہر اس چیز کو جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، یہ رات تمہارے لئے ہے، یہ دن تمہارے لئے ہے، یہ دھرتی تمہارے لئے ہے، هو الذی خلق لكم مافی الارض جميعاً اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے، تم مخدوم ہو ساری کائنات تمہاری خادم ہے اس زمین سے لاکھوں گنا بڑا یہ سورج تمہاری خدمت میں شب و روز لگا ہوا ہے، یہ چاند تمہاری ہی خدمت میں لگا ہوا ہے، یہ گرم اور ٹھنڈی ہوائیں تمہاری ہی خدمت میں لگی ہوئی ہیں، یہ جتنی بھی مخلوقات ہیں سب تمہاری ہی خدمت میں لگی ہوئی ہیں اور کوئی براہ راست تم کو نفع پہنچا رہی ہے، کوئی واسطہ در واسطہ تم کو نفع پہنچا رہی ہے، تم کو محسوس بھی نہیں ہوتا لیکن وہ مخلوق تمہارے ہی نفع کے لئے کام کر رہی ہوتی ہے تم کو ہی نفع پہنچا رہی ہوتی ہے۔

اولم يروا انا خلقنا لهم مما عملت ايدينا انعاماً فهم لها ملكون کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے ان کے لئے چوپائے بنائے، پھر یہ ان کے مالک بنے ہوئے ہیں وذللنها لهم فمنها ركوبهم ومنها ياكلون اور اپنے بڑے بڑے قد و قامت والے جسامت والے طاقتور دیوہیکل جانور تمہارے بس میں کر دیئے۔ ہم نے ان کو تمہارے بس میں کر دیا ہے تم ان کو رام کر سکنے والے نہیں تھے کہ ایک جانور بدک جائے اور ایک جانور بگڑ جائے تو تمہیں پھر معلوم ہو، ذللنها ہم نے ان کو تمہارے تابع کر دیا، مسخر کر دیا، کتنے اللہ کے احسانات ہیں، ہم جانوروں کو کبھی سمجھا سکتے؟ کسی انسان کو سمجھاتے ہیں، نہیں سمجھتا، پھر سمجھاتے ہیں نہیں سمجھتا، پھر سمجھاتے ہیں نہیں سمجھتا، پھر سمجھاتے ہیں نہیں سمجھتا، تو ہم اسے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو جانور ہے کہ یہ سمجھتا ہی نہیں ہے، تو ہم اسے کہتے ہیں جانور کہ یہ تو سمجھ ہی نہیں رہا اور اللہ نے ان جانوروں کو جو واقعتاً جانور ہیں، ان کو کتنا سمجھا دیا، ان کو کتنا روک دیا، ان پر کتنا رعب ڈال دیا، ان کو کتنا تابع دار بنا دیا، آپ دیکھیں، کیسے بڑے بڑے جانور ہیں، کیسے کیسے بڑے طاقتور ہیں، گدھے ہیں، گھوڑے

ہیں، خچر ہیں، پیچھے ایک کمزور سا مالک بیٹھا ہوا ہے اور وہ طاقتور جانور اس کے آگے کڑکتی ہوئی دھوپ میں تابع بن کر چل رہے ہیں، یہ سب اللہ کے احسانات ہیں کہ فمنها رکوبهم ومنها یاکلون کچھ تو وہ ہیں کہ جن کی پیٹھوں کو ہم نے مضبوط کر دیا ہے کہ تم ان پر بیٹھ جاؤ، سواری کرلو، اور کچھ وہ ہیں جن کے گوشت ہم نے لذیذ بنا دیئے تا کہ تم ان کو کھاؤ۔ ولهم فيها منافع و مشارب اور ان میں طرح طرح کے تمہارے لئے فائدے رکھ دیئے، پینے کی چیزیں رکھ دیں، کیا بندے شکر ادا نہیں کرتے۔

زبان اللہ کی تعریف کرتے نہیں گھستی:...... رابعہ بصریہ رحمہ اللہ کے بارے میں پڑھا اور سنا کہ وہ فرماتی تھیں کہ انسان اللہ کی نعمتیں کھاتے کھاتے تمہارے تیز دانت گھس گئے، تیری زبان اللہ کی تعریف میں نہیں گھسی؟ بے حد اس کے احسانات ہیں، اس کا خود فرمان ہے وان تعدوا نعمت الله لاتحصوها کہ اس کے احسانات کو ہم گننا چاہیں تو نہیں گن سکتے۔ اور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں ایک نعمت کا ذکر کیا جمع بھی نہیں ذکر کیا وان تعدوا نعمت الله تحصوها واحد ذکر کیا کہ ایک نعمت کی تحقیق کرو گے تو تمہاری عقلیں حیران رہ جائیں گی اور اس ایک نعمت کا کوئی ایک سرا بھی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا، ایک آنکھ کی نعمت کو دیکھو، چند انچ کی چھوٹی سی یہ نعمت ہے، اس کی تحقیق کرو، بڑے بڑے نامی گرامی اسپتال ہیں دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن ساری دنیا کے یہ اسپتال اور سرجن اور ماہرین ڈاکٹر مل کر ایک آنکھ کے شعبے کی پوری تحقیق نہیں کر سکتے، آج تک کامیاب نہیں ہوئے، یہ روشنی کیسے آتی ہے؟ کہاں سے آتی ہے؟ کس طرح آتی ہے؟ یہ اس خدا کی قدرت ہے۔

وما بكم من نعمة فمن الله اور جو بھی نعمت تم کو میسر ہے سب من جانب اللہ ہے، تو اس کے احسانات کو کہاں گن سکتے ہیں اور کہاں ہر سمت ہر آن ہر گھڑی موسلا دھار بارش کی طرح میں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات میں گھرا ہوا ہوں، اور اپنی حیثیت کو دیکھو میری حیثیت کیا ہے؟ وہ اللہ وہ جلال و جبروت کا مالک، وہ زمین و آسمان، عرش و فرش کا مالک، نبیوں کا رب اللہ، ابراہیم خلیل اللہ کا رب اللہ اور بڑے بڑے برگزیدہ پیغمبروں کا رب اللہ، اتنے بڑے ملک و ملکوت والے اللہ فسبحن الذى بيده ملكوت كل شىء ہر ہر چیز پر کامل حکومت کرنے والا اور وہ ذوالجلال والاکرام اس کے مقابلے میں ایک مشت خاک کی حیثیت کیا ہے؟ میری حیثیت کیا ہے؟ اس کے باوجود وہ میرے اوپر اتنے احسانات کرے، اس کی میرے اوپر اتنی نظر ہو۔

شکر کیا ہے؟:...... امام غزالیؒ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ شکر یہ ہے کہ نعمت ملنے کے بعد نعمت پر نظر نہ ہو، نعمت ملنے کے بعد اپنے پر نظر نہ ہو، مجھے ملا، اس پر بھی نظر نہ ہو کہ یہ ملا بلکہ فرمایا کہ نعمت ملنے کے بعد منعم پر نظر ہو کہ اس نے عطا کیا، اس کا شکر ہے! منعم ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہو، اسی پر نظر ہو، یہ اس کی ادا ہے، اس سے "میں نکلتی" جائے گی اور اس کا شکر زبان پر آتا جائے گا، جب جب اپنے اوپر نظر پڑتی ہے "میں" آتی ہے فرمایا، یہ تکبر کی علامت ہے، اس سے تکبر پیدا ہوتا جائے گا۔ جتنی اللہ پر نظر ہوتی جائے گی، اتنا تکبر کٹتا جائے گا اور شکر آتا جائے گا، تو اللہ کے احسانات کو نہیں گن سکتے، نہیں سوچ سکتے، میری حیثیت سے بڑھ کر، میرا استحقاق ہی نہیں، خلاف استحقاق، اللہ اتنا عطا کر رہا ہے۔

ایک عظیم انعام، نماز:...... اس اللہ کا ایک انعام اگر اس کو ہی ہم بڑا سوچیں تو یہ قدر ہے، اللہ اس کی قدر نصیب فرمائے آمین! کہ اس کے ان احسانات میں سے کتنا بڑا احسان نماز ہے، نماز تو کیا ہے کہ گویا کہ مجھے اللہ کی بارگاہ میں شرف باریابی نصیب ہوا، اللہ سے ملاقات ہے، جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ سے باتیں کرے، وہ کھڑا ہو اور نماز پڑھے۔ یہ اللہ کے آگے مناجات کر رہا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ایک خادم نے ان کو خط لکھا، نماز میں توجہ کے حوالے سے تو حضرت نے فرمایا کہ صحیح بخاری کا وہ باب نکالو، باب شیٔ ینادی ربه وہ باب نکال کر اس کو پڑھو، اس باب کا عنوان ہی یہی ہے کہ نماز پڑھنے والا اپنے رب سے مناجات کر رہا ہے، سرگوشی کر رہا ہے۔

کتنی بڑی دولت ہے کہ نماز کے ذریعے سے مجھے سرگوشی کا موقع مل رہا ہے و نادينه من جانب الطور الايمن وقربنه نجيا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو طور کے دائیں جانب سے بلایا اور وقربنه نجيا ہم نے اس سے باتیں کرنے کے لئے اس کو قریب کیا، قربناه نجيا ہم نے اس سے سرگوشی کرنے کے لئے اس سے باتیں کرنے کے لئے اس کو قریب کیا، تو اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں یہ موقع اور یہ سعادت اور یہ عزت دی کہ ہمیں بھی براہ راست بلایا کہ حى على الصلوة آجاؤ مجھ سے سرگوشی کرنے کے لئے قربناه، صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے، الدين النصحية اس کے ذیل میں امامؒ فرماتے ہیں کہ عربی میں دو لفظ ایسے ہیں کہ عربی میں ان کا کوئی ثانی نہیں، ایک لفظ ان میں سے النصحية ہے کہ سارے دین کو نصیحت کہا کہ الدين النصيحة کہ دین تو بس نصیحت کا نام ہے اور دوسرا لفظ فرمایا، حى على الفلاح، فلاح کی طرف آؤ، اللہ کے حضور حاضری اس سے بڑی کوئی کامیابی نہیں، تو اللہ ہمیں اس کی قدر نصیب فرمائے۔ آمین

ایک بات تو یہ ہے کہ ہم پانچ وقت کی نماز پابندی سے اول وقت میں پڑھنے والے بن جائیں، سب سے پہلے تو ہم اپنی نمازوں کو مضبوط کریں، نمازوں کی حاضری کو پورا کریں، بھرپور حاضری اور بروقت حاضری بنانے کی محنت کریں، میرے پاس کیا عذر ہے، میں اس اللہ کو کیا جواب دوں گا؟ تھوڑی سی بھی ادھر ادھر دیر ہوئی تو پتا چلا کہ تکبیر اولیٰ گئی اور بعض دفعہ تو رکعت ہی نکل گئی۔

کانٹا نکالنے میں سو سال نکل گئے:...... مولانا عاشق الٰہیؒ نے اپنی چھوٹی سی کتاب میں لکھا ہے، ایک شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں تو پاؤں سے کانٹا نکالنے میں ہی لگا اور اس کے لئے جھکا کہ اتنے میں سو سال کی مسافت طے کرنے سے رہ گیا۔ جو قافلہ تھا وہ سو سال کی مسافت آگے نکل گیا اور اس میں پیچھے رہ گیا۔ صرف اتنی سی بات پر کہ میں پاؤں سے کانٹا نکالنے میں لگ گیا، اس کے آگے انہوں نے اس کی مثال دی ہے بس ذہن میں آ گئی، اللہ ہمیں سمجھا دے کہ اگر آدمی نماز کو جائے اور تھوڑا سا بھائی السلام علیکم بات چیت میں لگا اور پتہ چلا کہ تکبیر اولیٰ نکل گئی۔ اگر یہ سلام نہ کرتا ان کے ساتھ دو منٹ نہ لگاتا تو یہ تکبیر اولیٰ میں شریک ہو جاتا۔ تو تکبیر اولیٰ والے اس سے آگے سو سال کی مسافت طے کر چکے ہیں، وہ دو منٹ کی باتیں اسے سو سال پیچھے کر گئیں، ہر نماز سے پہلے دوڑ ہو، اس بات کی لگن ہو، کہ میں اللہ کو اپنی حاضری دکھاؤں گا، فرمایا، اے موسیٰ! جلدی کیوں آئے؟ تو فرمایا اے اللہ! میں جلدی اس لئے آیا ہوں تا کہ آپ خوش ہو جائیں، یا اللہ! وہ بھی آرہے ہیں لیکن میں تو جلدی اس لئے آیا ہوں تا کہ آپ خوش ہو جائیں، تو جب اللہ بلا رہے ہوں تو پورے محلے میں دوڑ لگی ہوئی ہو، ہر ایک کے دل میں یہ شوق ہو کہ میں اس لئے جلدی جا رہا ہوں اور یہ جلدی جانا اپنے اللہ کو دکھا رہا ہوں اور دل میں یہ نیت ہو کہ اللہ خوش ہو جائے کہ میرا بندہ کتنا جلدی آرہا ہے، ہر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد دیکھا جائے تو دو تین صفیں مسبوق ہوتی ہیں، کیا کسی دفتر میں ایسا ہوتا ہے؟ سوچیں اگر دفتر میں تاخیر ہو جائے تو کیا ہوتا ہے؟ جب بندوں کے ساتھ ہم ایسا نہیں کرتے، روز وقت پر دکان کھولتے ہیں، روز پابندی کے ساتھ آتے جاتے ہیں، روز پابندی کے ساتھ اپنے کاموں کو نمٹاتے ہیں، لیکن نماز کا حال یہ ہے کہ بال سفید ہو گئے، لیکن یاد نہیں پڑتا کہ پوری زندگی میں کبھی صرف چالیس دن تکبیر اولیٰ کی پابندی کی ہو اور زندگی گزر رہی ہے، ہفتے، مہینے، سال گزر رہے ہیں، میں

اس سطح پر پہنچ چکا ہوں کہ عمر کے چالیس پچاس سال کو پہنچ چکا ہوں، آج تک مجھ سے تکبیر اولیٰ کی پابندی ہی نہیں ہوئی؟ کہنے کو تو میں گریجویٹ ہوں، کہنے کو تو میں بزنس مین ہوں، کہنے کو تو میں بہت کچھ ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تکبیر اولیٰ کی پابندی نصیب نہ ہو سکی۔

جو محنت کرتا ہے، کوشش کرتا ہے، اللہ اس کے اندر کو دیکھتا ہے، وہاں سمجھانے کی ضرورت نہیں، وہ تو علیم بذات الصدور ہے، دلوں کا حال جانتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اس کو میری ملاقات کا کتنا شوق ہے، مجھ سے کتنا دل لگاتا ہے، اگر ہمارے گھر میں باہر ملک سے کوئی عزیز آرہا ہو تو سارے گھر میں شور ہے کہ عزیز آرہا ہے، ملنے چلنا ہے، ملاقات کے لئے چلنا ہے، بھئی دیر ہو رہی ہے، جلدی کرو، جلدی پہنچو! دل میں ایک امنگ ہے ملاقات کی، اسی طرح اللہ سے نماز میں ملاقات کی امنگ کتنے دلوں میں ہے؟ جن کے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ آسانی کر دیتے ہیں۔

25 سال امامت کی پابندی:...... مسجد نبویؐ کے مکتبے میں ایک کتاب پڑھی تھی، اس میں مسجد نبویؐ کے ائمہ کے حالات لکھے ہوئے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب مسجد نبوی کا ایک ہی امام ہوا کرتا تھا، ایک امام کے حالات میں لکھا ہوا تھا کہ انہوں نے پینتالیس سال مسجد نبویؐ میں امامت کی اور ایک نماز میں بھی ناغہ اور غیر حاضری نہیں کی، اللہ آسان فرما دے، جس کے ساتھ اللہ کی توفیق، اللہ کا فضل شامل ہو جائے جس کے اوپر اللہ کی نظر پڑ جائے تو اس کے لئے سب آسان ہے۔

22 سال تکبیر اولیٰ کی پابندی:...... حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ دارالعلوم میں تشریف لائے، غالباً سالانہ جلسہ تھا، بہر حال زیارت و ملاقات کے لئے بڑا مجمع تھا، نماز کے لئے جب پہنچے تو راستے میں مجمع تھا، مصافحہ وغیرہ سے فارغ ہونے میں تاخیر ہو گئی اور نماز تک پہنچتے پہنچتے تکبیر اولیٰ نکل گئی، تو تذکرۃ الرشید میں ان کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ نماز کے بعد بہت غمگین تھے اور ان کے چہرے پر غم اور حزن کے آثار نمایاں تھے اور پتہ یہ چلا کہ بائیس سال بعد آج تکبیر اولیٰ چھوٹ گئی ہے۔

کتنے بڑے قدر دان ہیں کہ بائیس سال بعد جن کی پہلی تکبیر چھوٹی۔

فجر میں اٹھانے کی تنخواہ:...... آج سے پچیس سال پہلے کی بات سنی تھی کہ جمشید روڈ پر کوئی صاحب تھے، وہ اس زمانے میں دو ہزار روپے چوکیدار کو صرف اس بات کے دیتے تھے کہ فجر کی نماز میں مجھے اٹھا دینا اور جب تک میں نیچے (نماز کے لئے) نہ آجاؤں تم مطمئن مت ہونا، کتنی فکر تھی تو اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ فرمایا، اگر یہ کراچی شہر والے نماز پر آجائیں سو فیصد نماز پڑھ لیں تو پچاس فیصد بڑے بڑے نامی گرامی اسپتال خالی ہو جائیں گے۔

شب معراج کا تحفہ:...... رسول خدا کو اللہ جل شانہ نے معراج پر بلایا، اس عظیم معجزے اور انعام و احسان کے موقع پر اللہ نے اپنے حبیب کو کیا عطا فرمایا؟ ہم سوچیں، ہم اس کو بیان کریں، ہم اپنے بچوں سے اس کو سنیں، جب کوئی کسی کے پاس کوئی حاجت لے کر آتا ہے تو وہ اپنے اعتبار سے بہتر سے بہتر اس کو عطا کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے موقع پر نماز عطا کی گئی۔

تشہد کا دھیان:...... اور تشہد کے اندر وہ کلام بھی رکھ دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ قدوسی میں حاضری ہوئی تو عرض کیا، التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات، اے اللہ! زبان تیری، جان تیری، بدن تیرا اور مال تیرا، سب کچھ قربان کیا، ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین تو جواب میں اللہ جل شانہ نے فرمایا، السلام علیک ایها النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات، یہاں وقف کرے، ٹھہر جائے یہاں ایک بات پوری ہو گئی، ایک ہی سانس میں آخر تک پڑھ رہے

ہیں تو شاید تا زندگی ساری نمازیں پڑھنے سے بھی لطف نصیب نہ ہو گا، ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں کہ التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات پر رک جائے اور یہ دھیان رکھے کہ یا اللہ آج کے بعد یہ زبان تیری ہو گئی، اس زبان سے آج کے بعد جھوٹ نہیں ہو گا، اس زبان سے آج کے بعد گالم گلوچ نہیں ہو گی، التحیات للہ میں نے زبان اللہ کو دے دی، اللہ کو دی ہوئی زبان کسی کو گالی دے سکتی ہے؟ لعن طعن کر سکتی ہے؟ تو کتنی پاک ہو جائے گی زبان اس دھیان کے ساتھ کہ میں یہ معاملہ اللہ کے ساتھ کر رہا ہوں کہ آج کے بعد یہ زبان تیری ہوئی، تیری رضا والا بول ہی بولے گی، ناشکری کے بول نہیں بولے گی، بلکہ شکر کے بول ہی بولے گی اور والصلوٰت کہ آج کے بعد یہ بدن تیری بندگی میں ہی لگے گا اور والطیبات آج کے بعد مال نہ تو تیری نافرمانی سے کماؤں گا، نہ تیری نافرمانی میں خرچ کروں گا، اب ٹھہر جائے اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے، السلام علیک ایها النبی ورحمۃ وبرکاتہٗ کتنا بڑا اسلام ہے، آج کل چیک مشینیں ہیں کہ یہاں سے پیسے ڈالو اور دوسرے براعظم سے فوراً نکل جائیں گے تو یہ اتنا بڑا اسلام عظمت والا پہنچے گا یا نہیں پہنچے گا؟

عظمت والا سلام:...... روضۂ پاک حاضری پر حاضری کا شوق اور تمنا بہت مبارک، لیکن اس سلام کی ناقدری کیوں؟ اس سلام کی بھی ہمارے اندر عظمت ہو، قدر ہو، گھر سے چلیں تو یہ خیال ہو کہ نماز کے اندر میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کروں گا اور اللہ نے یہ سلام نماز میں رکھا ہے تو اللہ ہی پہنچائیں گے اور یہ کتنی بڑی عزت اور سعادت ہے کہ میرا اسلام وہاں پہنچے اور وہ بھی دن میں پانچ مرتبہ پہنچے، پھر جس کو تڑپ ہو گی وہ تو چاشت میں بھی حاضر ہو جائے گا کہ مجھے تو سلام کرنا ہے، پھر زوال میں بھی حاضری کہ مجھے تو سلام کرنا ہے۔ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ ہمارے یہاں تشریف لائے تو جاتے ہوئے کہنے لگے، تمہارا سلام عرض کروں؟ تو فرماتے ہیں کہ پہلے تو تھوڑی شرم آئی کہ یہ تو مجھے کہنا چاہئے تھا اور حضرت فرما رہے ہیں تو پھر اس کی وجہ ارشاد فرمائی کہ وہاں تو مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جاتا، تو دوسروں کا سلام پہنچا دیتا ہوں تو تھوڑا ٹھہرنے کا موقع مل جاتا ہے، جن کے سامنے ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے بڑے بڑے جلیل القدر نبیوں کے بعد انسانوں میں بہت فضیلت والے لوگ، وہ بھی ان کے سامنے بالکل خاموش ان سے بولا نہیں جاتا تھا، تو مجھے نماز میں سلام کرنے کا موقع ملے؟ کتنا احترام کیا جائے کتنا سنجیدہ ہوا جائے کہ میرا اسلام پہنچے گا، زبان پر تو ہے السلام علیک ایها النبی اور دیکھ رہے ہیں پنکھے کو، دیکھ رہے ہیں دائیں بائیں کہ یہاں کون ہے، یہ کیسی نماز ہے؟ یہ تو میں نے خود اس نماز کی جان نکال دی۔

تمہارے جھونپڑے تیریں گے ان کے محلات ڈوبیں گے:...... حضرت جی، مولانا یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ کا ملفوظ سناتے تھے کہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ تم میری بات سن لو، کلمے اور نماز والے بن جاؤ، تمہارے جھونپڑے بھی تیریں گے، ان کے محل بھی ڈوبیں گے، سن لو بڑا مسئلہ اللہ کو راضی کرنا ہے تو ایک تو یہ کہ ہم اپنی نمازوں میں تکبیر اولیٰ کا ذوق پیدا کریں، یہاں سے ایک مرتبہ یہ بات چلی تھی اور ہم سب سے وعدہ لیا گیا تھا کہ آج کے بعد تکبیر اولیٰ کی پابندی کریں گے، ہم ذرا سوچیں کہ ہم میں سے کتنے لوگوں نے اس بات کو لیا؟ الحمدللہ ہم میں سے کتنے ایسے ہوں گے کہ جن کی تکبیر اولیٰ کی پابندی چل رہی ہو گی لیکن ہم سارے ہی اس کی کوشش کریں اور دوسرا یہ کہ ہم اپنے گھروں میں اپنے بچوں کو اپنے گھر کے افراد کو نماز پر لانے کی کوشش کریں، نماز کے بغیر ایمانی زندگی نہیں ہے، ایمانی زندگی میں نماز کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک کے بعد تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ فرمایا: اسلام میں نماز کی حیثیت تو

وہی ہے کہ جو جسم انسانی میں سر کی ہے۔

نماز کی حیثیت:...... حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فضائل اعمال میں اس حدیث کی تقریر کی ہے اس کو ذرا ہم سوچیں کہ جسم انسانی میں جو حیثیت سر کی ہے وہ اسلام میں نماز کی ہے، اب میں اپنے چہرے کو کتنا سجاتا ہوں، اللہ نہ کرے کسی کے چہرے پر عیب ہو تو کیا ہوگا؟ ایک آنکھ نہ ہو تو کیا ہوگا؟ تھوڑے سے بال جل جائیں اور جل کر کوئی بیماری لگ جائے تو کتنی فکر ہو جاتی ہے، تو سارے جسم میں اشرف جو ہے وہ چہرہ اور سر ہے اس کا ہم کتنا خیال کرتے ہیں؟ ایک جگہ چھوٹا سا بورڈ لگا ہوا تھا، ہیلمٹ پہننے کے بارے میں کہ ہیلمٹ پہنو کہ سر بچا تو جان بچی، اس سے پتہ چلا کہ نماز بچی تو ایمان بچا، نماز نہیں تو کچھ بھی نہیں، کل قیامت کے دن سب سے پہلے نماز ہی کا سوال ہوگا، فرمایا، جس کی نماز صحیح نہ نکلی، اس کا آگے کچھ دیکھا ہی نہیں جائے گا، اس لئے کہ نماز کے بغیر آگے کچھ صحیح ہو ہی نہیں سکتا، نماز تو ویسے ہی اتنی اہم ہے اگر وہی ٹھیک نہ ہوئی تو آگے کیا ہوگا؟ مولانا الیاس رحمہ اللہ حضرت مدنیؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، لکھا ہے کہ ایک طالب علم چائے لایا، اس کو ٹھوکر لگی تو چائے گر گئی تو مولانا الیاس فرمانے لگے کہ اس کی نماز میں کمی ہے، گری تو چائے ہے اور فرمایا، نماز میں کمی ہے، ہمارے معاشرے میں فالٹ یعنی کمی ہمارے معاملات میں فالٹ جہاں جہاں ہم غلطیاں کرتے ہیں، ٹھوکریں کھاتے ہیں، اصل تحقیق کرنے کے بعد پتہ یہ چلے گا کہ نماز میں کمی ہے اور فرمایا، جس دن جس کی نماز کامل ہوگئی اس دن وہ مخلوق سے چھوٹ گیا، تو نماز کے اوپر محنت ہو، ایک تو تکبیر اولیٰ کی پابندی اور دوسرا نماز کا داعی بننا اپنے گھروں میں سو فیصد نماز زندہ کرنے کی محنت، بالخصوص فجر کی نماز میں محنت ہو، آج کل راتیں چھوٹی ہو رہی ہیں، بہت بڑا وحشت کا ماحول ہو جاتا ہے کہ عشاء کی نماز میں جو بھری ہوئی مسجدیں تھیں، فجر کی نماز میں دو چار صفیں ہیں، پورا شہر گونجتا ہے کہ الصلوٰۃ خیر من النوم۔

مفتی رشید صاحب رحمہ اللہ کا اذانیں سننا:...... حضرت مفتی رشید احمد رحمہ اللہ کے بارے میں پڑھنے میں آیا کہ فرماتے تھے کہ میں ایک کوٹھے کی چھت پر چڑھ جاتا ہوں اور فجر کی اذانیں سنتا ہوں، بہت لطف آتا ہے کہ چاروں طرف سے آوازیں گونجتی ہیں، اللہ اکبر، اللہ اکبر جن کا اللہ سے تعلق ہے وہ تو اللہ ہی کے نغمے مزے لے لے کر سنتے ہیں، الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم کہ جب اللہ کا نام آتا ہے تو ان کے دل تھرا جاتے ہیں، وہ چھت پر چڑھ رہے ہیں کہ فجر کا وقت سکون کا ہوتا ہے، دور دور کی اذانوں کی آواز بسہولت آجاتی ہے تو اذانوں کو سن رہے ہیں وہ تو دور کی آواز بھی سن رہے ہیں اور میں اپنے محلے کی آواز بھی نہ سنوں؟ اور اس پر لبیک کہہ کر اپنی مسجد میں حاضری نہ دوں؟ تو ہم اللہ کے حضور توبہ کریں کہ یا اللہ آج تک نماز کے حوالے سے آپ نے بہت احسان کیا، بہت عزت دی، اتنی بڑی عزت دی، لیکن یا اللہ میں اس کی پوری طرح قدر نہ کر سکا، ایک بزرگ فرماتے تھے کہ کسی نماز کے بعد یہ خیال نہیں ہوا کہ اس پر کچھ ملے گا، ہر نماز کے بعد یہی خیال رہا ہے کہ کہیں اس پر گرفت نہ ہو جائے، اتنا ڈر کہ قیام میں پتہ نہیں ادب ہو سکا یا نہیں، مجھے کہا گیا تھا۔ وقوموا للہ قنتین اللہ کے حضور ادب سے کھڑے رہو، مجھ سے کہا گیا، اقم الصلوٰۃ لذکری، میری یاد کے لئے نماز قائم کرو، تو قیام میں وہ ادب رہا؟

نماز تین چیزوں کا مجموعہ ہے:...... مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ نے دین و شریعت میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ نماز تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے، ایک تو زبان اللہ کی بڑائی کبریائی بول رہی ہو، اللہ کے ذکر و ثنا میں زبان لگی ہوئی ہو، دوسرا یہ کہ دل زبان کا ساتھ دے رہا ہو کہ زبان سے کہہ رہے ہے، سبحانک اللھم تو دل میں بھی یہی ہو کہ اللہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، وتبارک اسمک و تعالیٰ جدک تو دل میں اللہ کی عظمت ساتھ ساتھ چل رہی ہو، زبان سے کہیں ایاک نعبد تو دل میں بھی اطاعت ہو اور تیسرا یہ فرمایا کہ پورا جسم اور وجود اللہ کی یاد میں جھکا جا رہا ہو، تو نماز کے اندر ہماری آج تک جو کوتاہی رہی اور ہم نے آج تک جتنی بھی ناقدری کی اللہ ہمیں معاف فرمائیں، اے اللہ اب ہمیں معاف فرما کر نماز کا ذوق نصیب فرما، نماز کا شوق نصیب فرما، ہمیں بھی نمازوں کی طرف لپکنے والا بنا، یہ تو تیرے حضور ڈر رہے ہیں، تیرے گھر کی طرف دوڑ رہے ہیں، ہم بھی تجھے راضی اور خوش کرنے کے لئے جلدی کرنے والے ہوں، پہلے سے فکر ہو کہ بھئی نماز کا وقت قریب ہے، پہلے سے وضو کر لو، پندرہ منٹ رہ گئے ہیں اور پھر اپنی نماز کے ظاہر کو بھی بنانے کی کوشش کریں اور باطن پر بھی سخت محنت کریں، ظاہر تو یہ ہے کہ تمام ارکان اور رکوع سجدہ پورے ادب اور اہتمام کے ساتھ ادا ہوں، اس میں کوئی دوڑ نہ ہو کہ دیکھنے والا فوراً ہی سمجھ جائے کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہے اور باطن یہ ہے کہ اس میں اللہ جل شانہ کی یاد اور اللہ کا دھیان رچا بسا ہوا ور ہمہ تن یہ خیال ہو کہ مجھے اللہ دیکھ رہا ہے، میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں، میں اللہ کے سامنے جھکا ہوں، حدیث کا مفہوم ہے کہ سجدہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ رحمٰن کے قدموں میں پڑا ہو کہ سر اٹھانے کو جی نہ چاہے، صحیح مسلم میں حدیث ہے بندہ اپنے رب کے قریب سب سے زیادہ حالت سجدہ میں ہوتا ہے، اتنا ذوق و شوق اپنی نماز پر محنت ہو تو اللہ کا یہ وعدہ ہے جو ہماری خاطر محنت کرتا ہے ہم راستے کھول دیتے ہیں۔

"اللہ اکبر" میں پانچ غلطیاں:...... ہمارے ایک بزرگ قاری الٰہی بخش پانی پتی رحمہ اللہ ان کا تعلق حضرت مدنی سے تھا، قاری تھے، ایک شخص کی اللہ اکبر میں پانچ غلطیاں نکالیں، صرف اللہ اکبر میں پانچ غلطیاں نکال دیں، ہم اپنی نماز کو درست کریں، اپنے اللہ اکبر کو اور اپنی قرأت کو، سلام کو، فاتحہ کو درست کریں، صفوں کو درست کریں، نمازوں پر محنت کریں اور یہ ساری محنت اس لئے کہ جتنا ہم اپنی نمازوں کو بنائیں گے، اللہ ہماری زندگیوں کو بنائے گا، یہ سارے کا سارا شروع نماز سے ہی ہوتا ہے، ابتدا نماز سے کی اور آگے مماتی تک کا سبق ہے، مماتی تک اللہ اپنا بنا لیتا ہے، صلاتی سے سبق شروع تم نماز بناؤ، مماتی تک اللہ بنائے گا، اللہ جل شانہ ہم سب کو اپنا بنائے اور ہم کو نماز کا خاص ذوق نصیب فرمائے، اس کو ہم سوچیں، آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے، سارے کے سارے مسئلوں کا حل اللہ ہے، اللہ کے حضور حاضر ہو جائیں، اللہ سے اپنے مسئلے حل کروانے والے بن جائیں، وہی حل کرے گا اور اس کے لئے دعا بھی مانگیں کہ میری محنت سے نہیں ہوگا، اے اللہ! تیرے ہی فضل سے ہوگا، اللہ جل شانہ عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆......☆......☆

دس کروڑ مہینوں کے برابر ثواب

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے راستے میں ایک گھڑی ٹھہرنا مکہ مکرمہ میں حجر اسود کے قریب لیلۃ القدر کے اندر قیام کرنے سے بہتر ہے۔ (بیہقی، ابن حبان)

اس حدیث شریف کے پیش نظر علمائے کرام نے لکھا ہے کہ اس حساب سے اللہ کی راہ میں ایک ساعت ٹھہرنا دس کروڑ مہینوں کے قیام سے بہتر ہے، اس لئے کہ مکہ مکرمہ میں لیلۃ القدر میں قیام (کم از کم) دس کروڑ مہینوں کے برابر ہے۔

اندھیرا ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

ہمارے معاشرے میں کھانے پینے کی اشیاء کو جس بے دردی سے ضائع کیا جاتا ہے، وہ رزق کی بے حرمتی کے علاوہ بھوکوں کے منہ سے نوالہ چھیننے کے مترادف ہے۔

رزق خداوندی کے بارے میں ہماری یہ لاپروائی صرف کھانے پینے کے اشیاء کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ دوسری اشیاء ضرورت کو ضائع کرنا بھی ہمارا ایک اجتماعی روگ بن چکا ہے اور اس کی وجہ سے بھی ہم طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے وقت پانی احتیاط کے ساتھ خرچ کرنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا: "پانی کو فضول خرچ کرنے سے بچو، خواہ تم کسی بہتے ہوئے دریا کے پاس کھڑے ہو۔"

ظاہر ہے کہ جو شخص کسی بہتے ہوئے دریا سے وضو کر رہا ہو، اسے پانی کی کمی کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی پانی احتیاط کے ساتھ استعمال کرنے کی تاکید فرمائی، اس لئے کہ اول تو جب ایک شخص کو پانی فضول بہانے کی عادت پڑ جاتی ہے تو وہ پانی کی کمی کے مواقع پر بھی اس فضول خرچی سے باز نہیں رہ سکتا، دوسرے جب کسی قوم کا مزاج یہ بن جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بے دریغ بلا ضرورت استعمال کرے تو ایسی قوم کے لئے بہتے ہوئے دریا بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

ہمارے ملک کو اللہ تعالیٰ نے جو قدرتی وسائل عطا فرمائے ہیں، وہ دنیا کے دوسرے بہت سے ملکوں کے مقابلے میں قابل رشک ہیں، لیکن ہم نے اپنی لاپروائی، فضول خرچی، خود غرضی اور بد دیانتی کی وجہ سے انہیں اپنے لئے اس طرح ناکافی بنایا ہوا ہے کہ دوسروں کے سامنے ہماری بھیک کا پیالہ ہر وقت پھیلا رہتا ہے۔

آج ہمارا ملک بجلی کی قلت کی وجہ سے شدید مسائل سے دوچار ہے، ملک کا بیشتر حصہ لوڈ شیڈنگ کی زد میں ہے، روزانہ کئی کئی گھنٹے بجلی غائب رہتی ہے اور اس کی وجہ سے لوگ سخت مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں۔

ہمارے ملک میں پڑنے والی شدید گرمی کے عالم میں بجلی کا میسر نہ ہونا گرمی کی تکلیف کو دس گنا بڑھا دینے کے مترادف ہے لیکن بات صرف اس تکلیف کی نہیں، بعض مرتبہ بجلی بعض انسانوں کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتی ہے، نہ جانے کتنے مریض ہیں جو بجلی کی نایابی کی وجہ سے مناسب علاج کی سہولت سے محروم رہتے ہیں اور ظاہری اسباب کے لحاظ سے اسی وجہ سے جان دے دیتے ہیں۔

ایک طرف بجلی کی قلت کا تو یہ عالم ہے اور دوسری

طرف جب کہیں بجلی میسر ہو تو وہاں اس کے بے محابا اور بے دریغ استعمال کا حال یہ ہے کہ اس میں کہیں کمی نظر نہیں آتی، خالی کمروں میں بلب روشن ہیں، پنکھے چل رہے ہیں اور بسا اوقات ایئر کنڈیشنز بھی پوری قوت کے ساتھ برسر کار ہیں، دن کے وقت بلا ضرورت پردے ڈال کر سورج کی روشنی کو داخلے سے روک دیا گیا ہے اور بجلی کی روشنی میں کام ہو رہا ہے، معمولی معمولی بات پر گھروں اور دیواروں پر چراغاں کا شوق کیا جا رہا ہے، جہاں لوگ بجلی کو ترس ترس کر مر رہے ہیں، وہاں رات کے وقت ہاکی اور فٹ بال کھیلنے کے لئے میدانوں میں انتہائی طاقت کی سرچ لائٹیں روشن ہیں اور بعض میدان تو کھیل کے بغیر بھی ان کی روشنی سے بقعۂ نور بنے ہوئے ہیں اور سڑکوں پر روشن اشتہارات (نیون سائنز) روشنی کی کسی حد کے پابند نہیں ہیں۔

بالخصوص جن مقامات پر بجلی کا بل خرچ کرنے والے کو خود ادا نہیں کرنا پڑتا، وہاں تو بجلی کا استعمال اتنی بے دردی سے ہوتا ہے کہ الاماں! سرکاری دفتروں میں دن کے وقت بسا اوقات بالکل بلا ضرورت لائٹیں روشن ہوتی ہیں اور پنکھے اور ایئر کنڈیشنز اس طرح چل رہے ہوتے ہیں کہ ان کا خرچ بہت آسانی سے کم کیا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ بعض سرکاری ملازمین اور بہت سے نجی کمپنیوں کے ملازمین کو گھروں پر بھی بجلی کے مفت استعمال کی سہولت حاصل ہوتی ہے، وہاں تو "مال مفت، دل بے رحم" کی مثال پوری آب و تاب کے ساتھ صادق آتی ہے۔

چند سال پہلے مجھے چین جانے کا اتفاق ہوا، چین اس وقت دنیا کی ایک ابھرتی ہوئی طاقت ہے اور رفتہ رفتہ اقتصادی ترقی میں بھی وہ عالمی برادری میں اپنا نمایاں مقام بنا رہی ہے، لیکن بیجنگ ایئر پورٹ سے شہر کی طرف جاتے ہوئے سڑکوں پر روشنی کی کمی نمایاں طور پر محسوس ہوئی، شروع میں خیال ہوا کہ یہ بیرون شہر کا علاقہ ہے، اس لئے معمولی روشنی پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن جب گاڑی شہر میں داخل ہوئی تو وہاں کا منظر بھی کچھ مختلف نظر نہ آیا، سوچا کہ یہ بھی شہر کا کوئی پسماندہ علاقہ ہوگا، لیکن جب ہم شہر کے اس حصے میں پہنچے جسے بیجنگ کا دل کہنا چاہئے تو بھی روشنیوں کا معیار دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی، حد تو یہ ہے کہ چانگ ین اسٹریٹ جو دنیا کی سب سے کشادہ شاہراہ سمجھی جاتی ہے، اس کے دونوں طرف بھی بہت معمولی لائٹیں لگی ہوئی تھیں، اس کے بعد میں ایک ہفتے سے زیادہ چین میں رہا اور اس کے مختلف صوبوں اور شہروں میں جانے کا اتفاق ہوا، ہر جگہ صورت حال یہی نظر آئی، اشتہارات اور نیون سائن تو خیر سرمایہ دار ملکوں کی خصوصیت ہیں، کسی اشتراکی ملک میں ان کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، لیکن پورے ملک میں مجھے کوئی بھی آرائشی روشنی دکھائی نہیں دی۔

ہم چونکہ کراچی کی جگمگ کرتی ہوئی روشنیوں کے عادی تھے، اس لئے رات کے وقت پورا ملک اندھیرا اندھیرا معلوم ہوتا تھا، ہم نے اپنے میزبانوں سے اپنے اس تاثر کا ذکر کیا تو انہوں نے بڑا معقول جواب دیا، ان کا کہنا تھا کہ ہمارا ملک بہت بڑا ہے اور آبادی کے لحاظ سے ہمارے یہاں بجلی کی قلت ہے، لہٰذا ہم اسی قدر بجلی استعمال کرتے ہیں، جتنی ہمارے ضروری کاموں کے لئے ناگزیر ہے، جب تک ہمارے ملک میں بجلی کی پیداوار وافر مقدار تک نہ پہنچ جائے، ہم آرائشی روشنیوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

یہ جواب ایک ایسے ملک کے باشندوں کا تھا جو ہم سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے اور جس کے پاس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی بھی موجود نہیں ہے کہ:

"پانی کو فضول خرچ کرنے سے بچو، چاہے تم کسی بہتے ہوئے دریا کے پاس کھڑے ہو۔"

لیکن اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی سے مالا مال ہونے کے باوجود ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں لوڈ شیڈنگ بھی گوارا ہے، اپنے دیہات کو بجلی سے بالکلیہ محروم رکھنا بھی منظور ہے، سسکتے ہوئے مریضوں کو

مناسب تشخیص اور علاج کے لئے ترسانا بھی قبول ہے، لیکن نہ ہم چراغاں اور دوسری آرائشی روشنیوں سے دستبردار ہو سکتے ہیں اور نہ بجلی کے عام استعمال میں کفایت اور بچت کا لحاظ رکھ سکتے ہیں۔

ہماری خود غرضی اور قدرتی وسائل کے ساتھ بے رحمی تو اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ میں نے کئی گھروں میں یہ دیکھا کہ باورچی خانے میں گیس کے چولہے چوبیس گھنٹے مسلسل جلتے رہتے ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی بند نہیں ہوتے، شروع میں میں نے اسے گھر والوں کی بے پروائی پر محمول کیا، لیکن جب ذرا اہمیت کے ساتھ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ چولہے اس لئے بند نہیں کئے جاتے کہ انہیں دوبارہ روشن کرنے کے لئے ماچس کی ایک تیلی خرچ نہ کرنی پڑے، چونکہ گیس کا بل ہر چولہے پر یکساں آتا تھا، خواہ گیس کم خرچ ہوئی ہو یا زیادہ، اس لئے اس کے مسلسل استعمال سے چولہے کے مالک کا ایک پیسہ بھی زیادہ خرچ نہیں ہوتا تھا، لیکن اگر چولہے کو بند کر کے ضرورت کے وقت دوبارہ جلایا جائے تو اس پر ماچس کی ایک تیلی خرچ ہو جاتی تھی۔

جب میں نے پہلی بار چولہوں کے مسلسل جلنے کی یہ وجہ سنی تو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا، لیکن جب کئی گھرانوں میں یہ منظر آنکھوں سے دیکھا اور بعض حضرات نے بے جھجک اس صورت حال کی یہ وجہ بیان بھی کی تو اندازہ ہوا کہ ہماری خود غرضی کتنی پستی تک پہنچ چکی ہے اور اپنی ماچس کی ایک تیلی بچانے کے لئے پوری قوم کی دولت کو کس طرح لٹایا جا رہا ہے۔

جن حضرات کو کسی وجہ سے بجلی، گیس یا دوسرے وسائل مفت میسر آتے ہیں اور ان کے فضول استعمال سے ان کی جیب پر کوئی بار نہیں پڑتا، وہ صرف اتنا دیکھتے ہیں کہ فوری طور پر ان کا کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا، لیکن اتنی گہرائی میں جانے کی فرصت کسے ہے کہ آخر وہ اسی ملک کے باشندے ہیں جس میں وسائل کی قلت کا رونا رویا جا رہا ہے اور بالآخر اس فضول خرچی کا نقصان دوسروں کے ساتھ انہیں بھی اٹھانا پڑے گا۔

بجلی اور گیس کا ذکر تو مثال کے طور پر آ گیا، ورنہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کے ساتھ ہماری ناقدری، بے دردی اور خود غرضی کا یہی عالم ہے، پیداوار میں اضافے کی کوششیں اپنی جگہ ہیں اور یہ کوششیں ضرور جاری رہنی چاہئیں، لیکن ان کوششوں کی صحیح منصوبہ بندی حکومت کا کام ہے اور اگر اسے سیاسی جھمیلوں سے فرصت ملے تو وہی یہ کام ٹھیک ٹھیک انجام دے سکتی ہے، یہ کام ایک ایک شخص کی انفرادی طاقت سے باہر ہے، لیکن ہر شخص کے اپنے بس میں یہ ضرور ہے کہ وہ حاصل شدہ وسائل کو ٹھیک ٹھیک خرچ کرنے کا اہتمام کرے اور اپنے خرچ پر قابو پا کر قومی دولت کے ضیاع سے پرہیز کرے۔

بجلی کے معاملے کو لے لیجئے، میرے بس میں براہ راست یہ نہیں ہے کہ میں ملک میں بجلی کی پیداوار میں اضافہ کر دوں لیکن یہ ضرور میرے بس میں ہے کہ جہاں ایک بلب سے کام چل سکتا ہے، وہاں میں دو بلب نہ جلاؤں، جہاں سورج کی روشنی میسر ہو، وہاں کوئی بلب روشن نہ کروں، جہاں ایک پنکھا کارآمد ہو سکتا ہے وہاں دو پنکھے نہ چلاؤں، جہاں ایئر کنڈیشنز کے بغیر گزارا ہو سکتا ہے، وہاں ایئر کنڈیشنز استعمال نہ کروں، جس کسی کمرے میں بلاوجہ روشنی، پنکھا یا بجلی کا کوئی اور آلہ چلتا ہوا دیکھوں، اسے بند کر دوں، جہاں چند روشنیوں سے ضرورت پوری ہو جاتی ہو، وہاں دیواروں اور گھروں پر چراغاں نہ کروں، کیا بعید ہے کہ اس طرح جس بجلی کا خرچ میں بچا رہا ہوں، وہ کسی ضرورت مند کے کام آ جائے، اس سے کسی مریض کو راحت مل جائے، یا کسی غریب کے ظلمت کدے میں اجالا ہو جائے۔

اگر ہم میں سے ہر فرد اپنے دائرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرلے کہ "بہتے ہوئے دریا کے پاس بھی پانی کے فضول خرچ سے بچو" تو نہ جانے کتنے انسانوں کے دکھ دور ہو جائیں!

وسوسہ اور خیال

مولانا سید زوار حسین شاہؒ



خیالات کا آنا مضر نہیں:...... ہر وسوسہ خیال ہے لیکن ہر خیال وسوسہ نہیں ہوتا۔ وسوسہ وہ خیال ہوتا ہے جو مقصد میں حائل ہو، لیکن ہر خیال مقصد میں حائل نہیں ہوتا۔ خیالات سے تو آدمی کا بچنا ناممکن ہے، اچھے یا برے خیالات تو ہر وقت انسان کو آتے رہتے ہیں۔ خیالات کا آنا مضر بھی نہیں، نہ نماز میں، نہ مراقبے میں، بل کہ خیالات کا لانا مضر ہے۔ آدمی خود خیالات نہ لائے، نہ سوچے، ہاں، اگر خود بہ خود کوئی خیال آ جائے تو اس پر جمے نہیں بل کہ اس خیال کو راستہ دے دے۔ خیالات کا آنا اللہ تعالیٰ کی ایک خاص مہربانی ہے۔ اگر خیالات نہ آئیں تو بھی انسان کا کام نہیں چل سکتا۔

خیالات کی مثال:...... مثلاً ایک آدمی گھر میں اپنی اہلیہ سے کہہ کر گرم مصالحہ لانے کے لئے بازار گیا، اب وہ بازار میں چلا جا رہا ہے، مختلف قسم کے خیالات اس کے ذہن میں آ رہے ہیں، لیکن گرم مسالہ لانے کا خیال تھوڑی تھوڑی دیر بعد خود بہ خود اس کے ذہن میں آتا رہتا ہے۔ اگر وہ شخص بازار میں جا کر کسی خاص خیال میں محو ہو جائے اور گرم مصالحہ لانے کا خیال اسے بھول جائے تو

نہ معلوم وہ کتنی دیر بعد گھر پہنچے اور گرم مصالحہ لے کر آئے بھی یا نہیں۔ یہ تو خیالات نہ آنے کا نقصان ہوا اور اگر خیالات آ کر جم جائیں تو بھی انسان کا کام چلنا مشکل ہے۔ مثلاً ایک شخص نے نماز کی نیت کی، اب اسے کاروبار کے کسی خیال نے آ کر تنگ کرنا شروع کر دیا۔ خیالات کا اتنا غلبہ ہوا کہ اسے نماز کی رکعتیں تک یاد نہ رہیں کہ ایسی نماز کا کیا فائدہ ہوا کہ جس نماز میں اتنا بھی حضور حاصل نہیں کہ نماز کی رکعتیں بھی یاد نہ رہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

لاصلوٰۃ الا بحضور القلب...... جس نماز میں حضور قلب حاصل نہ ہو وہ نماز ہی نہیں۔

حضور قلب کے مختلف درجات ہیں:...... ایک تو یہ کہ نماز شروع کی اور پوری نماز کے دوران اسے کوئی خیال نہ آیا۔ یہ تو کمال درجے کا حضور قلب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت آسانی فرما دی ہے کہ اگر صرف تحریمہ کہنے کی دیر تک بھی اسے نماز کا استحضار رہا تو اسے نفس حضور قلب نصیب ہو گیا اور ایسا شخص مندرجہ بالا وعید سے بچ گیا۔ اسی طرح اگر دوران قیام اسے اتنا خیال رہا کہ وہ قیام میں ہے اور پہلے الحمد اور پھر سورۃ پڑھنی ہے تو اسے اتنی سی بات سے نفس حضور قلب حاصل ہو گیا، اگرچہ کمال درجے حاصل نہ ہوا۔ اسی طرح رکوع، سجود اور تشہد میں اگر ان ارکان کا خیال رہا تو ان ارکان میں بھی اسے حضور قلب حاصل رہا۔

نماز میں حضور قلب کا ذریعہ:...... اب رہا کمال درجے کا حصول تو اس کے لئے شریعت نے مختلف ذرائع بتائے ہیں کہ ان کے ذریعے سے حضور قلب میں کمال حاصل کیا جا سکتا ہے، مثلاً نماز میں حضور قلب کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع کی ترغیب دی گئی ہے:

(۱)...... ادائیگی فرائض کے لئے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ مسجدیں تعمیر کریں جن میں دنیا کی باتیں نہ ہوں اور وہاں نماز پڑھنے والے کو یکسوئی حاصل ہو۔

(۲)...... نماز پڑھنے کے لئے مسجد جانے سے پہلے انسان اپنی طبعی ضروریات پوری کر لے۔ مثلاً اگر پیشاب پاخانے کا تقاضا ہو تو پہلے وہ پورا کرے پھر نماز میں مشغول ہو، اگرچہ اس سے جماعت ہی کیوں نہ جاتی رہے۔ یا اسی طرح اگر بھوک کا غلبہ ہو اور کھانا تیار ہو تو پہلے کھانا کھا لینا چاہئے، پھر نماز پڑھے۔ اگر کھانا کھائے بغیر نماز پڑھنی شروع کر دی تو دوران نماز بھوک ستائے گی، نماز بھی جلدی پڑھے گا اور کھانے کا خیال بھی آتا رہے گا، یعنی نماز کھانے کا حکم پیدا کر لے گی۔ اس کے برعکس اگر کھانا پہلے کھایا اور دوران طعام یہ خیال ستاتا رہا کہ ابھی نماز پڑھنی ہے اور اسی خیال میں رہا تو اس کے کھانے پر بھی ثواب ملے گا، یعنی طعام نماز کا حکم پیدا کر لے گا۔ پس آدمی کو چاہئے کہ طعام کو نماز بنائے۔ نماز کو طعام نہ بنائے۔ حاصل یہ کہ جو جو خیالات نماز کے اندر تنگ کر سکتے ہیں، نماز سے قبل ان خیالات کے اسباب کو رفع کرے۔

(۳)...... نماز کے لئے جلدی مسجد میں جائے اور پہلی صف میں امام کے قریب کھڑا ہو، تاکہ امام کی آواز آسانی سے سن سکے۔ پھر اگر معانی جانتا ہو تو امام کی قرأت پر غور کرنا آسان ہو گا۔ دوسرے یہ کہ بعد میں آ کر نماز میں شامل ہونے والوں کی خلل اندازی سے امام کے قریب ہونے کی وجہ سے بچ جائے گا، کیوں کہ خلل اندازی عام طور پر پیچھے کی آخری صفوں میں ہوتی ہے۔

(۴)...... پھر نماز کے بعد سنت و نوافل کے پڑھنے کے لئے باقاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس جگہ (مسجد یا گھر وغیرہ) اسے زیادہ یکسوئی حاصل ہو تو وہاں نوافل ادا کرنا افضل ہے، ان ذرائع سے حضور قلب میں کمال پیدا ہو سکتا ہے، بعینہٖ ذکر کی برکت سے بھی یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ اس کا اثر نماز کے دوران بھی رہتا ہے، اس لئے ذکر پر بھی مداومت کرنی چاہئے، باقی خیالات کا آنا ایک فطری چیز ہے، عام طور پر آدمی اس سے بچ نہیں سکتا،

یہاں تک کہ فنائیت کاملہ نصیب نہ ہو۔ ہاں جب فنائیت نصیب ہو جاتی ہے تو پھر بعض اوقات دوسرے خیالات تو کیا، آدمی کو اپنی بھی خبر نہیں ہوتی، جیسے حضرت علیؓ کا نماز کی حالت میں نیزے کا بھالا نکلوانا ایک بزرگ کا مراقبے کی حالت میں اپنے ایک پاؤں کا آپریشن کرانا، ڈاکٹروں نے کلوروفارم تجویز کی، لیکن وہ بزرگ جس مراقبے کی انہیں مشق تھی، اس میں مشغول ہو گئے، مراقبے میں تھوڑی دیر گزرنے کے بعد واقف لوگوں نے ڈاکٹر سے کہا کہ اب آپ ان کا آپریشن کر لیں، انہیں پتہ نہیں چلے گا، چنانچہ ڈاکٹر نے آپریشن کیا اور ان بزرگ کو پتہ بھی نہ چلا۔

بہر حال نماز میں محویت کا پیدا کرنا، ایک وہبی چیز ہے، کسبی نہیں اور ایک قاعدہ ہے کہ آدمی جس چیز کو کسب کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے وہبی طور پر عطا فرما دیتا ہے۔ یعنی کسب اللہ تعالیٰ کی عطا کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ بہر حال ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ ہم از خود خیالات نہ لائیں اور اگر خود بہ خود آ جائیں تو ان خیالات کو دل میں ٹھہرنے نہ دیں اور خیالات جم جائیں تو نفس کا تدارک کریں، جیسے ایک صحابی باغ میں نماز پڑھ رہے تھے اور نماز میں باغ کی طرف خیال گیا اور جم گیا تو انہوں نے اپنے مقام کے مناسب نفس تدارک کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر باغ صدقہ کر دیا۔

خیالات جمنے نہ دیں:...... ہم لوگوں کو چاہئے کہ اگر خیال جمنے لگے تو اسے دوسری طرف لگا دیں، مثلاً دوران نماز اگر خیال بھٹک گیا تو اس کو ہٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ خیال کو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جائے اور یہ سوچے کہ میرے آگے جنت ہے، کعبہ ہے، خدا کی ذات ہے، دائیں طرف جنت، بائیں طرف دوزخ ہے، پس اس طرح سے خیالات کو منتشر ہونے سے بچائے۔

دل کی مثال:...... بزرگوں نے کہا کہ دل کی مثال ایک جرنیلی سڑک یعنی شاہراہ کی مانند ہے کہ اس پر سائیکل سوار، رکشہ، ٹیکسی، کار وغیرہ ہر قسم کی سواری اور بھنگی سے لے کر بڑے بڑے وزراء تک اس شاہراہ پر سے گزرتے ہیں، اس سے کسی کو روکا نہیں جا سکتا، اسی طرح دل کو بھی اللہ تعالیٰ نے خیالات کی گزرگاہ بنایا ہے، اس میں ہر قسم کے خیال آئیں گے، اچھے بھی، برے بھی، جیسے آپ کسی کو جرنیلی سڑک پر چلنے سے روک نہیں سکتے، اسی طرح آپ خیالات کو قلب میں آنے سے روک نہیں سکتے، مثلاً اگر سرکار شاہی سڑک کو بند کر دے تو دنیا کے کاروبار بند ہو جائیں، اسی طرح اگر قلب میں خیال ہی پیدا نہ ہوں تو انسان زندگی بسر نہیں کر سکتا، جرنیلی سڑک کے چوراہے پر ایک ٹریفک کا سپاہی کھڑا ہوتا ہے جس کا کام ٹریفک کو کنٹرول کرنا ہوتا ہے، وہ ایک طرف کی ٹریفک کو روک کر دوسری طرف کی ٹریفک کو گزار دیتا ہے اور اس طرح ٹریفک کو جام نہیں ہونے دیتا، اگر وہ ڈیوٹی کو صحیح انجام نہ دے اور ٹریفک جام ہو جائے تو اس کا افسر اس کا عہدہ والا فیتہ (نشان، تمغہ) چھین لیتا ہے اور اس کو کہتا ہے کہ جاؤ، دوبارہ ٹریننگ لو، مشق کرو، پھر ذمہ داری کو صحیح طور پر ادا کرنا، اسی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ انسان کا دل خیالات کی گزرگاہ ہے، ہمارا کام دل کی شاہراہ پر ٹریفک کے سپاہی کی طرح ہے کہ خیالات کو گزارتے رہیں، جمنے نہ دیں، اگر خیالات دل میں آ کر رک جائیں اور ہم ان کو نہ ہٹائیں تو اس سے خیالات کی ٹریفک جام ہو کر فتور پیدا ہو جائے گا، اگر ایسا شخص مجاز ہو تو پیر صاحب بھی اس سے مجاز ہونے کا تمغہ واپس لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابھی اور ذکر کی مشق کرو، پھر اس ذمہ داری کو سنبھالنا، معلوم ہوا کہ خیالات آتے رہیں، گزرتے رہیں، جمیں نہیں۔

خیالات، دنیا کی رونق:...... دراصل خیالات ہی کے ذریعے دنیا کی رونق ہے اور اللہ تعالیٰ کو دنیا کی رونق باقی رکھنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بھی قابل

اعتراض نہیں کہ مسلمان کروڑ پتی بنے، بل کہ جائز اور حلال طریقے سے ہوتو ضرور کمائیں اور کمائی کے بعد اس کا حق ادا کریں، بل کہ خدا تعالیٰ تو اس بات پر زیادہ خوش ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس نعمتیں زیادہ ہوں، لیکن عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ کفار کے پاس دولت زیادہ ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار کے لئے تو صرف یہی دنیا ہے، آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، جب وہ کوئی اچھا کام کرتے ہیں تو ان کو اس کا سارا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے جو انہیں دنیاوی نعمتوں کی شکل میں مل جاتا ہے، مسلمانوں سے جو دنیاوی جاہ وحشمت جاتی رہی ہے تو وہ ان کے اعمال کی وجہ سے ہے، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس دنیا نہ ہو، بل کہ زیادہ مال دار تو دین کے زیادہ کام کر سکتا ہے، مال دار تو صدقہ، زکوٰۃ، حج، خیرات، مہمان نوازی، ہدیہ، وقف اور جہاد وغیرہ کے لئے چندے کے کاموں میں حصہ لے سکتا ہے، لیکن غریب بے چارہ کیا کر سکتا ہے، وہ تو صرف دو رکعت نماز ہی ادا کر سکتا ہے کہ اس پر کوئی پیسہ نہیں لگتا اور یہ دو رکعت بھی پریشانی کی حالت میں پڑھتا ہے، یعنی تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو دل میں خیال آتا ہے کہ صبح میرے بچوں کو روٹی کہاں سے میسر ہوگی۔

خیالات سے مفر نہیں:...... دنیا جائز طریقے سے کمانی چاہئے اور مقصد اللہ تعالیٰ کی ذات ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت غالب رہے، جیسے غزل کا ایک شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے: میرے محبوب کے متعلق طعنہ دینے والی عورتوں کے طعنے تو میرے دل کے گرد رہتے ہیں، لیکن میرے محبوب کی محبت میرے قلب کی گہرائی میں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں ہو اور دنیا دل کے باہر ہو، کیوں کہ انسان کو دنیا سے مفر نہیں، جیسے انسان کھانا کھائے اور چاہے کہ ریح خارج نہ ہو، تو عجیب بات ہے، اسی طرح دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کا خیال نہ آئے، یہ ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ چاہتا تو دنیا کے خیالات کو روک دیتا لیکن ایسا نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ نے اس صفت پر فرشتوں کو پیدا کیا ہے کہ انہیں ادھر ادھر کے خیالات نہیں آسکتے، جو فرشتہ رکوع میں ہے، وہ رکوع میں ہی رہے گا، جو سجدے میں ہے، وہ سجدے میں ہی رہے گا، انسان کو تو کسی اور مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

خالق کے خیال کے ساتھ مخلوق کے خیال کی مثال:...... بعض دفعہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خیال بھی ہے اور ساتھ ساتھ دوسرے خیالات بھی ہوتے ہیں، یہ کیفیت زیادہ خطرناک نہیں ہے، احسن یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہو، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ہم ریڈیو پر ایک اسٹیشن لگانا چاہتے ہیں، لیکن اس اسٹیشن پر دوسرے اسٹیشن کی ٹوں ٹوں کی آواز آتی رہتی ہے اور وہ دور نہیں ہوتی، تو ہم اس اسٹیشن سے جو کچھ تقریر یا خبریں سننا چاہتے ہیں، سن لیتے ہیں، بند نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارا کام تو چل رہا ہے، اگر یہ آواز بلند نہیں ہوتی، نہ ہو، ہم کیا ریڈیو بند کر دیں، پہلے ریڈیو پر اسٹیشن بہت کم ہوتے تھے، اس لئے ایک اسٹیشن پر دوسرے کی آواز نہیں آتی تھی، اب ریڈیو پر اسٹیشن بہت زیادہ ہو گئے ہیں، ایک اسٹیشن کی آواز دوسرے میں آجاتی ہے، اسی طرح پہلے لوگوں کی زندگیاں بہت سادہ تھیں، دنیا میں کم الجھتے تھے، لہٰذا یک سوئی آسانی سے ہو جاتی تھی، آج کل دنیا کی مشغولیت بہت زیادہ ہے، ہم دنیا کے دھندوں میں زیادہ الجھ گئے ہیں، اس لئے دنیا کے خیالات ہمیں زیادہ تنگ کرتے ہیں، پس ہم صحابہؓ کے ایمان کا تھوڑا حصہ بھی حاصل نہیں کر سکتے، اب تو شیطان سے جنگ کا زمانہ ہے، اصول یہ ہے کہ جنگ کے زمانے میں تھوڑا کرنے والے کو بھی زیادہ اجر ملتا ہے، متقدمین کو جو کیفیات بہت بہت محنت کے بعد حاصل ہوتی تھیں، آج کل لوگوں کو تھوڑی سی محنت سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، پہلے زمانے

میں صوفیوں، سالکین کو تیس تیس سال بعد خلافت ملتی تھی، آج کل دو سال میں مل جاتی ہے، آج کل جنگ کا زمانہ ہے، وہ زمانہ امن کا تھا، جو سپاہی جنگ کے زمانے میں تھوڑی سی محنت کرتا ہے، اس کی زیادہ قدر کی جاتی ہے، بڑے بڑے عہدے مل جاتے ہیں، لیکن امن کے زمانے میں پندرہ بیس سال بھی خدمت کرے تو کوئی خاص انعام نہیں ملتا، جب پہلی جنگ عظیم میں ترک اور جرمن، انگریز کے خلاف لڑ رہے تھے تو دوران جنگ تھوڑی دیر کے لئے انہیں غلبہ حاصل ہوا، انگریزی فوج مغلوب ہوئی، کچھ سپاہی مارے گئے، کچھ زخمی ہوئے، ایک پنجابی سپاہی بھی تھا، وہ ویسے ہی دشمن کے خوف سے گر گیا، بے ہوش ہو گیا، حالانکہ ٹھیک ٹھاک تھا، کچھ دیر بعد انگریزی فوج نے پلٹ کر زور دار حملہ کیا، جرمن فوج پسپا ہوئی، اس پنجابی سپاہی نے اپنی فوج کو دشمن کے پیچھے بھاگتے دیکھا تو اٹھ کر اپنی فوج کے آگے آگے جرمنوں کے خلاف لڑنا شروع کر دیا، انگریزی فوج کے بڑے افسر نے اسے سب سے آگے دیکھا تو اس کا نام نوٹ کر لیا، بعد میں اس سپاہی کو وقت کا سب سے بڑا انعام وکٹوریہ کراس حکومت کی طرف سے ملا۔

خیالات اور وساوس:...... خیالات کا آنا ناگزیر ہے، ہاں البتہ وہ خیالات جو مقصد میں حائل ہوں، وہ وساوس ہیں، پس وہ خیالات جو نماز میں آتے ہیں یا ذکر کرتے وقت آتے ہیں اور توجہ کو منتشر کرتے ہیں، وہ وساوس ہوتے ہیں، نماز میں خیالات کے آنے سے ثواب میں تو کمی نہیں آتی، البتہ کمال میں فرق آجاتا ہے، مراقبہ کرنے بیٹھیں اور خیالات آنے شروع ہو جائیں، چاہے دینی ہوں یا دنیاوی اور یک سوئی پیدا نہ ہونے دیں تو وہ وساوس میں شامل ہیں، البتہ استغراق کی کیفیت میں وسوسہ محمود ہوتا ہے، کیوں کہ اس سے کیفیات وواردات اور معرفت حق حاصل ہوتی ہے، یہ خیال ہی ہے جو آدمی کو اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر پہنچاتا ہے، سالک اپنے تمام مقامات کو خیال ہی کی مدد سے قطع کرتا ہے اور عبور کرتا ہے، پس خیالات ہی آدمی کی ترقی کا موجب وزینہ بنتے ہیں۔

شیطانی اور نفسانی وساوس میں فرق:...... وسوسہ شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور نفس کی طرف سے بھی، لیکن اگر غور کیا جائے تو ان دونوں کے وساوس میں لطیف فرق معلوم ہوتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ جو وسوسہ نفس کی طرف سے ہوتا ہے، وہ خفی ہوتا ہے اور جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، وہ ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ نفس کے وساوس میں نفس کا حظ بھی شامل ہوتا ہے، نفس کا مطلوب چار چیزیں ہیں:

☆ راحت ☆ زینت ☆ لذت اور شہرت

ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے، جیسے نفس زینت کی خاطر راحت ولذت کو قربان کر دیتا ہے، اسی طرح انسان شہرت کی خاطر بقیہ تینوں یعنی راحت، زینت اور لذت کو قربان کر دیتا ہے اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ شہرت نفس کا مطلوب حقیقی ہے، شہرت کو حاصل کرنے کے لئے نفس کو جو روپ دھارنا پڑتا ہے، یہ اس پر مائل ہو جاتا ہے، مثلاً اگر دنیا دار بننے میں شہرت ہو تو دنیا دار بننے کی تمنا کرتا ہے اور اگر دینی لبادہ اوڑھنے میں شہرت حاصل ہوتی ہو تو بزرگوں کی وضع قطع اختیار کر لے گا۔ یہ نفس کا بہت خطرناک داؤ ہے کہ دین کو دنیا بنا دیتا ہے، نفس کے داؤ اور وسوسے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)...... نماز کے وقت میں نیند کا آنا۔ (۲)...... زیادہ کھانے کو طبیعت چاہنا۔ (۳)...... زیادہ سونا۔ (۴)...... غصہ اور تکبر کرنا۔ (۵)...... کسی کو اپنے دل کا غصہ نکالنے کے لئے مارنا۔

اور شیطان کے وسوسے مندرجہ ذیل ہیں:...... مثلاً چوری کرنا، زنا کرنا وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ ان وساوس میں قرار واقعی فرق و امتیاز کرنا بہت بزرگ آدمی کا کام ہے، مبتدی بے چارے کو کیا پتہ، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ نفس کے

وساوس قوی ہوتے ہیں اور شیطان کے وساوس کم زور ہوتے ہیں، کقولہ ان کید الشیطان کان ضعیفا لیکن جب شیطان کے وسوسے کو نفس کی موافقت حاصل ہوتی ہے تو اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے، پس انسان گناہ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

قابل مؤاخذہ وسوسہ:......صرف اس وسوسے پر گرفت ہوتی ہے جو منتہی کو غافل کردے، البتہ جو وسوسہ آئے اور گزر جائے اس پر گرفت نہیں ہوتی، بل کہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب منتہی سے وسوسے کی بنا پر لغزش ہوتی ہے اور اسے علم ہو جاتا ہے تو وہ عاجزی واستغفار کرتا ہے۔ جس کی بنا پر اس کی لغزش معاف کردی جاتی ہے، بل کہ اس کی عاجزی پر اس کی ترقی کردی جاتی ہے اور یہ وسوسہ ترقی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ:......منقول ہے کہ ایک بزرگ سمندر کے کنارے رہتے تھے، ایک دفعہ بارش ہوئی، انہوں نے سوچا کہ یہ جو بارش ہو رہی ہے تو اس سمندر پر بارش کا کیا فائدہ، بارش کا فائدہ تو خشک زمین پر ہوتا ہے، وہ بزرگ اس خیال پر جم گئے، چاہئے تو یہ تھا کہ خیال کو ہٹاتے اور لاحول پڑھتے، لیکن وہ بزرگ اس وسوسے پر جمے رہے، یہ بزرگ ایک دن کسی دوسرے بزرگ کے پاس گئے تو انہوں نے ان بزرگ کو بتایا کہ آپ سے مقامات چھین لئے گئے ہیں، آپ جلد توبہ کریں، ان بزرگ نے کہا کہ میرا گناہ توبہ سے معاف نہیں ہو سکتا، آپ ایسا کریں کہ میری ٹانگ میں رسی یا کپڑا باندھ کر گھسیٹیں اور ساتھ ہی یہ کہیں کہ یہ وہ آدمی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کاموں پر دخل دیتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا تو یہ لغزش وخطا ان کی ترقی کا ذریعہ بن گئی، ویسے عام طور پر منتہی وسوسے کی ظلمت سے محفوظ رہتا ہے، واللہ اعلم۔

نیز ایک دفعہ ایک بزرگ کی تہجد کی نماز فوت ہو گئی تو وہ خوب روئے، ان کا رونا ایسا مقبول ہوا کہ تہجد سے بھی زیادہ ان کو ثواب ملا، اس کے بعد پھر ایک دن سوتے رہ گئے تو شیطان نے جلدی سے آکر جگا دیا وہ حیران ہوئے کہ شیطان نے عبادت کے لئے کیسے جگا دیا۔ پوچھا تو کہنے لگا کہ میں نے جگا کر تمہارا فائدہ نہیں، نقصان کیا ہے، اگر تم سوتے رہتے تو تہجد قضا ہو جاتی، پھر گریہ کرتے، جس کا ثواب تہجد سے زیادہ ملتا۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ تمہیں جگا دوں تاکہ تہجد پڑھ کر کم ثواب ملے تو بزرگوں کا معاملہ عجیب ہے کہ اول تو لغزش ہوتی ہی نہیں اور ہوتی ہے تو اتنا افسوس کرتے ہیں کہ وہ لغزش ترقی کا موجب بن جاتی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

☆......☆......☆

المتین......شدید قوت والا

خواص

☆......جس عورت کے دودھ نہ ہو اس کو المتین کاغذ پر لکھ کر دھو کر پلائیں، ان شاء اللہ خوب دودھ ہو گا۔

☆......جس بچے کا دودھ چھڑایا گیا ہو اور وہ صبر نہ کرتا ہو، اسے بھی دس بار لکھ کر پلایا جائے، ان شاء اللہ صبر کرے گا۔

☆......جو کوئی ملکی منصب چاہتا ہو، وہ اتوار کے دن اول ساعت میں اس نیت سے تین سو ساٹھ بار پڑھے گا، ان شاء اللہ وہ منصب پالے گا۔

☆......جو اس کا بکثرت ورد کرے گا اس کی سخت مشکل آسان ہو جائے گی اور ان شاء اللہ حاجات پوری ہوں گی۔

☆......جو کوئی فاسق وفاجر لڑکے یا لڑکی پر دس بار القوی المتین پڑھے گا تو اس کی اصلاح ہو جائے گی اور ان شاء اللہ وہ غلطی سے باز رہے گا۔

☆......☆......☆

فحاشی اور بے حیائی کا سیلاب......لمحہ فکریہ

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری



نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی جو علامات بتائی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بہت سے گناہوں اور برائیوں کا ارتکاب مہذب اور شائستہ ناموں سے کریں گے، شراب نوشی کریں گے مگر نام بدل دیں گے، سود خوری کریں گے اور اس کو نام کچھ اور دے دیں گے۔ غور کیا جائے تو یہ برائی کی سب سے بدترین صورت ہوتی ہے، کیوں کہ اس میں بھلائی کے لبادے میں برائی کی جاتی ہے، تہذیب کے نام پر بدتہذیبی کو روا رکھا جاتا ہے، آزادی کے نام پر نفس کی غلامی کی راہ ہموار کی جاتی ہے، اسلام جس وقت دنیا میں آیا اس وقت بھی کم و بیش یہی حالت تھی، اہل عرب اپنے کو دین ابراہیمی کا پیروکار کہتے تھے، لیکن پوری طرح شرک میں ملوث تھے۔

جب کوئی انسانی گروہ گناہ کا عادی ہو جاتا ہے اور جان بوجھ کر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا طریقہ کار یہی ہوتا ہے کہ وہ بدی کو نیکی اور برائی کو اچھائی ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے، مغربی تہذیب نے آج یہی صورت اختیار کر رکھی ہے، آج بہت سی مسلمہ اخلاقی برائیاں، تہذیب وثقافت کے نام سے رائج ہو گئی ہیں، جو لوگ اس سے اختلاف رکھتے ہوں، اسے برا جانتے ہوں ان کو تہذیب جدید سے نا آشنا، بنیاد پرست اور انتہا پسند جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ پوری قوت کے ساتھ اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ طوعاً یا کرہاً مغربی

ثقافت وتہذیب کو اہل مشرق پر مسلط کردیا جائے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی ''فحاشی اور بے حیائی'' کا فتنہ ہے جو ''روشن خیالی'' کے نام سے پروان چڑھایا جارہا ہے۔

فحاشی، قرآن کی نظر میں:..... قرآن کریم میں جا بجا ''فحاشی'' کی مذمت اور اسے شیطان کا عمل قرار دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إن اللہ یأمر کم بالعدل والاحسان وایتایٔ ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی . . . ﴾ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ تین چیزوں سے بچنے کا حکم دے رہے ہیں: (۱) بے حیائی سے (۲) منکر یعنی ناجائز کام سے (۳) سرکشی سے۔

''فحشاء'' ہر اُس برے اور بے حیائی کے کام کو کہا جاتا ہے جس کی برائی انتہائی درجہ کو پہنچی ہوئی ہو اور عقل وفہم اور فطرتِ سلیمہ کے نزدیک بالکل واضح ہو۔ اور ''منکر'' کا اطلاق اُس قول وفعل پر ہوتا ہے جس کے حرام اور ناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے: ﴿الشیطٰن یعد کم الفقر ویأمر کم بالفحشاء﴾ یعنی شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ (البقرۃ: 268) ایک اور جگہ ارشاد باری ہے: ﴿ومن یتبع خطوات الشیطان فانہ یأمر بالفحشاء والمنکر﴾ یعنی جو شخص شیطان کے پیچھے چلے تو شیطان تو ہمیشہ بے حیائی اور ناجائز کاموں کی تلقین کرے گا۔ (النور: 21)

فحاشی کے نقصانات:..... غور کیا جائے تو لفظ منکر کے تحت فحشاء بھی داخل ہے، اس کے باوجود قرآن کریم کی مختلف آیات میں فحشاء کو الگ اور مستقل ذکر کیا گیا ہے اور دوسری دونوں منہیات سے مقدم فرمایا اس میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ فحشاء اور بے حیائی بہت سے منکرات اور معصیتوں کا ذریعہ بنتی ہے، جب کسی معاشرے میں فحشاء کا رواج میں وہاں بے غیرتی و بے حمیتی عام ہوجاتی ہے، جذبہ دینی ماند پڑ جاتا ہے، اسلام وایمان کے لیے زندہ رہنے کی فکر وقوت کمزور ہوجاتی ہے اور کئی گناہوں اور معصیتوں کی شناعت دل سے اٹھ جاتی ہے۔

''حیا'' کی اہمیت:..... دوسری طرف اسلام نے فحشاء کے برعکس حیا کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اسے جز ایمان قرار دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''الحیاء شعبۃ من الایمان'' یعنی حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 75) دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ''إذا لم تستحیی فافعل ما شئت'' یعنی اگر آپ میں حیا نہیں تو جو جی میں آئے کریں۔ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 4797)

موجودہ دور میں فحاشی کی مختلف صورتیں:..... گزشتہ چند عرصہ سے ملک خداداد پاکستان میں فحاشی اور بے حیائی کا سیلاب جس تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے، یہ ایک افسوس ناک اور خطرناک صورت حال ہے، جس کا سدباب ضروری ہے ورنہ فحاشی اور بے حیائی کا یہ سیلاب پورے ملک کو لے ڈوبے گا۔ کسی غیر اسلامی معاشرہ میں فحاشی اور بے حیائی کا ہونا کوئی نئی بات نہیں مگر کسی اسلامی ملک میں خصوصاً وہ ملک جو نظریہ اسلام کی بنیاد پر وجود میں آیا ہو فحاشی اور بے حیائی کا ابھرنا ایک لمحہ فکریہ ہے!! جنسی اشتعال انگیزی پر مشتمل حیا باختہ عورتوں کی تصاویر اس قدر عام ہوگئی ہیں کہ گھریلو استعمال کی عام اشیاء کو بھی ان سے آلودہ کردیا گیا، اخبارات ورسائل کے سرورق پر فلمی اور ماڈلنگ کی دنیا کی نیم عریاں تصویروں کا چھپنا ایک عام معمول ہے، جو تھوڑی بہت کسر رہ گئی تھی، وہ ٹی وی چینلوں اور فیشن شوز نے پوری کردی، فحاشی اور بے حیائی پھیلانے والے برقی آلات گھر گھر عام کردیے گئے ہیں، انٹرنیٹ اور موبائل کمپنیوں کے نت نئے پیکجز اور اسکیمیں اس وبا کو عام کرنے میں مؤثر کردار ادا کررہی ہیں اور یہ برقی آلات جس قدر کم قیمت پر پاکستان میں میسر ہیں پوری دنیا میں اس کی نظیر

نہیں، یہ مغربی قوتوں کا ایک خاص منصوبہ ہے جس کے تحت یہ سب کچھ بڑھایا جارہا ہے۔

بے شرمی کی انتہا:..... پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں گزشتہ سال ذوالحجہ جیسے حج کے مقدس مہینے کے پہلے ہفتہ کو ''فیشن ویک'' منانے کے لیے منتخب کیا گیا، اس مقدس مہینے کے پہلے دس دن سال کے تمام دنوں سے افضل ہوتے ہیں، یہ مسلمانوں کے لیے عبادت وطاعت، بندگی وعجز کے اظہار کے خاص دن ہیں لیکن ظالموں نے ان ہی مقدس دنوں کو ''فیشن ویک'' کی بے حیائی کی نذر کردیا۔

مزید افسوس اور حیرت تو اس پر ہے کہ فحاشی اور بے حیائی کے اس سیل رواں کے آگے بند باندھنے والا اور اسلامی اقدار کا مذاق اڑانے والوں کو روکنے والا کوئی نہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس ملک کے اکثر باشعور طبقہ پر مجرمانہ بے حسی طاری ہوچکی ہے..... لیکن دوسری طرف یہ دیکھ کر ایک ڈھارس بندھتی ہے اور امید کی کرن نظر آتی ہے کہ اب بھی چند دردِ دل رکھنے والے لوگ موجود ہیں جو ایسی بے حیائی اور بدتہذیبی کا ادراک کرتے ہیں اور اپنے تئیں اس فحاشی اور بے حیائی کو روکنے کی فکر کرتے ہیں، ایک مشہور صحافی اس موضوع پر اپنے ایک مضمون میں درد دل کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فیشن شوز اور Cat Walk کے نام پر عریانیت اور بے حیائی پھیلانے کا جو دھندا اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ''روشن خیالی'' کے نام پر جس انداز میں زور پکڑتا جارہا ہے اگر اس کا فوری سد باب نہ کیا گیا تو عریانیت کی یہ آگ مہذب گھرانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ بدتہذیبی اور جاہلیت کی ان حدوں کو ہم بھی جلد چھولیں گے جو مغربی معاشرہ کی اخلاقی اقدار کی تباہی کا باعث بن چکی ہیں اور جہاں حیوانیت اس حد تک پروان چڑھ چکی ہے کہ اکثر پیدا ہونے والے بچوں کو اپنے باپ کا پتہ نہیں ہوتا۔ مرد اور عورتیں بغیر شادی کیے ایک ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں جب کہ مردوں کا مردوں کے ساتھ اور عورتوں کا عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کا رواج زور پکڑتا جارہا ہے۔ فحاشی وعریانیت ان معاشروں میں اب بالکل بے معنی ہوکر ان کے رواج و سماج کا حصہ بن چکی ہیں جنہیں اب وہاں قانونی تحفظ حاصل ہے۔ ایک غیر اسلامی اور کفر کے معاشرہ میں اس بدتہذیبی اور جاہلیت کا ہونا کوئی اچھنبے کی بات نہیں مگر اس قسم کے رجحانات کا کسی اسلامی معاشرے اور اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں پنپنا یقیناً لمحہ فکریہ ہے۔ حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر دین کا ایک مخصوص شعار ہوتا ہے اور اسلام کا شعار ''حیا'' ہے۔ سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو اپنی نظروں اور عزتوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیتا ہے جب کہ مومن عورتوں کو صاف صاف انداز میں بتایا گیا ہے کہ ان کا ڈریس کوڈ (Dress Code) کیا ہے اور کس حلیہ میں ان کو اپنے گھروں سے باہر نکلنا چاہیے۔ سورۃ الاحزاب میں بے پردگی کو جاہلیت کے اس زمانہ سے جوڑا گیا ہے جب عورتیں بناؤ سنگھار کرکے باہر نکلتی تھیں، مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ''حیا اور بے پردگی'' کے بارے میں ان واضح احکامات کے باوجود اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں ذوالحجہ کے مقدس مہینہ کے پہلے عشرہ کو ''فیشن ویک'' منانے کے لیے چنا گیا۔ جیسے رمضان کے مہینے کو نیکیوں کا موسم بہار کہا جاتا ہے اسی طرح ذوالحجہ کا پہلا عشرہ بھی عام دنوں کے مقابلے میں نیکیوں کے اجر وثواب کے لیے نہایت اہم ہے۔ مگر ہم نے ان دنوں کو فیشن کے نام پر بے حیائی اور عریانی پھیلانے کے لیے منتخب کیا۔ اللہ کی عبادت اور نیکی کے لیے خصوصی طور پر مختص ذوالحج کے مقدس پہلے عشرہ کو اسلام کی سرزمین پاکستان میں فیشن ویک میں بدلنے پر نہ کوئی حکومتی ادارہ حرکت میں آیا اور نہ ہی کسی اور ذمہ دار کی طرف سے

کاروائی کی گئی۔ فیشن ویک بھی ایسا جیسا کہ بے لباسی کا مقابلہ ہو۔ ٹی وی اسکرین پر عریانیت اور بے حیائی کے اس مقابلے کی جھلکیاں دیکھ کر اپنی مسلمانیت پر شبہ ہونے لگا اور پاکستان بننے کا مقصد دھندلا سا گیا۔ جن عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ گھر سے باہر نکلتے وقت باپردہ ہو کر نکلیں، نیم برہنہ ہو کر فیشن شو میں حصہ لیتی دکھائی دی گئیں جب کہ وہ مومن مرد جن کو اپنی آنکھیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا وہ ان بے حیائی کے شوز میں تماش بینوں کا کردار ادا کر رہے تھے۔ بے حیائی کے اس شو کو بڑا کامیاب گردانا گیا اور اس میں حصہ لینے والوں نے امید ظاہر کی کہ عریانیت کا یہ سلسلہ جاری رہے گا اور یہ کہ فیشن انڈسٹری کی کامیابی سے پاکستان بہت پیسہ کما سکتا ہے۔ اللہ ایسی ترقی اور دولت سے بچائے، آمین...... دکھ اس بات کا نہیں کہ مغرب زدہ ایک چھوٹی سی اقلیت ہمارے معاشرتی اقدار کو کس انداز میں تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ مگر رنج تو یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے واضح احکامات اور آئین پاکستان کے اس وعدے کے باوجود کہ پاکستان میں دینی شعار اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ایسا ماحول پیدا کیا جائے گا جہاں مسلمان قرآن و سنت کے مطابق اپنی زندگیاں گزار سکیں، اسلامی اقدار کا مذاق اڑانے والوں کو کوئی روکنے والا نہیں۔ کچھ معلوم نہیں کس نے اس طرز کے فیشن شو کو منعقد کرنے کی اجازت دی۔ کچھ سالوں سے فیشن شوز اور کیٹ واک کا سلسلہ پاکستان میں چل نکلا ہے اور کوئی روک ٹوک نہ ہونے کی وجہ سے مغرب اور انڈیا کی طرح عریانیت کی طرف نکل گیا ہے۔ ٹی وی اسکرینز پر اس بے ہودگی کو دیکھنے کے باوجود کسی نے اس کی مذمت کی نہ ہی کوئی احتجاج ہوا، نہ تو کوئی حکمران بولا نہ ہی اپوزیشن لیڈر، اسلامی جماعتیں اور ان کے قائدین بھی خاموش رہے جب کہ پارلیمنٹ بھی انتظامیہ کی طرح بے حس رہی۔ اعلیٰ عدلیہ اس پر سوموٹو ایکشن لینے سے کیوں قاصر ہے؟ آخر پاکستان کا میڈیا اس برائی کو برائی سمجھنے سے کیوں قاصر ہے؟ ان سوالوں کا کم از کم میرے پاس تو کوئی جواب نہیں! تعجب اس بات پر ہے کہ کراچی جیسے شہر میں جہاں کی اکثریتی آبادی پڑھی لکھی اور شعور رکھتی ہے، کوئی ایک شخص بھی اس عریانیت پر پُرامن احتجاج کے لیے سڑک پر نہیں نکلا۔ اگر ہمارے سیاست دان، پارلیمنٹ، حکومت، عدلیہ، میڈیا اور عوام اسی بے حسی کا شکار رہے تو پھر مغرب کی طرح ہم بھی اخلاقی پستی کی حدوں کو چھو کر رہیں گے۔ ہمارے پاس تو ویسے بھی شرم و حیا اور اخلاقی و معاشرتی اقدار کے علاوہ اب کچھ بچا ہی نہیں! ہمارے یہی اقدار ہمیں مغرب سے نمایاں کرتے ہیں۔ اگر آج ہم نے ان کی حفاظت نہ کی اور اپنے آپ کو ہوا کے سپرد کر دیا کہ جہاں چاہے اڑا لے جائے تو ہم مکمل تباہ ہو جائیں گے...... یہ موجودہ خاموشی اور یہ بے حسی انتہائی تکلیف دہ ہے۔ کاش ہمیں احساس ہو جائے کہ اگر اس عریانیت اور فحاشی پر آج ہم اس لیے خاموش رہے کہ فیشن شوز اور واہیات ٹی وی چینلز پر کام کرنے والی لڑکیاں اور عورتیں ہماری اپنی بچیاں نہیں تو یاد رہے کہ کل ان لڑکیوں اور عورتوں کی جگہ آج کے تماش بینوں اور بے حس معاشرہ کے دوسرے افراد اور ذمہ داروں میں سے کسی کی بھی بیٹی، بیوی، بہن یا ماں نیم عریاں لباس میں ہزاروں لوگوں کے سامنے کیٹ واک کر رہی ہوگی!!! (روزنامہ جنگ، 22 نومبر 2010ء، کالم نگار: انصار عباسی)

فحاشی اور بے حیائی کا سدباب:...... مذکورہ بالا اقتباس میں صاحبِ تحریر نے فحاشی اور بے حیائی نہ روکنے پر اور اس پر خاموش رہنے کی صورت میں جن خطرات سے آگاہ کیا ہے، ان خطرات کے آنے سے قبل ہی ہمیں اس کا سدباب کرنا ہوگا اور اس کے لیے انفرادی و اجتماعی، حکومتی اور عوامی سطح پر کوشش کرنا ہوگی ورنہ یہ سیلِ رواں بہت بڑی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا، اللہ تعالیٰ اس وقت سے ہماری حفاظت فرمائے۔ سردست چند ایسے انقلابی

اقدامات کا ذکر کیا جاتا ہے جو آنے والے اس بڑھے ہوئے سیلاب کے سامنے بند باندھ سکیں:

(۱)...... ہر آدمی اپنے اور اپنے گھر کی حد تک ضرور کچھ نہ کچھ اثر رکھتا ہے اور اپنے زیرِ اثر حلقے میں برائی کے خلاف آواز اٹھانے کا ہر شخص مکلّف بھی ہے، گھر کی بیٹی، بہن، بیٹے، بھائی اور افرادِ خانہ کو نئی تہذیب کی اس سڑاند سے محفوظ رکھنا، گھر کے ہر باشعور بڑے کی ذمہ داری بنتی ہے، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو! اپنے اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے"...... افراد معاشرے سے اور معاشرہ افراد سے بنتا ہے اور ایک صالح معاشرہ، فرد کی ذمہ داری کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا۔ جب تک فرد میں برائی روکنے کا احساس پیدا نہ ہوگا، جب تک اس کے دل میں معمارانِ ملت کے مستقبل کے لیے اس زہر قاتل تمدن پر کڑھن پیدا نہیں ہوگی اس وقت انسدادِ فحاشی و بے دینی کا صحیح سدباب نہیں ہو سکتا۔ برائی کے عام ہونے میں ایک بڑی رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ ہاتھوں ہاتھ قبول کرنے کے بجائے، معاشرہ اس کو یکسر رد کر دے...... اور وہ اسے اسی وقت رد کرے گا جب معاشرے کے افراد کو اپنے دین، اپنی تہذیب اور اپنی روایات اور تعلیمات کی فکر ہوگی۔

(۲)...... شہروں کے اندر خیر و بھلائی کی قوتیں ہی لوگوں میں یہ فکر و احساس پیدا کر سکتی ہیں، مساجد کے ائمہ، اصلاحی مجالس کے واعظین اور دعوت و تبلیغ کے مبلغین اگر پوری دل سوزی کے ساتھ فواحش و منکرات کے دنیاوی اور اخروی نقصانات لوگوں کے سامنے بیان کریں اور صحافی و اہلِ قلم مجلات و اخبارات کے صفحات پر "ہوشیار باش" کی صداؤں کو عام کرنے لگیں تو اس سے عام لوگوں میں انسدادِ فواحش کا جذبہ بیدار ہوگا۔

(۳)...... بے دینی اور فحاشی کی روک تھام کے لیے اُن اداروں پر دباؤ ڈالنا بھی بہت ضروری ہے جو اس کے پھیلانے اور عام کرنے میں سرگرم ہیں، قطع نظر اس کے کہ پس منظر میں کون سی قوتیں کارفرما ہیں، جن اداروں سے براہِ راست شر پھوٹ رہا ہے، اُن کی سرکشی کو لگام دیے بغیر یہ وبا رُکے گی نہیں۔ ان اداروں پر دباؤ ڈالنے کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ شہر کے معززین، اُن اداروں کے ذمہ داروں سے مل کر انہیں اپنے جذبات سے آگاہ کریں اور ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قانون ہاتھ میں لیے بغیر جمہوری طریقے سے ان اداروں کے سامنے اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا جائے۔ یہ کام وہ اسلامی جماعتیں بہت آسانی کے ساتھ کر سکتی ہیں جن کے پاس کارکنوں کا ایک منظم لشکر موجود رہتا ہے۔

(۴)...... اسمبلیوں میں دینی ذہن رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، بے حیائی اور بے دینی کی موجودہ لہر کے خلاف اس قومی پلیٹ فارم سے بھی موثر آواز بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک تو پالیسی ساز ذہن وہاں کے صدائے احتجاج کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، دوسرے وہاں کی آواز ملک بھر میں سنائی بھی دیتی ہے۔

ہمارے نزدیک اس کا حل سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ درد دل رکھنے والے اسلامیانِ پاکستان، اس فضائے معاصی کے خلاف سراپا صدائے احتجاج بن جائیں، ہر شخص اپنا ایک حلقہ اثر رکھتا ہے، اپنے گھر، اپنے محلّہ، اپنے قبیلہ، اپنی مسجد، اپنی جماعت میں اس آگ کو بجھانے کے لیے آواز بلند کی جائے، خطباء منبر و محراب، واعظین مقررین اسٹیج اور اہلِ علم اپنے قلم سے اس وبا سے بچانے کے لیے صدائیں لگائیں، ان نالوں کا زیادہ نہ سہی اثر ضرور پڑے گا۔ اس لیے کہ ہم سب کو یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیے کہ جس مسلم معاشرے میں برائی کے خلاف آواز اٹھانے والے نہ رہیں، قدرت کی طرف سے اس کی تباہی میں پھر زیادہ دیر نہیں لگتی۔ وما علینا الا البلاغ

☆......☆......☆

رسول اعظمؐ

پروفیسر خیال آفاقی

قسط نمبر: 43



آج کئی روز ہو چکے ہیں، حیان کو عملی مصروفیات سانس لینے کا موقع نہیں دے رہیں، ایک طرف صُفّہ کے دروس کا امتحان ہونے والا ہے، وہ قرآن وحدیث اور تفسیر قرآن کے حوالے سے اپنے اسباق کو ذہن میں تازہ کر رہا ہے، اس سلسلہ میں زہیر کی معاونت حاصل ہے، دوسری طرف استاذ قاری معمر اسعدی نے بھی اپنے شاگردوں سے حفظ قرآن وقرأت کے امتحانات لینے شروع کر دیئے ہیں، ابو راقم نے بھی اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ کسی بھی وقت اس سے مشقوں کا عملی امتحان لینے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے کہ یکا یک انہیں مکہ مشرفہ جانا پڑ رہا ہے، وہاں اپنے عزیزوں میں ان کی کچھ نجی مصروفیات ہیں اور عمرہ بھی ادا کرنا ہے، تو اس طرح کئی ماہ وہ مدینہ سے غیر حاضر رہیں گے۔ حیان نے ان سب معاملات سے عہدہ برآ ہونے کی ذہنی طور پر تیاری کر لی ہے، اس کے روز وشب مسجد نبویؐ میں گزر رہے ہیں، ان تمام مصروفیات کے باوجود اس نے اپنے شاگرد عزیز اسامہ کو نظر انداز نہیں کیا، اس کے لئے بھی وقت نکال لیتا ہے، البتہ جس محرومی کا اسے شدت سے احساس ہے، وہ استاد محترم کے ساتھ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں غیر حاضری ہے کہ ان دنوں ہو رہی ہے۔ تاہم الحمدللہ، ایک ایک کر کے وہ سارے مراحل سے گزر گیا، حسب معمول صُفّہ کی تعلیمات میں اس نے تخصیص حاصل کی ہے اور تمام اساتذہ کی شاباشی بھی اور دعائیں بھی۔ استاذ قاری معمر اسعدی نے تو حفظ وقرأت میں اس کی استطاعت دیکھ کر اسے سینے سے لگا لیا، بلکہ جس وقت وہ قرأت کر رہا تھا تو مسجد میں موجود ہر شخص پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ادھر ابو راقم بھی خطاطی میں اس کی مشق کو دیکھ کر بہت خوش ہیں، انہوں نے استاد عبدالرحمٰن سے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اتنے مختصر عرصہ میں، خطاطی کے اسلوب کو سمجھنے اور عملاً مختلف خطوط کی اقسام کو پیش کرنے کی مثال ان کی نظر سے نہیں گزری۔

"ماشاءاللہ!" استاد عبدالرحمٰن کو حیان کی کامیابیوں نے پُرمسرت کر دیا ہے۔

"اللہ نظر بد سے محفوظ رکھے!" ام زید کی خوشی تو دیدنی ہے، اور زید تو اپنے چھوٹے بھائی کی تعریفیں سن سن کر پھولا نہیں سما رہا۔ زہیر کے لئے تو دُہری خوشی کا موقعہ ہے، ایک یہ کہ کامیاب طالب علم اس ادارے سے تعلق رکھتا ہے، جس کی انتظامیہ سے وہ خود منسلک ہے، دوسری یہ کہ حیان سے اس کا ایک تعلق خاطر قائم ہو چکا ہے۔ حیان کی خوشی میں چھوٹا اسامہ معاملات کو پوری طرح نہ سمجھتے ہوئے شامل بھی ہے، اس کی دادی نے حیان کو اپنے پاس بلا کر اس کی پیشانی کو چوما اور بہت سی دعائیں دیں، اور ہاں زرگر صاحب کہاں پیچھے رہ جانے والے ہیں، جیسے ہی انہیں اپنے نوجوان دوست کی کامیابی کا مسجد نبویؐ میں لوگوں کی زبانی پتا چلا، فجر کی نماز میں خصوصاً شریک ہو کر حیان کو مبارکباد پیش کی اور مدعو کیا کہ وہ اس خوشی میں اس کی مع دوست واحباب اپنے ہاں ضیافت کرنا چاہتے ہیں۔ حیان نے وعدہ کیا کہ ان شاء اللہ، جلد ان کی دعوت پر ان کے ہاں حاضر ہوگا، بلکہ اسے ان کے گھر مہمان ہو کر خوشی ہوگی۔ دارالمرکب کے لوگ تو حیان کو اپنا عزیز سمجھنے لگے ہیں، ان میں بھی اس کی کامیابی سے خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے، اور حدیقہ کے لوگ پہلے ہی حیان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس کی کامیابی نے انہیں بھی خوش ہونے کا موقع دیا ہے، ابو غنم! یہ تو ایسے خوش ہیں گویا ان کے اپنے بیٹے حافظ کو کامرانی ملی ہے۔

O

یہ کہنا تو سوئے ادب ہے کہ مدینہ کا موسم خوشگوار ہو گیا ہے، شہر نبی کی فضا، اس کا ماحول اور اس کا موسم، کب اہل دل کو خوشگواریت کا احساس نہیں دلاتے، تاہم آج کل خوب سے خوب تر ہونے لگا ہے۔ دن میں دھوپ نکلتی ہے تو اس میں تمازت نہیں ہوتی، اور رات میں خنکی ہوتی ہے لیکن شدت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ استاد عبدالرحمٰن کے حجرے کا ماحول انتہائی معتدل ہے، آج کئی روز کے ناغے کے بعد مجلس سیرت منعقد ہو رہی ہے۔ استاد و شاگرد دونوں حسب معمول اپنی اپنی نشست گاہوں پر بیٹھ چکے ہیں، استاد صاحب، سیرت کا بیان شروع کرنے سے قبل، حسب عادل، زیر لب درود پاک کے پھول کھلا رہے ہیں اور حیان خود بھی اس سعادت میں شریک ہے۔

"حیان میرے عزیز بیٹے! تمہاری وجہ سے واقعات

سیرت دہرانے کی اب مجھے بھی کچھ کیسی عادت ہوگئی ہے کہ جس روز ہم نہیں بیٹھتے تو کمی سی محسوس ہونے لگتی ہے۔"

"استادِ گرامی! یقیناً یہ آپ کی شفقت ہے کہ آپ میری خاطر زحمت اٹھاتے ہیں اور دیر تک نشست فرماتے ہیں۔"

"بیٹا، تمہیں زید نے ضرور بتایا ہوگا کہ میں کمر کی تکلیف کے سبب ایک وقت میں زیادہ دیر کہاں بیٹھ سکتا تھا، لیکن الحمدللہ، اب تمہارے ساتھ اتنی اتنی دیر تک نشست رہتی ہے اور ذرا محسوس نہیں ہوتا کہ ایسی کوئی بات ہے۔" استاد صاحب نے صحت مند لہجہ میں کہا۔

"دراصل بیٹا، کسی بھی کام میں ذوق وشوق شامل ہو تو پھر یہ اس طرح کی باتیں بے حقیقت ہو کر رہ جاتی ہیں، اور پھر اللہ اور اس کے رسولؐ کا ذکر تو خود ایک علاج ہے جو نہ صرف روح بلکہ جسم کو بھی شفا بخشتا ہے۔"

"بے شک استادِ محترم، میرے ابا جی مرحوم کی بھی یہ عادت تھی کہ جب کبھی ان کی طبیعت ناساز ہوتی، آپ نماز میں مصروف ہو جاتے یا کثرت سے تلاوت فرمانے لگتے تھے۔"

"یہ بھی توفیق من جانب اللہ ہوتی ہے بیٹا، ورنہ انسان کی کیا اوقات ہے، بہت ہی کمزور، کم ہمت اور سہل پسند واقع ہوا ہے۔" وہ یہ کہہ کر خاموش ہوگئے اور کئی لمحے اسی طرح گزارنے کے بعد بولے۔

"اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں، کچھ یاد دلاؤ، گزشتہ نشست ہم نے کہاں ختم کی تھی؟"

"جی، غزوہ حنین کا بیان ہو رہا ہے۔" حیان نے یاد دلایا۔ "آپ نے فرمایا تھا استادِ محترم کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کو لے کر مکہ مکرمہ سے وادیٔ اوطاس کی طرف روانہ ہوئے ہیں، جہاں قبیلہ ہوازن اور ثقیف کی فوجیں جمع ہیں!"

"مرحبا!" استاد صاحب نے شاگرد کو شاباشی دی اور بیان کرنے لگے۔

"لشکر ابھی کچھ ہی فاصلہ طے کر پایا ہے کہ خبر موصول ہوئی، مالک بن عوف اپنی فوجوں کو وادی کے پُر پیچ راستوں میں سے گزار کر کسی دوسرے مقام پر لے جانے کے لئے پَر تول رہا ہے۔ اندازہ ہے کہ وہ کوئی نیا مضبوط مورچہ قائم کر کے چھاپہ مار جنگ کا آغاز کرنا چاہتا ہے۔ یہ اطلاع پاتے ہی، نبی کریمؐ نے حکم فرمایا۔

"اس کا تعاقب کیا جائے!" مجاہدین سرعت کے ساتھ، وادی اوطاس کی جانب رواں ہوگئے، اور دوسری ہی منزل پر، اب خطوطہ کے مقام پر آن پہنچے ہیں، لیکن یہاں پہنچ کر، یکا یک مقدمہ کے سالار نے باگیں کھینچ لیں، انہیں دیکھ کر لشکر کے دوسرے حصے یمین ویسار نے بھی قدم روک لئے، اور قلب کے مجاہدین نے بھی سکوت اختیار کر لیا، معلوم کرنے پر مقدمہ کی طرف سے بتایا گیا کہ ہوازن وثقیف کی متحدہ افواج پہلے ہی پیش قدمی کر کے، وادی پر قابض ہو چکی ہیں، اس نے وادی میں داخلہ کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ قیاس ہے کہ مالک بن عوف کو مسلمانوں کی گزرگاہ کا علم ہو گیا ہے۔ نبیٔ مکرمؐ نے بلا تردد، حکم فرمایا کہ "لشکر کو اسی مقام پر روک دیا جائے۔" آپؐ سواری کی پشت پر سے نیچے تشریف لے آئے، آپؐ کی تقلید میں دیگر مجاہدین نے بھی اپنی سواریوں کی پشت چھوڑ دی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے، وادی کے اطراف میں، دائیں بائیں دور تک کا علاقہ عسکری مستقر میں بدل گیا۔ سالارِ اعظمؐ نے ہدایت فرمائی۔ "دشمن پر کڑی نظر رکھی جائے۔" مقدمہ کے امیر خالدؓ بن ولید نے فوراً طلایہ گرد سواروں کو مختلف سمتوں میں روانہ کر دیا، لیکن کافی دوڑ دھوپ اور تگ ودو کے بعد بھی وہ دشمن کی کمین گاہ کا سراغ لگانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ تاہم یہ اطلاعات مصدقہ ہیں کہ مالک بن عوف اپنے جنگجوؤں کو لئے اسی وادی میں موجود ہے۔

سورج، جبل اوطاس کے عقب میں اتر گیا اور اندھیرے نے دشمن کی تلاش کو اور زیادہ مشکل بنا دیا۔ بہرحال مجاہدین طلایہ گردوں کے حوصلے بلند ہیں، تاریکی میں بھی یہ اپنی جستجو کو جاری رکھنے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔

لیکن سالارِ اعظمؐ، شب خون کے حق میں نہیں۔ آپؐ نے ہمیشہ کی طرح آج بھی رات کے وقت حملہ کرنے سے روک دیا۔ تاہم دشمن پر مسلسل نظر رکھنے اور مستعد رہنے کی مکرر تاکید فرمائی اور آپؐ ذکر واذکار میں مصروف ہو گئے۔"

استاد صاحب نے یکا یک اپنی آنکھوں پر سے پلکیں اٹھائیں اور حیان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"ایک بات یاد رہے بیٹا کہ جنگی محاذوں پر بھی مجاہد کی رات اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ سفر کی تکان اتارنے اور جنگی صعوبتوں کو راحت میں بدلنے کے لئے بے فکر پڑ کر سو جائے، نہیں، بلکہ جس طرح وہ دن کی روشنی میں، اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں سے برسرِ پیکار رہتا ہے، اسی طرح رات کا ایک حصہ، جہاد فی النفس میں گزارتا ہے، چنانچہ اس وقت بھی، اس فرودگاہ میں قیام کے دوران، جہاں اللہ کا رسولؐ، اپنے رب کے آگے سربسجود ہے، اہل ایمان بھی ذکر واذکار میں مصروف نظر آ رہے ہیں۔"

استاد صاحب کی پلکوں نے دوبارہ ان کی آنکھوں کو ڈھانپ لیا۔

"اللہ اللہ! کیا اچھی رات ہے اور کیا ہی اچھے لوگ، کہ محاذِ جنگ پر دشمن کا کھٹکا انہیں اپنے رب کی حاضری سے نہیں روک سکتا، وہ بارگاہِ ایزدی میں اپنے رب کی کبریائی اور اپنی کمزوری کا اقرار کر رہے ہیں، مرحبا! ان میں سے اکثر تو ایسے ہیں کہ انہیں شکایت ہی رہتی ہے، راتیں اتنی مختصر کیوں ہیں؟ وہ اپنی پیشانیوں کو سجدوں سے پوری طرح آسودہ نہیں کر پاتے کہ صبح ہو جاتی ہے۔" "اللہ کے ان بندوں کو، تمام شب مصروف رکوع وسجود رہنے کے بعد بھی، تشنگی ہی رہتی ہے کہ ان کی روحیں سیر نہیں ہو سکیں۔

"اللہ اکبر!" حیان خود پر قابو نہ رکھ سکا اور مچل کے بول پڑا۔ "کیا شوق عبادت ہے۔" پھر دل ہی دل میں کہنے لگا۔ "کاش! یہی ذوق عبادت خدا سے بھی حاصل ہو جائے!"

"آج کی شب بھی اسی ذوق وشوق کی خوشبو میں رچی بسی ہوئی گزر گئی۔" استاد صاحب بیان جاری رکھتے ہوئے کہنے لگے۔ "اور کئی صاحب ذوق تو ایسے بھی ہیں کہ بمشکل کچھ ہی دیر آرام کر پائے ہیں۔ محویت کا عالم یہ ہے کہ سحر نے اندھیرے کا پردہ چاک کیا تو ہوش آیا، اور جس طرح مومن، دن کے اختتام پر اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے، تو اس کی سحر کا آغاز بھی اللہ کے بابرکت نام سے ہوتا ہے۔ اور اس کا عملی مظاہرہ بس ابھی ہوا ہی چاہتا ہے، یہ لیجئے، آوازِ بلالی نے وادی کو حرم آسا بنانا شروع کر دیا ہے۔ اللہ اکبر، بیدار بخت اہل ایمان، اپنے رب کا نام سن کر لبیک کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے بعد، اب حکم رسولؐ کے منتظر ہیں کہ کیا ارشاد ہوتا ہے۔ آپؐ کے علم میں یہ بات لائی جا چکی ہے کہ دشمن کی پیش قدمی کے فی الحال کوئی آثار نہیں پائے جا رہے، لیکن اندازہ ہے کہ وہ دفاعی طور پر، قلعہ بند ہو کر جنگ کرنا چاہتا ہے۔ بعد کے حالات نے یہی بتایا کہ مالک بن عوف، مسلمانوں کو بے خبر رکھ کر، خاموشی اور چابکدستی کے ساتھ، رات بھر مورچہ بندی کرتا رہا، اس نے اپنے جنگجوؤں کو پہلے ہی اپنی نیامیں توڑنے کا حکم دے دیا تھا، اور اب اس انتظار میں ہے کہ "اسلامی لشکر جیسے ہی وادی کے درمیان سے گزرے، اس کے لوگ ایک ساتھ مل کر، دائیں بائیں دونوں طرف سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں اور انہیں سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر، ان کا صفایا کر دیا جائے۔" ابن عوف کی یہ جنگی چال بہت ماہرانہ ہے، آگے چل کر وہ کسی حد تک اس میں کامیاب بھی رہا۔" استاد صاحب کے آخری الفاظ نے حیان کی آنکھوں میں تشویش پیدا کر دی۔

"تمہیں یاد ہوگا حیان کہ حضرت عمرؓ اور جناب عبداللہ ابن حدرد کے درمیان جو تکرار ہوئی تھی، یعنی حضرت عمرؓ نے ان کی کارگزاری پر اپنے عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا تو غلط نہ تھا، ان کے نزدیک، ہوازن اور ثقیف کے لوگ کتنے ہی بہادر سہی، لیکن صرف چار ہزار جنگجو لے کر اپنے سے تین گنا مسلمانوں پر حملہ آور ہونے

کی جرأت نہیں کرسکتے۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ مالک ابن عوف ضرور کوئی اور ہی چال چلنا چاہتا ہے، تاہم عبداللہ ابن حدرد کی سراغرسانی بھی اتنی کمزور اور ناکام نہیں، وہ دشمن کی فوج میں گھل مل کر، ان کی تعداد معلوم کرنے اور ان کے جنگی عزائم کا مشاہدہ کرنے میں کامیاب رہے تھے، البتہ اگر، کچھ دیر اور ان کے درمیان ٹھہر جاتے تو شاید چالاک ابن عوف کی جنگی حکمت عملی کا بھی انہیں کسی حد تک اندازہ ہوسکتا تھا۔ لیکن یہ سب باتیں بادی النظر کی ہیں، یکایک استاد صاحب نے پہلو بدل کر کہا۔ ''اصل وجہ اس خرابی کی، کچھ اور ہے۔ مسلمانوں کو تازیانہ لگنا تھا، ضرور لگنا تھا۔'' استاد صاحب مضطرب سے ہوگئے۔ ''مسلمانوں کا رب مسلمانوں کو اپنا عاجز اور شکر گزار بندہ دیکھنا چاہتا ہے۔''

''آپ کا مطلب، مسلمانوں کے منہ سے فخر و غرور کے جو الفاظ نکل گئے تھے وہ......؟''

''مرحبا!'' استاد صاحب حیان کے جواب پر ایک دم خوش ہوکر بولے۔ ''میں تم سے یہی امید رکھتا ہوں حیان! کہ تم تاریخ اسلام کے ان واقعات کو ان کی پوری روح کے ساتھ اور سیاق و سباق کے حوالے سے سمجھو اور یاد رکھ سکو!'' انہوں نے اپنے لائق شاگرد کو شاباشی دی اور کہنے لگے۔ ''لیکن ہم آئندہ پیش آنے والے ناگوار واقعہ سے پہلے، اس تازہ صورت حال کا مشاہدہ کرتے ہیں جو مسلمانوں کو اس وقت درپیش ہے۔'' یہ کہہ کر استاد صاحب پھر مراقبہ کی سی حالت میں چلے گئے اور بولے۔

''منظر یہ ہے کہ نماز فجر ادا ہوچکی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد، صف بندی کا حکم فرمادیا اور لشکر، کوچ کی تیاری کا حکم سنتے ہی، حرکت میں آگیا، قبائل نے اپنے اپنے پرچم بلند کردیئے، یمین و یسار نے خود کو ترتیب دینا شروع کردیا، مقدمہ پر، جناب خالدؓ حکم سنتے ہی اپنے دستہ کے ساتھ مستعد ہوگئے، ان کے ماتحت بنو سلیم کے سواروں کے چاق و چوبند گھوڑے آگے بڑھنے کے لئے بے قرار ہیں، ان شہ سواروں کے ہم رکاب وہ افراد بھی ہیں جو فتح کے موقعہ پر ایمان لائے ہیں، اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں معاف کردیا گیا ہے، لیکن اسلام لانے کی بجائے اپنے آبائی مذہب پر قائم ہیں، تاہم مسلمانوں کے ساتھ خیر سگالی کے طور پر شامل لشکر ہوگئے ہیں، حالانکہ انہیں مال غنیمت کی ہوس کھینچ لائی ہے، اور اپنی مردانگی اور دلیری کا مظاہرہ کرنا بھی ان کا ایک مقصد ہے، یہ اپنی بہادری کی نمائش اور خود کو نمایاں اور دوسروں سے ممتاز نظر آنے کے شوق میں اس قدر آگے بڑھے ہوئے ہیں کہ بغیر زرہ اور مغفر پہنے اور روایتی جنگی ہتھیار لئے بغیر نکل آئے ہیں۔ کئی لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی تعداد کے لحاظ سے دشمن پر خود کو برتر اور اسے کمزور و کم تر سمجھتے ہوئے اپنی شہ زوری پر نازاں ہیں، اور اس بات پر بھی انہیں فخر ہے کہ خالدؓ بن ولید جیسا بہادر اور ماہر حرب، ان کے دستہ کا امیر ہے جو ناقابل شکست سمجھے جاتے ہیں۔ بے شک اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ خالدؓ اپنی بہادری، دلیری اور جنگی مہارت میں عربوں کے نزدیک ایک مثال بن چکے ہیں۔ بہت کم عمری میں ہی انہوں نے ایک کامیاب سپہ سالار کی حیثیت سے خود کو منوالیا ہے۔ ان کے نزدیک میدان کارزار اب ایک بازیچۂ اطفال اختیار کرگیا ہے۔ اس وقت بھی ان کے انداز سے یہی اظہار ہورہا ہے، گھوڑے کی پشت پر سوار اور باگیں تھامے شمشیر بکف، مثل عقاب، دشمن پر جھپٹنے کے لئے بے تاب نظر آرہے ہیں، لیکن بیٹا! یہ جنگ نہیں، جہاد ہے، یہ مجاہدین کا لشکر ہے، جو دنیا کے لئے نہیں، اللہ کی رضا کے لئے نکلے ہیں، اس جیش کے سالار اعظم اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو اپنے ہر عمل پر اللہ کی رضا کے پابند ہیں، آپؐ کے نزدیک زور بازو کی حیثیت ثانوی ہے، اصل قوت اللہ پر ایمان اور اس کی مدد و نصرت پر یقین ہے۔ یہاں انسان کی بڑائی نہیں، اللہ کی کبریائی

کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے۔'' استاد صاحب یکایک خاموش ہوگئے۔ آنکھیں حسب عادت، خود بخود بند ہوگئیں اور وہ اپنے پُرشوق شاگرد کو لئے ماضی میں چلے گئے۔

''سالار اعظم نے جیسے ہی کوچ کا حکم فرمایا، تمام وادی، اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ جناب خالدؓ نے لگام جھٹکی اور گھوڑے کو وادی کے نشیبی راستہ پر ڈال دیا۔ ان کے عقب میں دور تک پھیلا ہوا ہزاروں کا لشکر بھی حرکت میں آگیا، سالار اعظم قلب میں پیش قدمی فرماتے ہیں۔ اکابر صحابہؓ آپؐ کے ہم رکاب ہیں۔ اللہ اللہ، جسم اطہر پر زرہ، سر پر مغفر اور ہاتھ میں تلوار و سپر، لیکن شان رسالت سب پر افضل ہے، زیر لب حمد و ثنا اور دل میں لوگوں کی ہدایت کی تمنا، قربان جائیے رحمت عالم پر۔ لیکن کیا کہئے ان عقل کے ماروں کو جو اپنے اس محسن اعظمؐ سے رشد و ہدایت کی نعمت حاصل کرنے کی بجائے اس سے جنگ و جدل پر آمادہ ہیں اور آپ کو ان تکلیفوں سے گزرنے پر مجبور کئے ہوئے ہیں جو دشمنوں کے لئے بھی گوارا نہیں کی جاتیں۔'' ایک لمحہ کے لئے انہوں نے پلکیں اٹھا کر حیان کو دیکھا اور بولے۔ ''لیکن کیا کیجئے کہ یہ معرکۂ حق و باطل ہمیشہ برپا رہا ہے۔ باطل کے خلاف اور حق کے لئے آواز بلند کرنا کوئی آسان کام نہیں، بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے اہل حق کو، اور مجھے یقین ہے کہ تم حق و باطل کی اس ستیزہ کاری کو بہت غور سے دیکھتے آرہے ہو!''

''جی استاد گرامی!'' حیان نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اوّل روز سے ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن اور مخالفین نے آرام نہیں لینے دیا، کار نبوت میں مشکلات پیدا کرتے آرہے ہیں۔''

''ہاں، لیکن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کب انہیں اس بات کا موقعہ دیا ہے کہ وہ اپنی ظالمانہ کارروائیوں کے بعد زیادہ دیر خوشیاں منا سکیں۔ کبھی صبر سے اور کبھی جبر سے ہر طرح ان کا مقابلہ کیا اور بیس سال سے زیادہ عرصہ ہورہا ہے مخالفین اسلام کو محاذ آرائی کرتے ہوئے، لیکن وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہوسکے، اللہ کے فضل و کرم اور آپ کی جرأت مندانہ قیادت کے سبب، کاروان اسلام مسلسل منزل کی طرف رواں دواں ہے، اور آج عرب کا کوئی گوشہ ایسا نہیں، جہاں ہر قبیلہ اور خاندان میں، کوئی نہ کوئی شخص دل میں شمع ایمان روشن کئے نہ بیٹھا ہو۔'' استاد صاحب نے اطمینان کا ایک طویل سانس لیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

''مقدمۃ الجیش کے امیر جناب خالدؓ بن ولید آگے بڑھتے ہوئے اپنے سامنے کے تنگ و دشوار گزار درہ میں داخل ہوا چاہتے ہیں کہ اچانک چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ ہوازن کے لوگ قدر اندازی میں مشہور ہیں، مالک بن عوف نے انہیں یہاں رات ہی کو مورچہ بند کردیا تھا۔ اور اب پہلے سے طے شدہ لائحہ عمل کے تحت، دھاک لگائے بیٹھے ہوئے تیر اندازوں نے مسلمانوں پر اچانک تیروں کی بوچھاڑ کردی ہے، اس کے ساتھ ہی دوسرے جنگجو بھی اپنی کمین گاہوں سے نکل کر نیزے اور تلواریں لئے مسلمان سواروں پر ٹوٹ پڑے۔ خالدؓ بن ولید بھاگنے والوں میں سے نہیں، سر دینے والوں میں سے ہیں، کئی تیر کھانے کے باوجود نہایت دلیری کے ساتھ دشمن کے حملے کو روکنے کی کوشش میں ہیں، لیکن حملہ اتنا شدید اور اچانک ہوا ہے کہ ان کا سارا دستہ حواس باختہ ہوکر بکھر گیا، سنبھلنے کا ذرا موقع نہیں، پہاڑی کی بلندی پر سے برسنے والے تیروں کی شدت اتنی ہے کہ ان سے بچنا محال ہورہا ہے، ہوش ہی نہیں کہ سمجھ سکیں، یہ کیا ہوا اور کیسے ہوا؟ بنو سلیم کے شہ سوار پشت دکھا رہے ہیں تو پھر طلقاء کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے، جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔ بھاگ دوڑ اور افراتفری کا یہ عالم ہے کہ سپاہی ایک دوسرے پر گرے جاتے ہیں، اور اس طرح بدحواس ہوکر پلٹ رہے ہیں کہ لشکر کے قلب اور یمین و یسار کی فوجوں کے اندر بھی انتشار پیدا کردیا ہے، ایک نظر ڈالو تو پورا لشکر ہی درہم برہم دکھائی دے رہا ہے۔

لگتا ہے سب ہی راہ فرار کی تلاش میں ہیں۔ سنبھلنے اور پلٹنے کا کوئی موقع نہیں، اس لئے کہ دشمن پہاڑی کی بلندی پر، دائیں اور بائیں، دونوں طرف سے قدر اندازی کر رہا ہے، جبکہ نشیب میں موجود لشکر کے لوگ سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ ہر شخص تیروں کی زد سے بچنے کی فکر میں ہے، کسی کو کسی کی خبر نہیں، حتیٰ کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب مجاہدین بھی کہیں سے کہیں نکل گئے ہیں، بس چند حضرات رہ گئے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں نثاری کے لئے حاضر ہیں، ان میں، ہم دیکھ سکتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ ہیں، عمرؓ فاروق، علیؓ المرتضیٰ ہیں، جناب عباسؓ اپنے دو فرزندوں کے ساتھ ہیں، نوعمر اسامہؓ بن زیدؓ ہیں، عبداللہؓ ابن زبیر، عبداللہؓ ابن مسعود اور ابوسفیانؓ بن حارث اپنے بیٹے ربیعہ بن حارث کے ساتھ ڈٹے ہوئے ہیں، ام ایمنؓ کے فرزند ایمنؓ بن عبید اللہ اور عقیلؓ ابن طالب، یہ سب حضرات ثابت قدم رہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی وفاداری پر مہریں ثبت کرا رہے ہیں، لیکن اس نازک صورت حال میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم عزم و شجاعت کا برج عظیم نظر آ رہے ہیں، دشمن کی طرف سے کی گئی اچانک کارروائی سے بے نیاز، ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، اپنی سواری کو مسلسل آگے بڑھا رہے ہیں، اور پرجلال انداز میں فرماتے جاتے ہیں۔"

انا النبی لا کذب......انا ابن عبدالمطلب

"میں نبی ہوں، اس میں جھوٹ نہیں، اور میں فرزند عبدالمطلب ہوں۔"

بے شک کائنات کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ محمد اللہ کے رسولؐ ہیں۔ تو آپ کی اس داد شجاعت اور جلال رسالت کو دیکھ کر کوئی دیدۂ کور اور محروم عقل ہی منکر حق ہو سکتا ہے، لیکن اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ایسے دل کے اندھے اور مردہ روح ہر دور اور ہر معاشرے میں پائے جاتے ہیں، جنہیں خورشید جہاں تاب بھی نظر نہیں آتا، تو مکہ میں بھی ایسے عقل کے اندھوں کی کمی نہیں، یہ محروم نظر اور بے شعور افراد، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں آفتاب رسالت کو نہیں دیکھ پائے اور اس کی تابنا کیوں سے انکار کرتے رہے۔ مکہ کی فتح مبین پر آنکھیں کھل جانی چاہئے تھیں لیکن نہیں ان افراد کی تعداد نہایت قلیل ہے جو اس موقع پر اپنی بینائی کو بحال کر سکے۔ ان کی آنکھوں پر تو اب بھی جہل کی پٹی باندھی ہوئی ہے۔

یہاں اس وقت بھی کچھ سیاہ بخت، میدان کارزار سے ایک فاصلے پر کھڑے مسلمانوں کی ہزیمت کا تماشا دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ ان میں مشرک حلیف ہی نہیں، کئی نومسلموں کے چہروں پر بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ لگتا ہے جیسے دل کی مراد بر آئی ہو، مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہوتا دیکھ کر پھولے نہیں سما رہے، اپنے اندر چھپے ہوئے بغض اور منافقت کو باہر آنے سے روک نہیں پا رہے۔ ابوسفیان جیسا شخص بھی ان تماش بینوں میں شامل ہے، حالانکہ اس کے ساتھ رحمت عالم عفوودرگزر کا معاملہ فرما چکے ہیں، لیکن یہ پھر بھی مسلمانوں سے اپنی عداوت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ کہتا ہے۔

"ہاں یہ وہ موقع ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی شکست پہ شکست کھانے کے بعد، اب سمندر میں بھی جگہ نہیں پائیں گے۔" اسی وقت ایک اور کافر کلدہ بن جنبل خوشی میں نعرہ بلند کرتا ہے۔ "یقیناً آج مسلمانوں کا سحر ٹوٹ گیا ہے۔" لیکن صفوان بن امیہ کو اپنے اس عم زاد کی بات ناگوار گزرتی ہے۔ "خاموش!" ناراض ہو کر ڈانٹتا ہے۔ "تیرا منہ بند ہو!" پھر عصبیت کے جوش میں کہہ اٹھتا ہے۔ "ہوازن کا کوئی فرد ہمارا آقا کہلائے، اس سے کہیں زیادہ مجھے قریش کا آدمی پسند ہے۔" پلٹ کر غلام کی طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے۔ "جاؤ معلوم کرو، مسلمان کیا شعار استعمال کر رہے ہیں۔" غلام پلک جھپکتے ہی خبر لے آتا ہے۔ "مسلمانوں کا شعار، یا بنی عبداللہ یا بنی عبداللہ اور یا بنی عبیداللہ ہے۔" یہ سن کر صفوان کے منہ سے بیساختہ نکلتا ہے۔

"اگر یہ ہے تو مسلمان یقیناً غالب ہو کر رہیں گے۔" اسی وقت اس کے قریب کھڑا ہوا ایک دوسرا کافر، غصے میں زور سے سر کو جھٹکتا ہے۔ "نہیں" اس کی آنکھوں سے لگتا ہے ابھی آگ ابل پڑے گی۔ یہ شخص شیبہ بن عثمان ہے۔ قریش کی معرکہ آرائیوں میں اس کا خاندان موروثی علم بردار چلا آتا ہے، آج کل یہ منصب اس شخص کے پاس ہے، اس سے قبل یہ فریضہ اس کا باپ عثمان انجام دیتا تھا، احد کی جنگ میں یہی عثمان قریش کا پرچم اٹھائے ہوئے تھا، لیکن مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ شیبہ کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے، اور اس موقع کو غنیمت دیکھ کر کہ مسلمان شکست کھا رہے ہیں، بدلہ لینے کے لئے بے تاب ہو گیا ہے، تلوار نیام سے نکالی اور نبی علیہ السلام کی تلاش میں نکل گیا۔" استاد صاحب نے ہلکا سا وقفہ کیا اور پہلو بدل کر دوبارہ کہنے لگے۔ "ادھر اسلامی لشکر ابھی تک انتشار کا شکار ہے۔ دشمن، مسلمانوں پر بے محابا اور آزادانہ تیر و تلوار چلا رہے ہیں لیکن مجاہد اعظم بدستور پابہ رکاب، دشمن کے آگے سینہ سپر ہیں۔

"انا النبی لا کذب" آپ رجزیہ انداز میں فرماتے ہوئے، اپنی سواری کو ایڑھ لگا کر آگے بڑھانا چاہتے ہیں، لیکن عباسؓ فوراً آگے بڑھ کر لگام تھام لیتے ہیں کہ خچر کہیں رفتار نہ پکڑ لے اور آپ کو ان کے حلقے سے نکال کر، دشمن کے درمیان لے جائے۔ جناب عباسؓ کے ساتھ ہی آپ کے عم زاد، ابوسفیان بن حارث، سائے کی طرح آپؐ کے ہم رکاب ہیں۔

"استاد محترم! یہ وہی ابن حارث ہیں جو فتح مکہ سے کچھ قبل، راستہ میں مسلمان ہوئے تھے؟"

"ہاں، وہی ہیں، اور تمہیں یاد ہوگا کہ آپؐ ان سے اتنے برہم تھے کہ ان کی طرف سے رخ پھیر لیا تھا، دراصل مکہ میں قیام کے دوران، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کرتے رہے تھے، لیکن آج، اللہ اللہ! حق اخوت ادا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے، خود بھی اور نوجوان بیٹا ربیعہ بھی، باپ اور بیٹا دونوں آپؐ پر آنچ نہیں آنے دے رہے، کبھی رکاب پکڑتے ہیں، کبھی لگام تھام لیتے ہیں، مستعد ہیں کہ کہیں دُلدُل بے قابو نہ ہو جائے۔ جناب امیر علیؓ المرتضیٰ تو گویا آپ کی سواری کا مقدمہ ہیں، سواری کے آگے آگے ہیں اور جو دشمن بھی ادھر کا رخ کرتا ہے، ذوالفقار، موت بن کر اس پر ٹوٹتی ہے، یہی حال جناب عبداللہؓ ابن مسعود کا ہے، جس کافر کو آپؐ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں، اسے تلوار کی نوک پر رکھتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے بے نیاز صرف اور صرف اللہ کی مدد اور بھروسے پر نگاہ رکھے ہوئے، مسلسل دشمن کی طرف پیش قدمی فرما رہے ہیں۔ ادھر شیبہ بن عثمان، ارادۂ بد لئے ہوئے، آہستہ آہستہ آپ کے قریب پہنچنے کی کوشش میں ہے۔ تلوار پر اس کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے۔ کئی بار آپ پر جھپٹنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن جناب عباسؓ اور ابوسفیان بن حارث کو محافظت پر دیکھ کر ہمت نہیں کر پاتا، البتہ، لگ رہا ہے، کسی تاک میں ہے۔ اسی دوران میں ایک بار، جوش انتقام سے مغلوب ہو کر، آپ پر وار کرنے کے لئے تلوار اٹھانا چاہتا ہے کہ یکایک خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ غیب سے ایک شمشیر، شعلہ اگلتی ہوئی اس کی طرف آئی، جس کو غالباً وہی دیکھ سکا۔ اسی وقت حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور شیبہ بے ساختہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھنچا چلا گیا۔ آپؐ نے اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھ کر فرمایا، "الٰہی اس کے سینے سے شر کو دور فرما دے!" بس اسی وقت شیبہ کی قسمت کھل گئی، اس کا شر خیر سے بدل گیا، قتل کرنے گیا تھا خود ہی جیسے قتل ہو گیا، قاتل سے مقتول بن گیا۔ "بے شک آپ سچے ہیں۔" اس نے زیر لب کہا اور پھر بہ آواز بلند کلمۂ شہادت پڑھنے لگا، "اشھدان لا الہ الااللہ، والشھد ان محمداً رسول اللہ"، اس کے ساتھ ہی اپنی تلوار کو

آپ کی حفاظت کے لئے وقف کردی۔“

”اللہ اکبر!“ اس طرح کے لمحات، حیان کو نہایت جذباتی اور مسرور بنادیتے ہیں۔ استاد صاحب کئی لمحے تک آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھے رہے، شاید اپنے ذہن میں واقعات کے تسلسل کو ترتیب دے رہے ہیں۔ پھر یکا یک بولے۔

”کافروں کا زور ٹوٹتا نظر نہیں آرہا، مسلمان کسی طور سنبھل نہیں پارہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، دشمن کے مقابل، بدستور سینہ سپر ہیں، چند جاں نثار ہیں کہ انہیں ہم شروع سے دیکھ رہے ہیں جو آپ کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے، نہایت بے جگری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کررہے ہیں، جو کافر بھی آپ کی طرف بڑھتا ہے، جاں نثار، شیر کی طرح اس پر جھپٹتے ہیں، لیکن مجموعی صورت حال یہ ہے کہ دشمن کا چالاک فوجدار، اسلامی لشکر کا شیرازہ بکھیرنے میں کامیاب ہوچکا ہے، اور جشن فتح منانے کا منتظر ہے، لیکن سالار اعظم، اللہ کی ذات سے ناامید نہیں، اس کی مدد و نصرت پر مکمل یقین کئے ہوئے ہیں۔ یکبارگی پُرجوش ہوکر، دائیں طرف چہرہ مبارک کرکے پکارتے ہیں۔“ یامعشر الانصار الیّ“ منتشر لشکر میں سے انصار کی بے تابانہ آواز آتی ہے، لبیک یارسول اللہ لبیک“ پھر آپؐ نے بائیں طرف رخ کیا اور آواز دی۔ ”یامعشر الانصار الیّ“ ”ادھر سے بھی جواب میں انصار نے بے تحاشا پکارا۔“ لبیک یارسول اللہ، آپ خوش ہوجایئے، ہم حاضر ہیں۔“ اس کے ساتھ ہی مجاہدین پلٹنا شروع ہوگئے۔ اب آپؐ نے جناب عباسؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ ”اصحاب سمرہ کو بلایئے!“ عباسؓ جو بلند آواز ہیں، فوراً حکم کی تعمیل میں پکارتے ہیں۔ ”اے اصحاب سمرہ آؤ، کہاں ہوتم؟“ حال یہ ہے کہ اچانک حملہ اور بلندی سے ہونے والی دوطرفہ شدید تیراندازی نے مقدمہ کے سواروں کو بوکھلا کر رکھ دیا ہے، خصوصاً نومسلم، حملہ ہوتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ بنوسلیم کے بہادر شہ سواروں کے پاؤں بھی اکھڑ گئے اور ان کے فرار سے قلب اور میمین ویسار کی صفیں بھی ٹوٹتی چلی گئیں، اور قلب میں صحابہ کی ایک بڑی جماعت بھی انتشار کا شکار ہوگئی، کسی کو کسی کی خبر نہیں رہی، باہمی ربط وضبط منقطع ہوگیا، اور یکبارگی تو ایسا نظر آیا، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب ہی ہم رکاب آپ کا ساتھ چھوڑ گئے ہیں اور آپؐ اکیلے رہ گئے ہیں، حالانکہ یکا یک بھگدڑ کے سبب ایسا ہوا کہ صحابہ کہیں سے کہیں نکل گئے، تاہم وہ سمجھ نہیں پائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرف اور کہاں تشریف فرما ہیں۔ لیکن جیسے ہی انہیں ہوش آیا اور آواز دی گئی تو اسی جوش وجذبہ کے ساتھ واپس ہوئے اور اب حال یہ ہے کہ ہجوم کے سبب اپنی سواری کو موڑنا مشکل ہورہا ہے تو اس کی پشت پر سے کود کر خالی ہتھیار اٹھائے آپؐ کے قریب پہنچنے کے لئے دوڑے جارہے ہیں، کئی مجاہدین کی زرہیں ازدہام کی وجہ سے الجھنے لگیں تو جسم پر سے اتار پھینکیں اور سبک بار ہوکر آپؐ کی طرف لپکے اور دیکھتے ہی دیکھتے صحابہ اور مجاہدین کی ایک خاصی تعداد آپؐ کے گرد جمع ہوگئی۔“ استاد صاحب نے ایک مختصر سا وقفہ کیا تو حیان، لگتا ہے، کافی دیر سے ضبط کئے بیٹھا ہے، کمزور سی آواز میں بولا۔

”استاد محترم! اس خیال سے میرا دل منہ کو آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، دشمن کے مقابل اکیلے رہ گئے ہیں، اور صحابہؓ نے اتنی دیر آپ کو تن تنہا چھوڑے رکھا؟“

”بیٹا صحابہ کے لئے ایسا سوچنا جائز نہیں، وہ اس نازک صورت حال میں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں کر چھوڑ سکتے ہیں۔ لیکن بالفعل ایسا ہی نظر آتا ہے تو یہ بالقصد نہیں بلکہ غیر ارادی طور ہوا، اور جیسا میں تمہیں بتاچکا ہوں، یہ افراتفری کے سبب ہوا کہ مقدمہ کے سوار، اچانک حملہ سے بوکھلا گئے، اور بدحواس ہوکر پلٹے تو اس فرار اور بھگدڑ کی وجہ سے قلب اور لشکر کے دیگر حصے بھی متاثر ہوئے، اور صفیں ٹوٹ گئیں اور صحابہ بھی انتشار کی زد میں آکر اِدھر سے اُدھر ہوگئے۔ تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اکثر مجاہدین اس وقت تک یہی خیال کئے ہوئے تھے کہ آپ قلب میں موجود ہیں اور کیونکہ قلب کی فوج ابھی درّہ سے فاصلے پر ہے، اس لئے یہ جگہ تیروں کی زد سے محفوظ ہے اور آپ کے لئے کوئی خطرہ نہیں۔ حالانکہ افراتفری نے پورے لشکر کو ہی بکھیر کے رکھ دیا ہے اور ہوازن کے جنگجو آگے تک بڑھ آئے ہیں۔ بہرحال، یہ صورت حال، خاص وعام، سب ہی مسلمانوں کے لئے انتہائی تشویشناک اور پریشان کن ہے، دوسرے لفظوں میں یہ ایمان والوں کے لئے ایک امتحان کی گھڑی ہے، یعنی جیسا کہ تمہارے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ لشکر میں موجود، کچھ افراد اپنی تعداد اور طاقت پر فخر کر بیٹھے اور ان کے منہ سے ایسے الفاظ نکل گئے جو اللہ کو پسند نہیں، تو گویا یہ قدرت کی طرف سے ایک تازیانہ ہے کہ بارہ ہزار کی فوج، چار ہزار جنگجوؤں کے مقابل ہزیمت اٹھا رہی ہے اور غالباً یہ سرزنش مسلمانوں کے لئے ضروری اور ان کی تربیت کا حصہ ہے، انہیں یاد دلایا جارہا ہے کہ حق وباطل کے معرکوں میں اہل ایمان کی طرف سے صرف زور بازو کی نہیں، اللہ کی مدد اور نصرت پر توکل کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں عددی قوت اور ہتھیاروں کا نہیں، جوش ایمانی کا مظاہرہ کیا جانا چاہئے۔ مومن کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ محض شمشیر پر بھروسا کرلے، اسے تو اس بات پر یقین رکھنا چاہئے کہ فتح وکامیابی، من جانب اللہ ہوتی ہے، اور یہ انعامات وہ اپنے اُن بندوں کو عطا فرماتا ہے، جو صرف اسی کی عبادت کرتے اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور اگر ان سے کوئی غلطی ہوجاتی ہے، کوئی بھول چوک کر بیٹھتے ہیں تو اللہ ان مومن بندوں کی گرفت بھی سخت کرتا ہے، تاہم وہ رؤف ورحیم بھی ہے کہ اس وقت جب ایمان والے اپنی لغزشوں پر نادم ہوکر استغفار کرنے لگتے ہیں تو اللہ انہیں معاف کرنے اور بخشنے میں بھی دیر نہیں لگاتا۔ بلکہ اس بات پر خوش ہوکر کہ اس کا بندہ خطا کرکے اسی کی طرف لوٹا ہے اور اسی سے رجوع کررہا ہے تو اسے مزید انعامات سے نوازا دیتا ہے۔ اور یہاں اس جگہ جو لوگ لغزش کر بیٹھے ہیں، ان کے درمیان تو اس کا محبوب رسول موجود ہے، جس کا صرف اسی پر توکل ہے، اپنی ہر چھوٹی بڑی حاجت وضرورت کے لئے اپنے اللہ سے رجوع کرتا ہے، اور اس وقت بھی اگر آپؐ نے اہل سمرہ یعنی حدیبیہ کے موقعہ پر بیعت کرنے والوں کو اپنی طرف بلایا ہے تو یہ نہیں کہ آپ کو ان کی مدد وحمایت کی ضرورت ہے، بلکہ آپؐ انہیں باطل سے بے خوف ہونے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، انہیں یاد دلا رہے ہیں کہ کم ہمتی کیوں دکھاتے ہو! تمہارے درمیان اللہ کا نبی موجود ہے۔“ تاہم دشمن کی یلغار دیکھ کر جہاں آپؐ ان کی ٹوٹی ہمتیں بڑھا رہے ہیں، انہیں آواز دے کر اپنی طرف بلا رہے ہیں، وہیں، یکبارگی آپؐ کے ہاتھ دعا کے لئے بلند ہوتے ہیں، بارگاہ ایزدی میں عرض کرتے ہیں۔ ”یا اللہ اپنی مدد نازل فرما! میری فریاد اس مقصد کے لئے ہے جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔ الٰہی دشمنان دین ہم پر غالب نہ ہونے پائیں۔“ اللہ اللہ آپؐ نے ابھی دعا ختم کی ہے کہ جو صاحب نظر ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں آپؐ کے چہرۂ مبارک پر اطمینان وسکینت کے آثار ہویدا ہوگئے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کرکے فرمایا ہے۔ اس نے اپنے فرشتوں کو آپ کی مدد کے لئے بھیج دیا ہے۔ آپ ایک بار پھر اپنے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہیں، مشاہدے میں آتا ہے کہ سرفروشوں کی ایک بڑی جماعت آپؐ کے گرد جمع ہوچکی ہے، ان میں مہاجر وانصار بھی شامل ہیں، خصوصاً اہل سمرہ جو بیعت رضوان کے حوالے سے بھی مشہور ہیں، دوڑ دوڑ کر آپ کی طرف اس طرح آرہے ہیں، جیسے گائے اپنے بچے کی طرف اور شہد کی مکھی اپنے چھتے کی جانب لپکتی ہے۔ یہ دیکھ کر کہ دشمن زور پکڑتا جارہا ہے، سالار اعظم جو پوری طرح جنگی لباس میں ہیں، اپنی سواری کو آگے بڑھاتے ہوئے پُرعزم آواز میں مجاہدین کو

آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔ اس حکم کے بعد اب کون ہے جو سرفروشوں کو جاں نثاری سے روک سکتا ہے۔ یکبارگی نعرۂ تکبیر بلند کر کے آگے بڑھتے ہیں اور برق و باد بن کر کفار پر ٹوٹ پڑے، تلواریں اور نیزے بجلی کی طرح کوندنے لگے اور ہر مجاہد زندگی سے بے نیاز اور موت سے بے خوف نظر آرہا ہے۔ دشمن کی صفوں میں تباہی مچ گئی ہے۔ لیکن دشمن سخت جان ہے، میدان میں ڈٹا ہوا ہے اور بڑی بے جگری کے ساتھ مسلمانوں سے نبرد آزما ہے۔ مجاہد اعظم اپنی سواری کو مسلسل آگے بڑھاتے جارہے ہیں، کہ ایک موقع پر آپؐ کا قریبی حفاظتی دستہ آپؐ کی سواری کو روک کر ایک چٹان کی اوٹ میں ٹھہرا دیتا ہے۔ تاکہ وہ آپؐ کی طرف سے مطمئن ہو کر دل جمعی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرسکیں۔ تاہم سالار اعظمؐ، میدان کارزار پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور جنگ کی صورت حال کا بغور معائنہ فرما رہے ہیں کہ بے ساختہ زبان مبارک مژدہ سناتی ہے۔ ”عنقریب ان شاء اللہ، مسلمان فتح اور کافر شکست سے ہمکنار ہوں گے۔“

یہ بتاتے وقت استاد صاحب کا لہجہ جذباتی ہوگیا، حیان نے ایک جھرجھری سی لی اور ایک لمحہ کے لئے اسے لگا وہ خود بھی محاذ جنگ پر موجود ہے۔ استاد صاحب مختصر سے وقفہ کے بعد دوبارہ کہنے لگے۔

”میدان کارزار گرم ہے، لیکن لگتا یوں ہے کہ دشمن کی صفوں میں رخنہ پڑ چکا ہے، کافر ہمت ہارنے لگے ہیں، وہ کچھ دیر پہلے کی فتح کو واضح طور پر شکست میں تبدیل ہوتا دیکھ رہے ہیں، مجاہدین پورے جوش ایمانی کے ساتھ مصروف جنگ ہیں، وہ دشمن پر دباؤ ڈالنے کی بھرپور کوشش کررہے ہیں، لیکن میدان ابھی تک دشمن کے ہاتھ میں ہے، قبیلہ ثقیف کی شاخ بنی مالک کے جنگجو، میدان جنگ پر قابض ہیں، ہوازن کا مشہور دلیر، عثمان بن عبید اللہ جو سرخ اونٹ پر سوار، سیاہ رنگ کے پرچم میں نیزہ چھپائے، کئی ماہر قدر انداز اور نیزہ بازوں کو ساتھ لئے فوج کے آگے آگے ہے اور مجاہدین میں سے جو بھی پیش قدمی کرنا چاہتا ہے، یہ نیزہ تول کر حملہ آور ہوتا ہے اور ایک قدم انہیں آگے نہیں بڑھنے دے رہا۔ حضرت علیؓ نے دیکھا کہ عثمان بن عبیدہ اللہ مسلمانوں کو خاصا نقصان پہنچا چکا ہے اور مزید تباہی مچانے کے لئے پُرعزم ہے تو ایک بار آپ اس کا بھرپور جائزہ لیتے ہیں اور اس کی جنگی حکمت عملی سمجھ جاتے ہیں کہ اس کا نیزہ ان کے درمیان مزاحم ہو رہا ہے تو یکایک جھکی دے کر نیچے جھکتے ہیں اور نہایت برق رفتاری سے آگے بڑھ کر اس کی رکاب پر کاری ضرب لگاتے ہیں، عثمان بن عبید اللہ توازن نہیں رکھ پاتا، وہ جیسے ہی اونٹ پر سے نیچے آیا، ایک انصاری نے تیزی سے اچھل کر اس پر تلوار ماری اور عین اس وقت ضرب حیدری نے اس کا کام تمام کردیا۔

”اللہ اکبر“ حیان اپنی عادت کے مطابق نعرۂ فاتحانہ لگانا نہیں بھولا، استاد صاحب بیان کا تسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں۔

”سالار اعظمؐ، میدان کارزار کے ایک طرف، سواری پر تشریف فرما، جنگ کا حال ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ دشمن کے حصار کو ٹوٹتا دیکھ کر بیساختہ فرماتے ہیں۔ ”الآن حمیٔ الوطیس“ ”اب جنگ کا تنور گرم ہونے کو ہے۔“

”اللہ اکبر!“ حیان ایک بار پھر پُرجوش ہوگیا۔ ”کیا خوب ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔“

”ہاں، واقعتاً، یہ جملہ، اب سے قبل کسی کے منہ سے نہیں سنا گیا۔“ استاد صاحب نے کہا۔ ”ان لفظوں میں جو معنویت اور رمز پوشیدہ ہے، اس کا ادراک انہی کو خوب ہوسکتا ہے جو اس صورت حال کی نزاکت کو محسوس کررہے ہیں۔“ استاد صاحب کی پلکیں پھر آنکھوں پر جھک گئیں اور کہنے لگے۔ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں شدت آنے کی پیش گوئی فرمانے کے بعد یہ ارشاد بھی فرمایا۔ ”جس نے کسی کافر کو قتل کیا اور اس کے پاس اس کا گواہ بھی ہو تو وہ مقتول کے سامان کا حقدار ہوگا۔“ استاد صاحب یہ کہہ کر ایک لمحہ خاموش ہوگئے، پھر بولے۔

”ہم دیکھ رہے ہیں کہ جنگ کا نقشہ بدلنے لگا ہے، مجاہدین اور زیادہ پُرجوش ہوگئے ہیں اور معرکہ آرائی اپنے عروج پر پہنچتی جارہی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کا تنور پوری شدت سے گرم ہوگیا اور اسلام کے سپاہی جو کچھ دیر پہلے بکھیر گئے تھے، اب یک جان ہو کر، سر ہتھیلی پر رکھے دشمن کے قلب میں پہنچ گئے ہیں اور ان کی صفوں میں رخنہ ڈال رہے ہیں۔ نبی کریمؐ کی سواری ٹیلے کی آڑ میں ہے، تاہم جاں نثار آپؐ کی طرف سے بے خبر نہیں، پوری طرح ہوشیار اور مستعد ہیں۔ حضرت ابو طلحہؓ انصاری اور ان کی بہادر اور دلیر اہلیہ، ام سلیمؓ، غزوۂ احد کی طرح آج بھی پروانہ وار، آپؐ کے گرد متحرک ہیں، ابو طلحہؓ جنگی تلوار ہاتھ میں لئے سرگرم ہیں اور ام سلیم......؟ اللہ اللہ، کیا شان وارفتگی ہے کہ کمر سے شیر خوار بندھا ہے اور ہاتھ میں خنجر اٹھائے، شیرنی کی طرح آپؐ کے چاروں طرف اِدھر سے اُدھر پھر رہی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھنے والے کافروں پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ جناب ابو طلحہؓ اکیلے بیس کافروں کو واصل جہنم کرنے کے بعد، ان کا سامان اپنے قبضے میں لے چکے ہیں۔ لیکن جنگ کی گرما گرمی اور جوش و خروش میں ان سے ایک بے احتیاطی یہ ہوگئی ہے کہ کفار کی کئی عورتیں ان کی زد میں آگئیں۔ نبی علیہ السلام کو اس کی خبر ہوئی تو سخت ناراضی کا اظہار فرمایا۔ اور اپنا موقف دہراتے ہوئے حکم دیا کہ ”ہرگز عورت اور بچے پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔“ استاد صاحب نے اضطراب کے سے عالم میں آنکھ کھول دی۔ کہنے لگے۔ ”واللہ میرے بیٹے حیان! یہی شان رسالت ہے، عفو ودرگزر آپؐ کے رحمت عالم ہونے کی شناخت ہے، ورنہ جب دشمن ظالم اور بے رحم ہو کر حملہ آور ہوا ہو تو فریق ثانی کو یہ ہوش کہاں ہوسکتا ہے کہ تلواروں کی شعلہ باری سے اخلاقی اصول کے پھولوں کو محفوظ رکھا جائے، لیکن آپؐ اشجع الناس بھی ہیں اور رحمت عالم بھی ہیں کہ حالت جنگ میں بھی اخلاقی اصول اور انسان دوستی کی پاسداری کو نظر انداز نہیں فرماتے۔ آپ کی تعلیمات اور اسلامی قوانین کی روشنی میں اہل ایمان کو جنگ ہو کہ امن، ہر صورت عدل وانصاف سے کام لینا ہوتا ہے اور ایک حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت ہے۔ انہیں سختی سے پابند کیا گیا ہے کہ حالت جنگ میں بھی دشمن کی خواتین اور بچے ان کی تلواروں سے محفوظ رہیں اور اکثر مواقع پر یہی دیکھا گیا کہ دشمن کی خواتین قیدی بننے کے باوجود مسلمانوں کے درمیان عزت واحترام سے رکھی گئیں۔“ استاد صاحب کئی لمحے تک خاموش رہ کر دوبارہ کہنے لگے۔ ”اب ہم پھر میدان کارزار پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف اور واضح نظر آرہا ہے کہ دشمن ہزیمت کے قریب ہے، آپؐ کی دعا کی قبولیت کا اظہار ہونے لگا ہے۔ آپؐ اپنی جگہ سے دشمن کی پسپائی کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔“ یکایک استاد صاحب نے آنکھیں کھول کر حیان کو دیکھا اور بولے۔ ”حیان یاد رہے، نبی علیہ السلام پہاڑی کے دامن میں پناہ گزین نہیں، بلکہ یہ جگہ گویا آپؐ کا عسکری دارالفتویٰ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم، یہاں سے اپنے بہادروں کو ہدایات جاری فرما رہے ہیں۔ ورنہ تم دیکھ چکے ہو کہ کھلے میدان میں جب چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور بڑے بڑے دلیروں کے پیر اکھڑ چکے تھے تو آپؐ چٹان کی طرح میدان کارزار میں ڈٹے رہے۔ بلکہ اس وقت کئی بہادروں کو دیکھا گیا کہ وہ دشمن کے حملوں سے بچنے کے لئے آپ کے پہلو میں پناہ لے رہے تھے۔ واللہ! یہ منظر انسانی تاریخ میں کہاں ملتا ہے کہ دشمنوں کے نرغے میں اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم، بلاخوف وتردد، اپنے دعوئ نبوت کو پورے عزم اور شان خودی کے ساتھ دہراتے رہے، انا لنبی لا کذب، آپؐ کی آواز، پورے جوش وجلال میں نعرۂ حق بنا کر گونجتی رہی۔“

”بے شک! لاریب“ حیان بے اختیار بولا۔ استاد محترم! یہ شان اور یہ انداز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی پہچان ہے۔“ استاد صاحب دوبارہ اپنی مخصوص

کیفیت میں چلے گئے اور کہنے لگے۔ "اللہ تعالیٰ نے غیبی مدد کے ذریعے کافروں کو بکھیر کے رکھ دیا ہے۔ مالک بن عوف اپنی جنگی حکمت عملی کو ناکام ہوتے دیکھ رہا ہے۔ پسپا ہوتے ہوئے، ایک جگہ رک کر اپنے کچھ آدمی مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ لگانے اور ان کے وہ دستے جو منتشر ہوگئے تھے ان کی موجودہ حالت و کیفیت معلوم کرنے بھیجتا ہے۔ کافر جاسوس، اپنے گھوڑوں پر سوار، دروں کے درمیان چھپتے چھپاتے جاتے ہیں اور فوراً ہی پلٹ آتے ہیں۔ چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ آنکھیں خوف سے پھٹی ہوئی ہیں اور ہاتھ پاؤں بے قابو ہو رہے ہیں کہ گھوڑوں کی باگیں چھوٹی جاتی ہیں، ابن عوف ان کی یہ حالت دیکھ کر خود بھی حیران رہ گیا اور نہایت بے صبر ہو کر پوچھا ہے۔ "کیا ہوا، یہ تمہارے چہرے زرد کیوں ہو رہے ہیں؟ اتنا خوف! بتاؤ تو آخر بات کیا ہے؟"

"کیا بتائیں سردار!" جاسوس خود کو بمشکل سنبھال کر، خوفزدہ لہجے میں کہتے ہیں۔ "ابھی ہم گھاٹیوں میں چھپتے ہوئے کچھ ہی دور گئے تھے کہ ہم نے ابلق گھوڑوں پر سوار، سفید لباس میں ملبوس کچھ لوگوں کو آسمان سے زمین کی طرف آتے دیکھا تو اس منظر نے ہمیں خوفزدہ کر دیا اور ہم آگے جانے کی ہمت نہیں کر سکے، گھبرا کر واپس آگئے۔" یہ سن کر مالک بن عوف بھی سہم گیا، اب اس کے پاس سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ مقابلہ ترک کر کے بھاگ کھڑا ہو۔" استاد صاحب نے ہلکا سا پہلو بدلا اور حیان کے چہرے پر فاتحانہ مسرت کے آثار نمایاں ہوگئے۔

"دیکھتے ہی دیکھتے میدان کارزار کا نقشہ کچھ سے کچھ ہوگیا ہے۔" استاد صاحب اب پھر آنکھوں دیکھا حال بیان کرنے لگے۔ "مجاہدین، آندھی طوفان کی طرح آگے بڑھ رہے ہیں، کفار گھیرے جا رہے ہیں، مارے جا رہے ہیں اور پسپا ہو رہے ہیں، ظاہر بیں آنکھیں کہاں دیکھ سکتی ہیں کہ غیب سے بجلیاں کس کس پر موت بن کر گر رہی ہیں، اللہ کے رسول نے اللہ سے مدد طلب کی ہے تو اللہ اپنے رسول کی دعا کیوں نہ قبول کرے اور پھر محمد عربی کب اپنے لئے برسرِ پیکار ہیں، اسی کا نام تو بلند کرنے نکلے ہیں، اس وقت بھی آپ حوصلہ مند اور اللہ پر توکل کئے ہوئے تھے، جب آپ کی سپاہ آپ کے گرد سے منتشر ہوگئی تھی اور آپ دشمن کے نرغہ میں اکیلے رہ گئے تھے اور اب بھی کہ مجاہدین دوبارہ یکجا ہوگئے ہیں اور دشمن پر مسلسل دباؤ ڈال رہے ہیں تو آپ کے عزم و حوصلے میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، اسی عزم و یقین کے ساتھ، میدان کارزار کا معائنہ کرتے ہوئے یکایک پُرجوش انداز میں فرماتے ہیں۔ "رب کعبہ کی قسم، کفار کا زور ٹوٹ گیا، رب محمد کی قسم کفار کو شکست ہوگئی۔"

"صدقت یارسول!" اسی وقت جیسے کسی نے آپ کے فرمان کی گواہی دی اور وادی کا ذرّہ ذرّہ آنکھ بن کر یہ منظر دیکھنے لگا کہ دشمن کے پیر اکھڑ گئے ہیں، وہ پشت دکھا کر بھاگ کھڑا ہوا ہے، سالار اعظم فوراً ہی اپنی سواری کو مہمیز کرتے ہیں، سعادت مند سفید خچر اپنے عظیم سوار کو لئے تیزی سے دوڑنے لگا، مجاہدین نے دیکھا کہ مجاہد اعظم، دشمن کے تعاقب میں ہیں تو انہوں نے بھی ہلہ بول دیا۔ ہوازن کے اتحادی اور حلیفوں کی فوج کا علم بردار، اقارب بن اسود ابھی تک میدان میں جما ہوا ہے، لیکن مسلمانوں کے سالار اور جاں نثاروں کو پیش قدمی کرتے اور اپنے جاں بازوں کو میدان چھوڑتے دیکھا تو اس کی ہمت بھی جواب دے گئی اور اس نے بھی سپر ڈال دی، جلدی سے علم کو ایک درخت کے ساتھ کھڑا کیا اور خود بھی بھاگ کھڑا ہوا۔

"اللہ اکبر!" حیان کافی دیر سے پُرسکوت انداز میں استاد صاحب کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہا تھا، پُرمسرت انداز میں نعرہ زن ہوا۔ لیکن استاد صاحب نے واقعات کا تسلسل جاری رکھا۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے کہ ان کا تعاقب جاری رکھا جائے۔ اور اس کے لئے مختلف دستے ترتیب دیئے، خصوصاً حضرت زبیرؓ بن عوام کو مالک بن

عوف کی سرکوبی کے لئے بھیجا ہے، جو بھاگ کر ایک پہاڑی ٹیلے پر پناہ گزین ہوگیا ہے، اسے یقین ہے کہ مسلمان ضرور اس کے تعاقب میں آئیں گے، اس لئے چوکنا ہے، یکایک اسے دور سے گرد و غبار اڑتا نظر آتا ہے، اپنے آدمیوں سے کہتا ہے۔ "دیکھو تو یہ غبار کیسا ہے؟" بتایا جاتا ہے کہ "چند سوار ہیں جو نیزے نیچے کئے آرہے ہیں۔" بولا۔ "ان سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، ہماری کثرت دیکھ کر، خود ہی بغیر ٹھہرے گزرے چلے جائیں گے۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ مسلمان طلایہ گردوں کی مختصر جماعت ہے، انہوں نے مالک بن عوف کے جنگجوؤں کی تعداد کا اندازہ لگایا اور توقف کئے بغیر راستہ بدل کر گزرے چلے گئے۔ کچھ ہی دیر بعد، پھر ایک طرف سے غبار اٹھا، مالک کے کان کھڑے ہوگئے، پوچھا۔ "دیکھو یہ لوگ کون ہیں؟" اس کے سوار، گھوڑا دوڑا کر گئے اور ایک محفوظ مقام پر ٹھہر کر جائزہ لیا اور آن کی آن میں لوٹ آئے اور خبر دی کہ "یہ بھی مسلمان ہیں، تعداد میں زیادہ نہیں، لیکن فوجی دستے کا امیر بہت ہیبت و جلال کا آدمی ہے، سر پر سرخ عمامہ باندھے، شان اور دلیری سے گھوڑے پر سوار ہے، اور وہ اسی طرف آرہا ہے۔" مالک بن عوف سمجھ گیا کہ یہ کون ہوسکتا ہے۔ کہنے لگا۔ "یہ شہ سوار جیش محمد کا بہادر زبیر بن عوام ہے، اس سے ڈرا جائے، یہ دشمن کے مقابل کبھی پشت نہیں دکھاتا، البتہ، اس سے ہمیں بہرحال مقابلہ کرنا ہوگا، تم ثابت قدم رہو، ہمارے مقابلے میں یقیناً اس کے فوجیوں کی تعداد کم ہوگی۔ لہٰذا اگر ہم نے جم کر مقابلہ کیا تو امید ہے ہم ان پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہوجائیں اور انہیں نقصان اٹھانا پڑے۔"

"یہ لوگ ابھی مقابلے کے لئے تیار ہو رہے ہیں کہ زبیرؓ آندھی طوفان کی طرح ان کے سر پر آن پہنچے اور انہیں گھیر لیا، مالک بن عوف نے مقابلہ کیا لیکن زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔ یہ حضرت زبیرؓ سے مرعوب تو پہلے ہی ہے، جلد ہی شکست کھا کر بھاگ نکلا۔"

"اللہ اکبر!" حیان جذباتی ہوگیا۔ وہ حضرت زبیرؓ کی بہادری اور اسلام کے لئے ان کی خدمت کا دل سے قائل ہو چکا ہے۔ استاد صاحب اپنا بیان جاری رکھے ہوئے ہیں۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دور تک دشمن کا تعاقب کرنے کے بعد اپنی سواری کی لگام کھینچ لیتے ہیں، یہ دیکھ کر، لشکر اسلامی کے سارے دستے بھی رک گئے۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ فرما لیا ہے کہ شکست خوردہ دشمن کی فوج منتشر ہو کر مختلف اطراف میں نکل بھاگی ہے۔ لیکن یہ لوگ پھر کہیں نہ کہیں جمع ہوں گے۔ آپ اسی جگہ توقف کا حکم صادر فرماتے ہیں اور خبر رسانوں کو روانہ کیا جاتا ہے کہ وہ ان کی کھوج میں جائیں، معلوم کریں کہ ان کا رخ کس طرف ہے اور کہاں جمع ہو رہے ہیں، کیونکہ، آپ انہیں ایک جگہ مجتمع ہونے کا موقع دیئے بغیر ان کی طاقت کو پہلے ہی کچل دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ برق رفتار خبر رساں، نہایت ہی مختصر عرصہ میں دشمن کے تازہ حالات و کوائف لئے حاضر ہوئے اور آپ کو مطلع کیا کہ ہوازن کی اتحادی فوج تین حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے، ایک حصہ مالک بن عوف کے ساتھ ہے جو طائف میں پناہ گزین ہونے گیا ہے، دوسرا حصہ دُرید بن صمہ کو لے کر اوطاس کے اندرونی علاقہ میں کہیں چھپ گیا ہے اور تیسرا گروہ نخلہ کی طرف فرار ہوتے دیکھا گیا ہے۔ نخلہ کی طرف جانے والوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بنوثقیف کی شاخ بنوغیرہ کے لوگ ہیں۔" ان معلومات کی روشنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوری طور پر ان کے تعاقب کے لئے مجاہدین کے دستے ترتیب فرماتے ہیں، ایک دستہ اوطاس کی طرف جناب ابو عامرؓ اشعری کی قیادت میں روانہ کیا گیا، اس میں تین نامور بہادر حضرت زبیرؓ بن العوام، جناب سلم بن اکوع اور ابوموسیٰ الشعریٰ شامل ہیں، ان برق رفتار مجاہدین نے دشمن کو دم لینے کا موقعہ دیئے بغیر وادی اوطاس کے اندر پہنچ کر مدین القمر

کے مقام پر جالیا۔ کفار بھی مزاحمت کے لئے تیار ہو گئے۔ ایک جگہ کفار کے دس بہادروں نے جو آپس میں بھائی ہیں، حضرت ابو عامرؓ کا راستہ روکنا چاہا، جناب ابو عامرؓ نے انہیں، مقابلے سے پہلے، اسلام کی دعوت دی، کہا، اللھم انی اشھد علیک، اے اللہ، میں تجھے اس دعوت اسلام پر گواہ کرتا ہوں، لیکن انہوں نے سختی سے انکار کر دیا، تب ابو عامرؓ نے انہیں للکارا، کفار مبارزت کے لئے آئے اور ایک ایک کر کے نو کو آپ نے موت کے گھاٹ اتار دیا، دسویں نے کہا۔ ”اے اللہ تو ہم پر گواہ نہ رہنا۔“ ابو عامرؓ نے اسی وقت اس کے قتل سے ہاتھ روک لیا اور وہ اسلام لے آیا۔ اس دوران ایک تیر ان کے گھٹنے میں آن لگا، وہ ڈگمگا گئے، لیکن اس سے پہلے کہ ان کے ہاتھ میں علم سرنگوں ہوتا، ان کے برادر زاد، موسیٰؓ اشعریٰ نے جلدی سے آگے بڑھ کر پرچم سنبھال لیا اور پوچھا۔ ”یہ آپ کو کس نے مارا؟“ انہوں نے ایک طرف اشارہ کیا، ابو موسیٰؓ نے دیکھا، مسلمہ بن درید ہے، فوراً اس کی طرف لپکے، تو وہ فرار ہونے لگا، جناب ابو موسیٰؓ نے کہا۔ ”ٹھہر، کہاں جاتا ہے! کیا تو عرب نہیں کہ بزدلوں کی طرح فرار ہو رہا ہے؟ بہادروں کی طرح مقابلہ کیوں نہیں کرتا!“ کافر رک گیا اور مقابلہ کرنے لگا، لیکن ابو موسیٰؓ کے حملے کی تاب نہ لا سکا اور دوسرے ہی وار میں ڈھیر ہو گیا۔ اسے تہہ تیغ کرنے کے بعد ابو موسیٰؓ جلدی سے اپنے چچا کی طرف آئے اور انہیں خوش خبری سنائی کہ ”بدلہ لے لیا ہے۔“ ابو عامرؓ اشعری نے انہیں تیر نکالنے کو کہا، ابو موسیٰؓ نے جیسے ہی پیوست شدہ تیر ان کے گھٹنے سے نکالا، خون کی دھار تیزی سے بہہ نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے جسم کا سارا خون بہہ گیا، وہ زرد پڑنے لگے، اور دیکھا کہ دم آخریں ہے تو شوق و حسرت کے لہجے میں بھتیجے کو مخاطب کر کے کہا۔ ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں میرا اسلام پیش کرنا اور عرض کرنا کہ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔“ پھر دم توڑنے سے قبل بولے۔ ”بھتیجے، اب یہ پرچم تمہارے سپرد ہے۔“

اس طرح ابو موسیٰؓ کو امیر لشکر بنا کر وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ”انا للہ وانا الیہ راجعون۔“

”حیان نے بھی استاد صاحب کے آخری کلمات میں اپنی آواز ملائی، لیکن خود اس کے اپنے کان بھی اپنی آواز کو نہ سن سکے۔ استاد عبدالرحمٰن ایک لمحہ کے بعد اپنی ہی حالت میں بیٹھے، دوبارہ آگے کے حالات بیان کرنے لگے۔

”دائیں اور بائیں سے حضرت زبیرؓ اور حضرت ابن اکوعؓ نے کفار پر حملہ کر کے ان کی فرار کی راہیں مسدود کر دیں، مجاہدین آگے بڑھ بڑھ کر انہیں تہہ تیغ کرنے لگے۔ اس دوران ان کا سردار حضرت زبیرؓ سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔ ادھر جناب ربیعہؓ بن رفیع کفار سے لڑتے ہوئے ان کے اندر تک جا پہنچے۔ دیکھتے ہیں کہ سانڈنی پر ایک محمل رکھا گیا ہے، لیکن انہیں یہ جان کر تعجب ہوا کہ اس میں خاتون کی جگہ ایک بوڑھا شمشیر زن نیم دراز ہے اور اس عمر میں بھی وہ آمادۂ پے کار نظر آرہا ہے۔ ربیعہؓ بن رفیع نے اس پر تلوار کا وار کیا لیکن وہ پوری طرح زد میں نہ آسکا، بڈھے جنگجو نے نہایت نخوت سے کہا۔ ”کیا تیری ماں نے تجھے اچھے ہتھیار نہیں دیئے؟“ پھر بوڑھی اور کھرج دار آواز میں بولا۔ ”ادھر آ، یہ میرے محمل میں تلوار ہے، اسے نکال لے اور جب اپنی ماں کے پاس لوٹ کر جانا تو کہنا کہ میں نے درید کو قتل کیا۔“

”عجیب شخص تھا یہ درید؟“ حیان نے اپنے استعجاب کا اظہار کیا اور استاد صاحب کہنے لگے۔

”بیٹا، عرب تھا، خالص عرب، اسی مزاج اور کروفر نے عربوں کو، مرتے دم تک اپنی بہادری اور آن بان کی لاج رکھنے میں مست رکھا اور اسی کو اسلام نے جاہلیت قرار دیا ہے، لڑنا اور جان دینا کسی اعلیٰ مقصد کے لئے ہو تو لائق تحسین، ورنہ صرف جاہلانہ فعل سمجھا جاتا ہے۔

”پھر استاد گرامی، حضرت ربیعہؓ نے کیا کہا؟“

”انہوں نے اس مغرور بڈھے کافر کو موت کے گھاٹ اتار دیا، بلکہ کہا جاتا ہے کہ جناب ربیعہؓ نے اپنی والدہ کو اس کے قتل کی روداد سنائی تو کہنے لگیں۔ ”واللہ درید نے تیری تین ماؤں کو آزاد کرایا تھا۔“ اس سے تمہیں معلوم ہوگا کہ عربوں کی جاہلانہ معشرت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ اپنے نام و نمود اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور خود کو اوروں میں نمایاں کرنے کی خاطر اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے کس طرح کی فیاضیاں اور شاہ خرچیاں کرتے رہتے ہیں۔“ بہر حال، استاد صاحب نے تبصرہ کیا اور کہنے لگے۔ ”کفار نے اپنے بڑے بڑے بہادروں کے مارے جانے کے بعد، ہتھیار ڈال دیئے اور تہہ تیغ ہونے سے بچ گئے۔ تو دیکھو فاتح فوج ان سب مردوں اور عورتوں کو جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں، اسیر بنا رہی ہے کہ گرفتار ہوتے وقت، ان میں سے ایک خاتون کہنے لگیں۔ ”لوگو، میں تمہارے رسول کی رضاعی بہن ہوں۔“

”سبحان اللہ!“ یہ کون ہیں استاد محترم؟“ حیان نے جلدی سے پوچھا، لیکن استاد صاحب شاید ابھی اس کے سوال کا جواب دینا نہیں چاہتے۔ بلکہ مستقل اپنی حالت میں بیٹھے رہے، البتہ اس دوران میں کئی بار انہوں نے ایک جھرجھری سی لی اور بولے۔

”اللہ اللہ کیا عجیب منظر ہے۔“ ان کے چہرے کی حرکت سے لگتا ہے جیسے وہ کسی دل گداز منظر سے دو چار ہیں۔ ”سالار اعظم، کچھ دیر آرام کی خاطر، ایک چٹائی پر لیٹ گئے ہیں، شہنشائے دو جہاں کے جسم اطہر پر بان کے نشانات نمایاں ہیں، اسی اثنا میں فاتح دستہ واپس ہوا ہیں، اس کے موجودہ امیر، خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو جسم مبارک پر بان کی بدیاں دیکھ کر تو شدید قلق محسوس کرتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل جانے پر فتح کی خوشخبری اور مہم کی روداد گوش گزار کرنے کے بعد اپنے عم محترم ابو عامرؓ شہید کا سلام اور پیام پیش کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم، اسی وقت، وضو کے لئے پانی طلب فرماتے ہیں اور وضو کے بعد، اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اس قدر بلند کرتے ہیں کہ آستینوں میں سے بغلوں کی سفیدی جھلکنے لگتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ”یا اللہ عبید ابو عامر کی مغفرت فرما اور یوم قیامت، اسے اپنی اکثر مخلوق پر فضیلت عطا فرما۔“ ابو موسیٰؓ اشعریٰ موقع غنیمت جان کر عرض کرتے ہیں۔

”یا رسول اللہ! میرے لئے بھی دعا فرمائیے۔“ رسول رحمت ان کے لئے بھی دعا گو ہوتے ہیں۔

”یا اللہ! عبداللہ ابن قیس کے گناہ بخش دے، اور اسے روز آخر بہتر جگہ میں داخل فرما۔“

”آمین“ حیان کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور استاد صاحب ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد کہنے لگے۔

”اوطاس والوں سے خاصی تعداد میں مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا ہے۔ تاہم اعلان کرا دیا گیا کہ جو اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ وہ مال غنیمت کی کوئی چیز پوشیدہ نہ رکھے۔ یہ سنتے ہی اہل لشکر نے معمولی اور حقیر چیز تک لا کر غنیمت میں جمع کر دی، حضرت علی کے بھائی عقیل بن ابی طالب کی اہلیہ نے سینے کے لئے جو سوئی لے لی تھی، وہ بھی جمع کرنے لے آئی ہیں، ایک اور صاحب نے اونٹ کے زخم پر رکھنے کے لئے ایک نمدہ لے لیا تھا، جو واپس کر دیا گیا۔“

”اللہ اللہ، کس شان کے تھے یہ لوگ“ حیان کی آواز میں حیرت اور تحسین کے جذبات یک جا ہو گئے۔

”بیٹا یہ تو حالت جنگ میں نظم و ضبط کے حوالے سے ہم دیکھ رہے ہیں، ورنہ عام زندگی میں بھی صحابہ، فرمان رسول پر عمل کرنے میں لمحہ بھر کی تاخیر، گناہ و بے ادبی خیال کرتے تھے۔“ استاد صاحب نے پر زور آواز میں کہا اور ایک دم لہجہ بدل کر بولے۔

”اب ہم ایک دوسرا منظر دیکھتے ہیں۔“ یہ کہہ کر انہوں نے دوبارہ اپنی پلکیں آنکھوں پر گرا دیں۔ ”فاتح مجاہدین، اوطاس کی اسیر خواتین میں سے اس عورت کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے ہیں جو خود کو رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کی رضاعی بہن ہونے کی دعویدار ہے۔ اسے یہاں لانے کا مقصد اس کے اس دعوے کی تصدیق کرنا ہے۔ خاتون آپ کے حضور عرض کرتی ہے۔ "میرا نام شیما ہے، میں آپ کی دایہ، حلیمہ سعدیہ کی بیٹی ہوں۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ مبارک اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ خاتون نے اپنی پشت پر سے کپڑا ہٹایا اور ایک نشان دکھاتے ہوئے بولی۔ "دیکھئے، بچپن میں، میں آپ کو پشت پر لئے ہوئے تھی کہ آپ نے مجھے دانتوں سے کاٹا تھا، یہ اس کا نشان ہے۔" یہ سنتے ہی فرط محبت سے آپ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اسی وقت خود اپنے دست مبارک سے، ان کے لئے چادر بچھائی اور انہیں بٹھایا۔ پھر بہت چاہت و اپنائیت کے ساتھ ان سے گفتگو فرمائی اور خیر خیریت دریافت کی، اور کافی خاطر مدارات کے بعد، کئی اونٹ اور بکریاں انہیں عنایت کیں، ارشاد فرمایا۔ "چاہو تو میرے گھر چلو اور اگر اپنے گھر جانا چاہو تو تمہیں پہنچا دیا جائے۔" جناب شیما نے خاندان کی محبت سے مغلوب ہو کر اپنے ہی گھر واپس جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ نبی رحمت عالم نے حکم دیا کہ "انہیں عزت و احترام کے ساتھ ان کے مسکن پر پہنچا دیا جائے۔"

"استاد محترم، لیکن اسلام؟ میرا مطلب، مسلمان ہوئیں وہ؟"

"ہاں، بعد میں وہ اسلام لے آئی تھیں۔"

"الحمدللہ!" حیان نے استاد صاحب کے بتانے پر اطمینان کا سانس لیا اور مزید کہنے لگے۔ "اس کے علاوہ بھی دیگر خواتین کا احترام کیا گیا، خصوصاً شوہر والیوں کو ہاتھ لگانا بھی برا سمجھا گیا، جیسا کہ سورۃ نساء کی اس آیت میں فرمادیا گیا ہے، والمحصنٰت من النسا الاماملک ایمانکم کتاب اللہ علیکم، یعنی وہ عورتیں تم پر حرام ہیں جو محصنات ہیں، یعنی دوسرے کے نکاح میں ہوں، البتہ ایسی خواتین اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو تمہارے ہاتھ آجائیں، یعنی جنگ کے دوران تمہارے قبضہ میں آئیں، یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازمی کر دی ہے۔" یہ کہہ کر استاد صاحب نے خاموشی اختیار کرلی۔ پھر فوری بعد آنکھیں کھولیں اور اپنی دائیں طرف کے چھوٹے طاق میں کاغذات کو الٹنے پلٹنے لگے۔ جلد ہی گولائی میں لپٹا ہوا ایک کاغذ ان کے ہاتھ آگیا، اور اسے چراغ کی روشنی میں لاکر کئی بل کھولنے کے بعد بولے۔ "یہ دیکھو سریہ اوطاس کے شہداء اور مال غنیمت وغیرہ کی تفصیل اس میں درج ہے، تم پڑھ کر سناؤ، تاکہ میرے ذہن میں بھی تازہ ہو جائے۔" انہوں نے پلندہ شاگرد کی طرف بڑھایا اور حیان نے فوراً کاغذ وصول کر کے اپنا چہرہ اس پر جھکا دیا۔ تاہم اسے محسوس ہوا جیسے اس کی نظر کانپ رہی ہو۔ اس نے ایک نظر استاد صاحب کی طرف دیکھا اور پھر کاغذ پر آنکھیں جھکا کر پڑھنے لگا۔ استاد محترم! شہدا کی تعداد اس میں چار لکھی ہے اور فہرست یہ ہے۔ "حضرت ام ایمنؓ کے صاحبزادے ایمنؓ بن عبید۔"

"بیٹا، ام ایمن کون ہیں، یاد ہے نا؟"

"جی ہاں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی کنیز خاص ہیں۔"

"شاباش! آگے چلو!"

"دوسرے شہیدوں میں حضرت یزیدؓ بن زمعہ بن اسود کا نام لکھا ہے۔" حیان نے کاغذ پر جھکتے ہوئے پڑھا۔ "لکھا ہے، یہ کسی کافر کے ہاتھوں نہیں بلکہ گھوڑے سے گر کر شہید ہوئے۔ اور تیسرے شہید کا نام ہے، عامرؓ اشعری، جو اس سریہ اوطاس کے امیر تھے۔" استاد صاحب نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "ان کا تذکرہ ابھی ابھی تم سن چکے ہو۔"

"جی ہاں، حضور نبی کریمؐ نے ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔" حیان نے درست جواب دیا اور استاد جب اپنی محنت کو کامیاب دیکھتے ہیں تو چہرے سے خوشی کا اظہار کئے بغیر نہیں رہتے۔ حیان دوبارہ کاغذ کی طرف متوجہ ہو کر پڑھنے لگا۔

"چوتھے شہید حضرت سراقہؓ بن حارث بن عدی انصاری ہیں، اور ذیل میں زخمیوں کے نام بھی لکھے گئے ہیں، اس میں حضرت خالد بن ولید کا نام بھی ہے۔"

ہاں "اوطاس کی مہم میں یہ بھی زخمی ہوئے تھے۔" استاد صاحب نے کہا۔ "اور دشمن کے ستر آدمی قتل ہوئے اور خاصا مال غنیمت ہاتھ آیا، دیکھو اس کی تفصیل بھی اس میں لکھی ہے۔" انہوں نے کاغذ کی طرف اشارہ کیا اور حیان پڑھنے لگا۔

"لکھا ہے استاد محترم" اونٹ بائیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار، چاندی چالیس ہزار اوقیہ اور قیدیوں کی تعداد عورت مرد اور بچے سب ملا کر چھ ہزار ہے۔"

تم سن چکے ہو کہ غزوۂ حنین میں شکست خوردہ دشمن کا لشکر فرار ہوتے ہوئے تین حصوں میں تقسیم ہو گیا، ایک جس میں ہوازن کے لوگ زیادہ ہیں، وادی اوطاس میں ہی روپوش ہونا چاہتا تھا کہ مجاہدین نے اسے جالیا اور ان پر فتح پائی، دوسرا حصہ مالک بن عوف کے ساتھ بھاگ نکلا اور ایک ٹیلے پر پناہ گزین ہو گیا تھا اور جیسا کہ تم نے ابھی سنا وہ حضرت زبیرؓ سے شکست کھا کر وہاں سے بھی بھاگ گیا اس کی یہ شکست خوردہ فوج زیادہ تر قبیلہ ثقیف کے لوگوں پر مشتمل ہے۔"

"استاد گرامی! یہ وہی بنی ثقیف ہیں جنہوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف میں ستایا تھا؟"

"ہاں یہ وہی شقی القلب ہیں" استاد صاحب کے لہجہ میں حزن وملال گھل گیا۔ پھر سنبھل کر بولے۔ "شکست خوردہ کافروں کا ایک حصہ جو نخلہ کی طرف فرار ہوا ہے، ان فراریوں میں بھی بنو ثقیف کی شاخ بنو غیرہ کے لوگ شامل ہیں۔"

استاد صاحب نے حسب عادت کچھ دیر خاموشی اختیار کی، پھر بند آنکھوں میں سفر کرتے ہوئے دشت و صحرا کی طرف نکل گئے، یہاں سالار اعظم اپنے مجاہدین کے ہمراہ تشریف فرما ہیں۔

"وہ دستے جو کافروں کے تعاقب میں روانہ کئے گئے تھے، ایک ایک کر کے کامیابی کے ساتھ واپس آچکے ہیں، تاہم نبی علیہ السلام ابھی حالت جنگ میں ہیں، بنو ثقیف کے شرپسندوں کی نقل و حرکت اور ان کے جارحانہ عزائم پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ خبر رساں اطلاع دیتے ہیں کہ اہل طائف جنگ پر آمادہ ہیں۔ مالک بن عوف بھی فرار ہو کر انہی میں جاملا ہے، ثقیف نے اسے اور اس کی قوم کے لوگوں کو وہاں ایک مضبوط ٹھکانا فراہم کر دیا ہے۔ ان اطلاعات کے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تاخیر، لشکر کو از سر نو ترتیب دینا شروع کر دیا اور بنو ثقیف کی سرکوبی کے لئے طائف کی طرف پیش قدمی کے لئے ارادہ فرمایا اور حضرت خالد بن ولید کو مقدمۃ الجیش کے طور پر روانہ کیا، کرنے کے بعد حکم دیا کہ اوطاس کے قیدیوں اور مال غنیمت کو جعرانہ منتقل کر دیا جائے، اس کام کے لئے دو باصلاحیت حضرات منتخب فرمائے گئے۔ حضرت مسعودؓ بن عمرو غفاری اس کے امین اور جناب بدیل بن ورقہ نگراں مقرر ہوئے۔ ان امور سے فارغ ہو کر آپ نے طائف کا رخ کیا اور نخلہ اور یمانیہ کے راستے سفر کرتے ہوئے قرن اور پھر ملیح تشریف لے گئے اور اب یہاں لیہ کے مقام پر توقف فرمایا ہے۔ اس جگہ قیام کے دوران ایک قصہ یہ پیش آیا کہ آپ کے حضور ایک مقدمہ لایا گیا۔ مقدمہ یہ ہے کہ بنی لیث کے ایک شخص کو بنی ہذیل کے ایک آدمی نے قتل کر دیا تھا، بنی ہذیل خوں بہا دینا چاہتے ہیں لیکن بنی لیث اس پر راضی نہیں، لہٰذا آپ نے دیکھا کہ مقتول کے ورثا، دیت کی جگہ قصاص پر ہی بضد ہیں تو ان کے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے، آپ نے حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے قصاص میں اس کی گردن مار دی۔ اس طرح شریعت اسلامیہ کی رو سے یہ قصاص کا پہلا مقدمہ اور اس قضیہ کا پہلا فیصلہ کہلاتا ہے۔"

استاد صاحب نے پہلو بدلا اور بولے۔ ”اس مقام پر کچھ توقف فرمانے کے بعد، آپؐ نے دوبارہ سفر شروع کیا۔ راستے میں ایک کچے قلعہ کو دیکھا تو دریافت فرمایا۔ ”کیا ہے یہ......؟“ بتایا گیا۔ ”مالک بن عوف کی ملکیت ہے۔“ ”فی الحال اس کے استعمال میں نہیں، لیکن اس خیال کے سبب کہ، وہ کسی وقت اس کو محاذ جنگ کے طور پر استعمال کرسکتا ہے تو آپؐ نے اس عمارت کو اپنے سامنے مہندم کرادیا۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے یہاں کچھ فاصلے پر، قبیلہ دوس کے بُت ذی الکفین کو بھی مسمار کرنے کا فیصلہ فرمایا، یہ قبیلہ دُوس کے امیر عمرو بن حمہ کا بُت کہلاتا ہے، جو لکڑی سے تراشا گیا ہے اور اس کی تزئین اور آرائش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی، آپؐ نے اسی قبیلہ کے جناب طفیلؓ ابن عمرو دوسی کو حکم دیا کہ ”جاکر اس کو تباہ کردو، اور اگر ضرورت پڑے تو اپنی قوم سے بھی مدد لے سکتے ہو۔“ مزید فرمایا کہ ”اس کام سے فارغ ہوکر، طائف میں ہم سے آن ملو۔“ یکا یک استاد صاحب نے آنکھیں کھول کر حیان کی طرف دیکھا۔ ”تم نے محسوس کیا بیٹا کہ آپؐ حالت جنگ میں ہیں، غزوہ درپیش ہے، دشمن کی طرف سفر فرما رہے ہیں لیکن کفر و شرک اور گمراہی کی علامتوں کو ہرگز نظر انداز نہیں کرتے، آپ کی ترجیحات میں ان کا خاتمہ اس لئے اولیت رکھتا ہے کہ مخالفین اسلام اچھی طرح سمجھ لیں کہ آپؐ شہروں اور علاقوں کو فتح کرنے نہیں نکلے، بلکہ آپؐ کی جنگ کفر و شرک کے خلاف ہے، آپؐ اللہ کے بندوں کو جھوٹے معبودوں کے سحر سے نکال کر، معبود حقیقی سے متعارف کرانا چاہتے ہیں، لہٰذا کوئی یہ نہ کہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو اپنی مہمات کے دوران کفر و شرک کی نشانیوں کو کیوں نظر انداز کردیا گیا؟ استاد صاحب نے اپنا جملہ مکمل کرکے حیان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”تمہیں کچھ یاد ہے کہ یہ جناب طفیلؓ ابن عمرو دوسی کس طرح ایمان لائے تھے؟“

”جی مجھے اتنا یاد ہے کہ قریش کے بہکانے پر انہوں نے طواف کعبہ سے پہلے کانوں میں روئی ٹھونس لی تھی کہ نبی علیہ السلام ان سے کوئی گفتگو فرمائیں تو یہ ان سے متاثر نہ ہونے پائیں۔“

”شاباش، یہ وہی طفیلؓ بن عمرو ہیں۔“ استاد صاحب خوش ہوکر بولے۔ ”میں چاہوں گا کہ اس موقع پر ان کا تذکرہ تازہ کرلیا جائے، تمہیں یاد ہوگا کہ کفار طرح طرح سے اس بات کی کوشش کرچکے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے اسلام، جس کو وہ نیا دین کہتے تھے، پیش نہ کریں، لیکن آپؐ ہزار جبر اور رکاوٹوں کے باوجود تبلیغ دین فرماتے رہے اور چونکہ آپؐ اس پیرائے میں دعوت اسلام دیتے کہ سننے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے اور اکثر ایمان لے آتے، اس طرح روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا تھا، اس خطرہ کے پیش نظر کفار مکہ کے اکابرین نے اپنے لوگوں کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ مکہ آنے والوں کو شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیتے کہ ہماری قوم میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگیا ہے کہ جو شخص بھی اس سے ملتا ہے وہ اسے اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے گمراہ کردیتا ہے اور آدمی اپنا آبائی مذہب ترک کرکے اس کا نیا دین اپنا کر صابی بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خاندانوں میں پھوٹ پڑ گئی ہے اور عقیدہ کی بنا پر بیٹا باپ سے اور بھائی بھائی سے باغی ہوگیا ہے۔ یہی بات ابوجہل نے قبیلہ دوس کے طفیل بن عمرو سے اس وقت کہی جب وہ اپنے کسی کام کے لئے مکہ میں داخل ہورہے تھے۔ چنانچہ وہ جب بھی طواف کعبہ کرتے، کانوں میں روئی ٹھونس لیتے کہ اگر کسی وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مخاطب ہوں تو وہ ان کی نعوذ باللہ ساحرانہ گفتگو سے محفوظ رہ سکیں کہ یہ سلسلہ کئی روز تک رہا، ایک روز جب وہ مسجد حرام میں آئے تو دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما رہے ہیں، انہوں نے آپ کو نظر انداز کرکے آگے جانا چاہا کہ یکا یک قدم رک گئے، نبی کریم جو قرآنی آیات تلاوت فرما رہے تھے، انہوں نے سن لی تھیں، طفیلؓ بن عمرو خود کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے سوچا، یہ میں کیا کرتا رہا کہ قریش کی بات مان لی، اور خود اپنی عقل استعمال نہیں کی جبکہ قریش کے بڑے رؤسا اور دیگر قبائل کے لوگ خود ان سے مشورے لیتے اور انہیں صائب الرائے سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ بلاتردد خدمت اقدس میں گئے اور نہ صرف خود ایمان لے آئے بلکہ واپس اپنے قبیلہ میں جاکر، گو انہیں بہت محنت و کوشش کرنی پڑی، اسلام کی تبلیغ کی اور کافی لوگوں کو مسلمان بنایا، حالانکہ اسلام لانے پر قریش نے انہیں بہت طعن طعن کیا اور جو عزت و وقار انہیں دیا کرتے تھے، حقارت و ذلت میں بدل دیا، لیکن انہوں نے ان باتوں کی کوئی پرواہ نہیں کی اور سچے جاں نثار رسول ہوئے اور آپؐ کے ساتھ بدر سے خیبر تک کئی غزوات میں شریک چلے آرہے ہیں اور اب یہ سعادت مل رہی ہے کہ رسول اللہ نے ذی الکفین بت کو مسمار کرنے کا کام آپ کو سونپا ہے۔ اس وقت ذی الکفین کے مقام پر پہنچ چکے ہیں، یہ جگہ اسی بت سے موسوم ہے۔ تو آؤ ہم دیکھتے ہیں کہ جناب طفیلؓ، بت شکنی کے عمل کو کس طرح انجام دیتے ہیں۔“ استاد صاحب یہ کہہ کر پھر ماضی میں چلے گئے۔ ”اللہ اللہ کیا منظر ہے کہ بت پرستوں کی اس بستی کے ایک باسی، خود اپنے ہاتھوں اور بغیر کسی مزاحمت، اس خوبصورت بت کو نذر آتش کررہے ہیں، اور جذبہ توحید سے اس قدر سرشار ہیں کہ شعر کی زبان میں نغمۂ توحید بلند کرتے جاتے ہیں۔

”اے ذی الکفین! میں تیرا بندہ نہیں ہوں، میری پیدائش تیرے تخلیق سے زیادہ قدیم و عظیم ہے، دیکھ! میں نے تیرے دل کو جلا کر خاکستر کردیا ہے۔“ چنانچہ، اپنے قبیلہ کی گمراہی اور مشرکانہ اس علامت کو جلا کر راکھ بنا چکے تو اپنی ہی قوم کے چار سو افراد کو اور دبابہ اور منجنیق ایسے آلات حرب جو ان کے پاس ہیں، لے کر طائف کی طرف روانہ ہوگئے۔

”مرحبا!“ حیان نے تحسین کی، استاد صاحب بدستور اپنے بیان میں گم ہیں۔ ”ہم دیکھ رہے ہیں کہ نبی کریمؐ مسلسل سفر کرتے ہوئے، اپنی مہم پر روانہ ہیں، طائف کے راستہ میں، ایک گاؤں پر سے گزر ہوتا ہے، یہ بہت خوشحال قریہ ہے، لوگ قلعہ نما مکانوں میں رہائش پذیر ہیں، نبی علیہ السلام اس فرمان کے ساتھ انہیں پیغام پہنچاتے ہیں کہ ”اسلام قبول کرلو، تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔“ لیکن اہل قریہ نے آپؐ کی دعوت کو یکسر مسترد کردیا۔ آپ نے دوبارہ پیغام دیا کہ ”اس صورت میں تم جزیہ دے کر حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری میں آجاؤ۔“ یہ بات بھی انہیں منظور نہیں، نہایت سرکشی کے ساتھ انکار کردیا، لیکن کچھ تردد اور ردوکد کے بعد، آخر اپنی قلعہ نما رہائش گاہوں سے اتر کر باہر آگئے، تاہم سرکشی اور کرخت طرز عمل کی سزا میں اور اس خیال سے کہ اسلام قوت عناصر کے یہ آلۂ کار بن سکتے ہیں، ان کے قلعوں کو تاراج کرادیا گیا، اور بہت سے مال و اسباب کو قبضہ میں لے لیا۔“ استاد صاحب ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد، دوبارہ بولے۔ اس منزل سے گزر کر آپ آگے تشریف لے گئے اور ایک مقام پر پہنچ کر دریافت فرمایا۔ ”کیا نام ہے اس راستے کا؟“ بتایا گیا۔ ”ضیقہ ہے“ یعنی دشوار گزار۔ فرمایا۔ ”یہ تو یسریٰ ہے۔“ یعنی سہل ہے۔ چنانچہ یہی راستہ اختیار کیا گیا اور سفر کرتے ہوئے آخر طائف تک آن پہنچے۔ یہاں دیکھتے ہیں کہ شہر کا دروازہ بند ہے۔ اہل طائف نے خود کو قلعہ بند کرلیا ہے۔ آپؐ نے ان کے مضبوط دفاعی انتظامات، اور عمدہ جنگی حکمت عملی کا جائزہ لیا اور لشکر کو اترنے اور شہر کے محاصرے کا حکم صادر فرمایا۔ لیکن مسلمان ابھی خیمہ زن نہیں ہونے پائے ہیں کہ اہل طائف سے صبر نہ ہوسکا اور جنگ کا آغاز کردیا۔ فصیل پر سے تیر اندازی کرنے لگے۔ اس سے کئی مسلمان شہید اور زخمی ہوگئے۔ اس کے باوجود رحمت عالم نے قلعہ والوں کو مفاہمت کا پیغام پہنچایا، جو مسترد کردیا گیا، اور جواب میں اور زیادہ تیر اندازی اور سنگ باری شروع

کردی۔ جواب میں مجاہدین نے بھی قدر اندازی کی، لیکن یہاں بھی غزوۂ حنین کی سی صورت حال ہے، بلندی سے ہونے والی تیر اندازی کے جواب میں نیچے سے کی جانے والی جوابی کارروائی موثر ثابت نہیں ہورہی۔"
استاد صاحب جب بھی اس طرح کا واقعہ بیان کرتے ہیں، حیان کی آنکھوں میں تشویش جھلکنے لگتی ہے۔ لیکن استاد صاحب فوراً ہی حوصلہ افزا انداز میں بولے۔ "اس کے باوجود مجاہدین کے حوصلے بلند ہیں، قلعہ کے اندر جانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، لیکن جب بھی قریب جانا چاہتے ہیں، فصیل پر سے ہونے والی تیر اندازی میں شدت پیدا ہوجاتی ہے، امیر لشکر اسلامی نے محاذ جنگ کا دوبارہ جائزہ لیا اور ہدایت فرمائی کہ "جگہ تبدیل کردی جائے۔" چنانچہ لشکر دوسرے مقام پر منتقل ہوگیا، خود آپ کا خیمہ بھی اسی نئی فرودگاہ میں نصب کردیا گیا، ازواج مطہرات میں سے حضرت سلمہؓ اور حضرت زینب بنت جحش آپ کے ہمراہ ہیں۔ دونوں بیبیوں کے خیموں کے درمیان کی جگہ نماز کے لئے مخصوص کی گئی ہے۔
"اس کا مطلب ہے استاد گرامی" حیان کی آواز میں تشویش اور استعجاب کی کیفیت ہے۔ "طائف والے جنگی معاملات میں خاصے منصوبہ ساز لگتے ہیں؟"
"ہاں بیٹا، ایک تو یہ بات ہے، دوسرے خود شہر طائف کو مضبوط فصیل نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، جس نے اہل شہر کو بیرونی حملوں سے بچا رکھا ہے۔ میں چاہوں گا اس شہر کے بارے میں، تمہیں تفصیل سے کچھ بتا سکوں۔"
"جی استاد محترم، شکریہ!" حیان کے انہماک میں اور اضافہ ہوگیا۔ استاد صاحب بیان کرنے لگے۔
"طائف کا جغرافیائی محل وقوع یہ ہے کہ یہ سطح سمندر سے کوئی دو ہزار ہاتھ کی بلندی پر، سلسلۂ کوہ سراۃ میں ایک سطح مرتفع پر واقع ہے، اس کے گرد مضبوط چہار دیواری تعمیر کی گئی ہے، اسی شہر پناہ کی وجہ سے لوگ اس کے پرانے نام وج کو بھلا کر اسے الطائف کہنے لگے ہیں، اس لئے کہ الطائف کا مطلب، احاطہ یا گھیرا ہے۔ قدیم سے روایت چلی آئی ہے کہ ایران کے کسی شہنشاہ نے جو کسریٰ کہلاتا تھا، وج کے ایک تاجر کو کسی بات پر خوش ہوکر انعام دینا چاہا، تو اس کی خواہش معلوم کی کہ اسے کیا دیا جائے؟ تاجر نے اپنی خواہش کے اظہار میں کہا کہ اس کے شہر کے گرد، اپنے ملک کی طرز پر چہار دیواری تعمیر کرادی جائے، چنانچہ کسریٰ نے اپنے ایک مہندس کو اس کے ساتھ کردیا، جس نے وج کے گرد سنگین دیوار تعمیر کرادی جس سے شہر کے لوگ بیرونی خطرات سے محفوظ ہوگئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مہندس ایرانی نہیں بلکہ یمنی تھا، ہوسکتا ہے کہ مہندس ایرانی ہو اور معمار یمنی ہوں۔" حیان ایک بار پھر استاد صاحب کی معلومات اور یادداشت پر حیران ہونے لگا، لیکن استاد صاحب اس کی سوچ اور حیرانی سے بے نیاز، سلسلۂ بیان جاری رکھے ہوئے ہیں۔ "طائف مکہ کے جنوب مشرق میں کوئی تین منزل کی مسافت پر واقع ہے، اور اگر عرفات اور وادیٔ نعمان کا پہاڑی راستہ اختیار کیا جائے تو ایک رات میں ہی پہنچا جاسکتا ہے۔ طائف شروع سے ہی بلکہ اب بھی، تم نے دیکھا ہوگا، بہت زرخیز علاقہ ہے زمین ثمر آور ہے، خصوصاً انگور کی پیداوار میں یہ بہت شہرت رکھتا ہے اور اس کی اکثر پیداوار مکہ کے بازاروں میں فروخت کی جاتی ہیں۔ باغات کثرت سے ہیں جنہیں قدرتی چشموں اور زیر زمین پانی کے سوتوں۔ جو کاریز کہلاتے ہیں، سیراب کیا جاتا ہے۔ تاہم قدیم وج، صرف بارش کے دنوں میں ہی آبدار نظر آتی ہے ورنہ خشک رہتی ہے، البتہ مجموعی طور پر پورا علاقہ سرسبز شاداب اور آب وہوا بہت خوشگوار ہے، اس لئے قریش کے اکثر رؤسا موسم گرما، یہاں قائم اپنے باغات اور زمینوں پر گزارتے ہیں۔ دیگر قبائل کے لوگ بھی ہیں لیکن قبیلہ ثقیف کا یہ خاص مرکز ہے، کہتے ہیں پہلے پہل

جو قبیلہ یہاں آکر آباد ہوا، وہ عامر بن ظرب تھا، ان کے علاوہ جو دوسرے قبائل آن بسے، وہ احلاف کہلائے، اور قبیلہ وار بنیاد پر ہی محلے اور بستیاں بسائی گئیں۔ جنہوں نے اپنے اپنے علاقے میں باغبانی اور زراعت کے انتظامات کئے، ظاہر ہے طائف اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے اطراف کے سب ہی لوگوں کے لئے دلچسپی کا باعث چلا آتا ہے، خصوصاً اہل قریش کے لئے اس میں بڑی دلکشی پائی جاتی ہے اور اہل طائف کے ساتھ ان کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے ہیں، بلکہ رشتہ داریاں بھی استوار کر رکھی ہیں۔" استاد صاحب ایک لمحہ وقفہ کیا اور بولے۔ فاب اس وقت کا جو طائف ہمارے سامنے اور ہمارا زیر موضوع ہے، اس کا رئیس اعظم عروہ بن مسعود ہے، یہ قریش کے اموی سردار، ابوسفیان بن حرب کا داماد ہے، لیکن بنو ثقیف کی یہ بدنصیبی ہے کہ قریش اور مسلمانوں کے ساتھ معرکہ آرائیوں میں شروع سے ہی یہ قریش کا ساتھ دیتے آئے ہیں اور یہاں اس بات کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ قبائلی امتیاز اور انفرادیت میں دیگر چیزوں کا جہاں دخل ہے، وہیں اپنے اپنے علاقے میں بتوں اور صنم کدوں کی تعمیر کے حوالے سے بھی طائف خود کفیل ہے۔ اہل طائف بھی ایک صنم خانہ رکھتے ہیں، اور اس میں جو بت ہے اس کا نام لاۃ ہے، یہی ان کا معبود ہے اور اس پر انہیں فخر ہے کہ ان کے ہاں بھی ایک دیوی موجود ہے، اور یہ اس معاملہ میں کسی سے کم نہیں۔"
"استغفر اللہ! گمراہی اور بے عقلی کی انتہا ہے۔"
حیان دور جاہلیت کی جہاں دیگر باتوں پر حیران ہے، وہیں جاہل عربوں کی صنم پرستی پر بھی اسے کم حیرانی نہیں، کیسے عجیب لوگ تھے کہ یوں تو عقل و دانش کی باتیں کرتے نہیں تھکتے، شعر گوئی میں طاق تھے، ایسے ایسے نادر خیالات، عمدہ تشبیہات اور خوبصورت استعارے اپنے شعروں میں پیش کرتے کہ سن کر ان کی ندرت خیالی پر آدمی عش عش کر اٹھتا، لیکن اللہ واحد کی بجائے، پتھروں اور درختوں کی پرستش کرتے وقت ان کی عقل جانے کہاں چلی جاتی تھی؟
"عزیز بیٹے، میں چاہتا ہوں کہ غزوۂ طائف کے واقعات کو منطقی نتیجہ تک پہنچادیا جائے، اس کے لئے قدرے آبنوشی ضروری ہے۔"
"جی استاد محترم!" لائق وسعادت مند شاگرد استاد کی خواہش پر فوراً مستعد ہوگیا، پانی کا پیالہ بھر کر استاد صاحب کو پلایا اور خود بھی مستفیض ہوا اور اب استاد عبدالرحمٰن، گویا تازہ دم ہوکر آگے کے واقعات بیان کرنے جارہے ہیں۔
"نبی کریم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں طائف میں آئے ہوئے آج چوتھا روز ہے، اس عرصہ میں آپ نے کئی بار کفار کو باہر آنے کا پیغام بھیجا، لیکن اہل طائف کی سرکشی میں کوئی فرق نہیں آیا، تاہم مسلمان ان کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں، لیکن قلعہ کی تسخیر کے فوری کوئی آثار نظر نہیں آتے۔"
"استاد گرامی! ہمارے نبی محترم کو کیسی زحمت اٹھانی پڑ رہی ہے۔"
"ہاں، ایک طرف تبلیغ دین کا فریضہ، دوسری طرف صحابہ کی تعلیم وتربیت کا کام، تیسری طرف اسلامی حکومت کے امور کی انجام دہی اور عام لوگوں کے معاملات و تنازعات کو دیکھنا، ادھر منافقین کی سازشوں پر بھی نظر رکھنا، مخالفین کا سامنا، دشمنان اسلام کی طاقت کا مقابلہ کرنا، کس کس محاذ پر نظر نہیں آتے آپ، اور اسلام ہو تو آپ پر، ہزار ہزار، لاکھ لاکھ بار......" حیان نے بھی ان کی آواز میں آواز ملادی۔ "صلوٰۃ وسلام علی رسول اللہ......" کچھ دیر خاموشی رہی تو حیان نے خیال کیا، استاد صاحب شاید آج کی مجلس برخاست کرنا چاہتے ہیں، لیکن ایسا نہیں، الحمدللہ وہ ابھی تازہ دم ہیں، مستعد آواز میں بولے۔
"ہم دیکھ سکتے ہیں کہ نبی علیہ السلام طائف کے محاذ پر نہایت ثابت قدمی کے ساتھ موجود ہیں، تاہم یہ بھی محسوس کیا جاسکتا ہے کہ قلعہ بند کفار کے مقابل مسلمانوں

کو جنگ میں دقت پیش آرہی ہے۔ جانی نقصان بھی ہورہا ہے، مجاہدین کی سرتوڑ کوشش ہے کہ کسی طرح قلعہ میں داخلہ کے لئے راستہ مل جائے، لیکن حفاظتی حصار اتنا مضبوط ہے کہ کوششیں بارآور ثابت نہیں ہورہیں، اسی اثنا میں طفیلؓ ابن عمرو دوسی اپنی مہم کی تکمیل کے بعد، طائف آتے ہیں اور خدمت اقدس میں حاضر ہوکر ذی الکفین کی تباہی کا حال بیان کرتے ہیں، اور اپنی قوم کے افراد اور اپنے ساتھ لائے ہوئے آلات حرب سے بھی آپ کو مطلع کرتے ہیں، ذی الکفین کی تباہی کی خبر سے آپ کے چہرے پر جو بشاشت نمایاں ہوئی ہے، آلات حرب کی آمد نے اس میں اور اضافہ کردیا ہے، دریافت فرماتے ہیں۔ ''اب تمہارا علم بردار کون ہوگا!'' جناب طفیلؓ دوسی نے عرض کی۔ ''وہی جو حالت کفر میں تھا۔'' ان کا اشارہ نعمان بن باذبہ کی طرف ہے۔ ارشاد ہوا۔ ''تم نے حق بات کہی۔'' اور حکم دیا کہ ''قلعہ شکن آلات استعمال کئے جائیں۔'' چنانچہ اس پر فوراً عمل درآمد کیا جانے لگا، جناب طفیلؓ بن عمرو کے آدمیوں نے منجنیق کے ذریعہ قلعہ پر سنگ باری شروع کردی۔ صحابہ کی دلیری کا یہ عالم ہے کہ منجنیق کے مسلسل استعمال سے آخر ایک روز فصیل میں شگاف پڑ گیا تو صحابہ اسی منجنیق پر بیٹھ کر دیوار کے سوراخ تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگے، لیکن عین موقع پر دشمن نے ان پر تیروں کی بارش کردی، کئی صحابہ ان کی زد میں آکر شہید ہوگئے۔'' حیان کا دل جیسے خوں ہوگیا۔ استاد صاحب کی آواز بھی ایسے موقع پر کمزور پڑ جاتی ہے۔ اور ایک روز یہ ہوتا ہے کہ فصیل کے قریب یہ مقام شدخہ تک کئی مجاہدین پہنچ گئے اور دشمنوں سے سخت لڑائی ہونے لگی۔ مجاہدین گائے کی کھال سے تیار کردہ ایک دبابے کو دھکیلتے ہوئے فصیل شہر تک لے آتے ہیں، وہ اس میں چھپ کر، چاہتے ہیں کہ دیوار کے قریب پہنچ کر اس میں شگاف ڈال دیں، لیکن قلعہ کے اوپر سے، لوہے کی دہکتی ہوئی سلاخیں دبابہ پر پھینکی گئیں جس سے کھال جل کر

پھٹ گئی اور اندر اس کے بیٹھے ہوئے مجاہدین اس سے جیسے ہی باہر آئے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کردی، اس طرح انہیں کافی نقصان اٹھانا پڑا ہے، ایک بار یہ کہ مجاہدین ایک خندق کھودنے میں کامیاب ہوگئے اس کے ذریعہ فصیل شہر تک پہنچ سکیں، لیکن وہاں تیروں کی بے تحاشا بارش نے انہیں کامیاب نہیں دیا، اس طرح یہ تجربے مسلسل ناکام ہوگئے تو سالار نے عسکری ضرورت کے تحت حکم فرمایا کہ آس پاس باغات اور زرعی قطعات کو تاراج کردیا جائے، اس لئے آپؐ نے ہر مجاہد کو اتنے اتنے پھل دار درخت اور کی بیلوں کی قطعہ و برید کی مقدار مقرر فرمادی کہ اس ذمہ داری ان پر لازم ہے، چنانچہ جیسے ہی دشمن نے قلعہ میں سے اپنے زرعی اثاثوں کو برباد ہوتے دیکھا پریشان ہوگئے اور مسلمانوں سے اللہ کے نام پر قرابت داری کا واسطہ دے کر رحم کی درخواست کرنے لگے۔ یہ مطالبہ ثقیف کی طرف سے طائف کے رئیس اعظم اسود بن مسعود نے کیا، اس قرابت داری کا حوالہ انہوں نے اس لئے دیا ہے کہ اس کی بیوی آمنہ ابوسفیان کی بیٹی ہے۔ چنانچہ نبی رحمت عالمؐ نے اللہ کا واسطہ سنتے ہی ان کی رحم کی درخواست قبول فرمالی اور درخت اور بیلوں کی بربادی سے ہاتھ روکنے کا حکم فرمادیا۔ اور مخالفین کو مخاطب کرکے فرمایا۔ ''لاریب، میں اللہ کے واسطے درختوں کو تم پر رحم کرتے ہوئے چھوڑ رہا ہوں۔''

''سبحان اللہ!'' حیان بڑی دیر سے خاموش آخر رحمت عالم کی کرم فرمائی دیکھ کر تحسین کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ''لیکن اس انداز کریمانہ کے باوجود بھی یہ لوگ آپ کے احسان مند نہیں ہوئے اور شرارت کرتے رہے؟''

''بیٹا، رسول محترم تو سراپا رحمت ہیں، دیکھو، مزید اعلان فرماتے ہیں۔'' استاد صاحب کہنے لگے۔ ''آپ نے عام اعلان فرمادیا کہ جو غلام ہمارے پاس آجائے ہم اسے آزاد کردیں گے۔'' غلامی سے بڑھ کر اور کیا ذلت ہوسکتی ہے، جیسے ہی یہ مژدۂ جاں فزا کان میں پڑا، کوئی بیس سے زیادہ غلام کسی نہ کسی طرح اپنے ظالم آقاؤں کے نرغہ سے نکل کر مسلمانوں کے پاس آگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک ایک مجاہد کے سپرد کردیا۔ ''فرمایا، ان کی مہمانی تمہارے ذمہ ہے۔'' بنوثقیف کے ایک سردار حارث ابن کلدہ نے دیکھا کہ ان کے ہاں سے غلام بھاگ کر پیغمبر اسلام کے پاس چلے گئے ہیں اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے تو بہت جھنجھلایا اور وہ اور اس کی قوم کے کچھ دوسرے افراد اپنے غلاموں کی واپسی کا مطالبہ کرنے لگے، لیکن آپؐ نے اسے رد کردیا اور فرمایا۔ ''یہ اللہ کی طرف سے آزاد کردہ لوگ ہیں۔''

''ظاہر ہے، ہمارے نبی محترم تو غلاموں اور کمزوروں کے حامی و مددگار ہیں، آپ کس طرح ان زیر دستوں کو، زبردستوں کے حوالے کرسکتے ہیں؟''

''ماشاءاللہ!'' استاد صاحب اپنے شاگرد کے انداز تبصرہ پر خوش ہوگئے۔ اس دوران میں یہ بھی ہوا کہ وہ قبائل جو شہر کے مضافات میں رہتے ہیں، ان میں سے اکثر افراد اسلام لے آئے، لیکن قلعہ میں محصور ثقیف و ہوازن کے سرکش اور جنگجو مسلسل، پیغمبر اسلام کی مصالحتی پیش کش کا جواب جارحانہ انداز میں دے رہے ہیں اور جنگ پر آمادہ ہیں، اسی اثنا میں عینیہ بن معن نام کا ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور عرض کی۔ ''آپ مجھے اجازت دیں تو میں ان سے جاکر گفتگو کرتا ہوں، ممکن ہے وہ راہ راست پر آجائیں۔'' رحمت عالمؐ نے اس کی درخواست قبول کی، وہ اندر قلعہ میں گیا اور وہاں جاکر الٹا انہیں شہ دینے لگا۔ بولا۔ ''مجھے قسم ہے اپنے باپ کی، تم لوگ مضبوطی سے اپنی جگہ ڈٹے رہو، اگر تم نے صورت حال کا صحیح اندازہ کرلیا تو سارا عرب تمہاری ملکیت میں آجائے گا، لہٰذا تم اسی طرح قلعہ میں بیٹھے رہو، یہ لوگ تمہیں اپنے ہی ہاتھوں سب کچھ دے دیں گے، تمہارا ایک درخت بھی نہیں کاٹا جائے گا۔''

''لاحول ولاقوۃ'' حیان غصے میں بل کھانے لگا۔

''کون تھا یہ؟ اس نے کیوں ایسی کھلی بے ایمانی کی؟''

''بیٹا حق و باطل کی کشمکش ساتھ ساتھ چلی آرہی ہے۔ لیکن شیطان کتنا ہی دام فریب بچھائے، حق کو شکار نہیں کرسکتا۔ اور جب اللہ اپنے رسول کے ساتھ ہے، تو پھر کیوں کر کوئی آپ کو دھوکا دینے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔'' استاد صاحب نے یقین اور وثوق سے بھری ہوئی آواز میں کہا۔ ''اب تم دیکھو کہ یہ شخص اپنا مکر چھپائے قلعہ سے نکل کر رسول صادق کی بارگاہ میں آیا ہے۔ آپؐ دریافت فرماتے ہیں۔

''اے عینیہ تم نے ان سے کیا کہا؟''

''میں نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔'' عینیہ اپنے پہلے جھوٹ پر پردہ ڈالتے ہوئے دوسرا جھوٹ بولنے لگا۔ ''انہیں جہنم کا خوف دلایا، اور حق کی طرف بلایا۔'' جب وہ اپنی بات ختم کرچکا تو مخبر صادق نے پُر وثوق لہجہ میں فرمایا۔

''تم نے صحیح نہیں کہا، بلکہ تم نے ان سے، جو کچھ کہا، وہ یہ ہے۔'' آپؐ نے وہ سارے الفاظ دہرادیئے جو اس نے قلعہ میں جاکر کہے تھے۔ عینیہ کو حیران ہونے کی بھی مہلت نہ مل سکی۔ بے اختیار آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور بولا۔ ''بے شک آپ اللہ کے برحق نبی ہیں۔ مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے، میں اللہ سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہتا ہوں۔''

''سبحان اللہ، خوش نصیب ہے یہ شخص، تباہ ہونے سے بچ گیا۔'' حیان نے مطمئن لہجے میں کہا اور استاد صاحب اس طرح کہنے لگے جیسے ان پر تکان غالب آرہی ہے۔

''محاصرہ طویل ہوتا جارہا ہے، قلعہ میں موجود ہزاروں ثقفی، ہوازنی اور ان کے حلیف باہر آنے پر کسی طور تیار نہیں اور مسلمانوں کو راستہ نہیں مل رہا کہ وہ سرکشوں کو سبق سکھا سکیں، دراصل کفار کی سرکشی کا سبب یہ ہے بیٹا کہ ان کا دفاعی حصار بہت مضبوط ہے اور اس کو وہ ناقابل تسخیر سمجھتے ہیں۔ معلوم ہوا پورے سال کا سامان،

خوردونوش ذخیرہ کر رکھا ہے، جاں بازوں کی بھی کمی نہیں، کچھ ایسے نئے ہتھیار بھی بنا لئے ہیں، جو ابھی دیکھے نہیں گئے کہ وقت پڑنے پر استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ نبی علیہ السلام بار بار انہیں پیغام بھیج رہے ہیں کہ باہر آؤ تاکہ امن وصلح کی گفتگو کی جائے، لیکن آج دس روز سے زیادہ گزر چکے ہیں، کوئی مثبت جواب ادھر سے نہیں آرہا، ظاہر ہے مجاہدین بھی روز مقابلہ کے لئے نکلتے ہیں، لیکن مقابلہ کریں تو کس سے، دشمن بزدلانہ کارروائی کر رہا ہے، دور ہی دور سے وار کرتا ہے اور چھپ جاتا ہے، پھر بھی اسلام کے شیدائی، رسول اللہ کے جاں نثار، جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمن کو للکار رہے ہیں، کئی صحابہ نے جام شہادت نوش کر چکے ہیں، تو کئی کافروں کو بھی اللہ کے شیروں نے جہنم رسید کیا ہے۔" استاد صاحب نے ایک بار پھر معظر بانہ انداز میں پہلو بدلا اور بولے۔ "اہل طائف اور ہوازن کی شکست خوردہ فوج نے قلعہ بندی سخت کی ہوئی ہے، ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود باہر نکل کر مسلمانوں سے مقابلہ کی ہمت نہیں کر پا رہے، قلعہ کے اندر سامان خوردونوش وافر مقدار میں موجود ہے، تاہم قلعہ بندی کے باوجود محصورین، خصوصاً ثقیف مسلمانوں سے خوفزدہ نظر آرہے ہیں جبکہ نبی اکرم کی خواہش ہے کہ زیادہ خون خرابہ نہ ہو اور قلعہ والے سرکشی ختم کردیں اور ہتھیار ڈال دیں، چنانچہ آپؐ نے ان سے پُرامن مذاکرات کے لئے ابوسفیان ابن حرب اور شعبہ بن مغیرہ کو منتخب فرمایا اور ان کی طرف بھیجا۔ ان حضرات نے ان سے جان کی امان طلب کی اور کہا کہ قریش کی چند خواتین کو بطور ضمانت باہر بھیج دیں، لیکن عورتوں نے باہر آنے سے صاف انکار کردیا، ان میں ابوسفیان کی بیٹی آمنہ بھی شامل ہے، جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے، آمنہ ثقیف کے عروہ بن مسعود کی زوجہ ہے۔ ابوسفیان اور شعبہ بن مغیرہ نے اہل ثقیف سے کہا۔ "اچھا دروازہ کھول دیا جائے، تاکہ وہ ان کے پاس آسکیں۔" لیکن اس بار عروہ کے بھائی اسود بن مسعود نے جواب میں کہا کہ جس مقصد کے لئے تم یہاں آئے ہو، اس سے بہتر راستہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مسلمان جس مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں، وہاں ہماری ایک جائیداد ہے کہ اس سے بہتر اور قیمتی پورے طائف میں کہیں نہیں، اس کو اگر مسلمانوں نے تباہ کردی تو اس کا آباد ہونا مشکل ہوگا، تو کیا یہ بہتر نہیں کہ وہ خود اس کو لے لیں یا اسے اللہ کے نام پر چھوڑ دیں۔"

"کیا مطلب استاد گرامی! میں سمجھا نہیں، کیا مقصد ہے اس بات کا؟" حیان نے سوال کیا اور استاد صاحب بتانے لگے۔

"رئیس طائف دراصل کہنا یہ چاہتا ہے کہ ان قیمتی زرعی قطعات اور باغات کو اجاڑنے اور برباد کرنے کی بجائے مسلمان خود انہیں اپنی ملک میں لے لیں اور محاصرہ ختم کردیں، لیکن رسول اللہ نے اس پیشکش کو سختی سے ٹھکرادیا، ظاہر ہے آپ کا مقصد ملک گیری اور جائیداد و مال وزر کا حصول نہیں، بلکہ ان غزوات کا مقصد باطل کا قلع قمع کرنا اور حق کو سربلند کرنا ہے اور وہ بھی پرامن اور شائستہ طریقہ پر، رہی یہ جنگ وجدل تو حق مخالف طاقتوں نے ہی آپ کو میدان کارزار میں آنے پر مجبور کیا ہے۔ اس طرح گفت وشنید کی کوششیں یکسر ناکام ہوگئیں۔" یہ کہہ کر استاد صاحب خاموش ہوگئے۔ حیان بعض مرتبہ تو سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ استاد محترم، اس دلچسپی، روانی اور مستقل مزاجی کے ساتھ واقعات تاریخ اسلام بیان کرتے ہیں تو لگتا ہے جیسے وہ کوئی سبق دہرا رہے ہیں، اور اس تسلسل اور جزئیات کے ساتھ اس بیان کا جاری رکھنا صرف اس کے لئے نہیں بلکہ ان واقعات کو بیان کرکے جیسے استاد محترم خود اپنے آپ کو سناتے ہیں، ورنہ اس ذوق وشوق کے ساتھ کون استاد ہے جو اپنے شاگرد کے لئے اتنی زحمت اٹھاتا ہے۔ اس نے ان کی طرف دیکھا، عالمانہ جاہ وجلال کے ساتھ چہرے پر محبت وشفقت کا نور، نظروں کو اپنی طرف مائل کر رہا ہے۔ چشم دید گواہ کی طرح بولے۔

"اس وقت ہمارے سامنے جو منظر ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر ادا کرنے کے بعد، صحابہ کے درمیان اپنا ایک خواب بیان فرمارہے ہیں۔ "مکھن سے بھرا ہوا ایک برتن، مجھے پیش کیا گیا، لیکن اس وقت ایک مرغ نے آکر اس میں چونچ ماری اور برتن کو گرادیا، اور سارا مکھن ضائع ہوگیا۔"

"جناب صدیق اکبر حاضر خدمت ہیں، خواب سن کر عرض کی، خواب سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ طائف اس بار فتح نہ ہوسکے گا۔" صدیق کی تائید میں رسول صادق نے فرمایا، یہی ہوگا جس طرح تم کہتے ہو!"

"اللہ اکبر! کیا شان صدیقی ہے۔" حیان اپنے رسولؐ کے صحابہ کی تعریف سنتا ہے تو خوشی سے جھوم اٹھتا ہے، بلاشبہ یہ ایمان کی دلیل ہے۔ اللہ اور رسول سے محبت کا تقاضا ہے کہ آپؐ کے جاں نثاروں اور قدم قدم آپ کے ساتھ رہنے والے صحابہ سے ایسی ہی محبت کی جائے، جیسی کہ خود رسول اللہ ان کو چاہتے تھے۔

"اب ہم غزوۂ طائف کے آخری مراحل کی طرف آرہے ہیں۔" استاد صاحب نے کہا۔ "دیکھو، قبیلہ ثقیف کا ایک بااثر شخص ابو مجن قلعہ کی دیوار پر آتا ہے اور مسلمانوں کو مخاطب کرکے کہنے لگا۔

"اے بندگان محمدؐ! محاصرہ اٹھالو، اس سے تمہیں فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔" حضرت عمرؓ نے سنا تو جواب میں کہا۔ "واللہ ہم محاصرہ کئے رکھیں گے، یہاں تک کہ تمہاری خوراک ختم ہوجائے گی اور ہم تمہیں رسد نہیں پہنچنے دیں گے، اور یہ کہ ہم درختوں کو کاٹ کر ویران کردیں گے۔"

"تو کیا ہوا، ہم اور درخت اگالیں گے۔"

"لیکن کیسے! ہم تمہیں باہر ہی کب آنے دیں گے۔" حضرت عمرؓ نے ایک بار پھر مجن کو جواب دیا۔ "تم اسی طرح بھوکے مرجاؤ گے!"

حضرت صدیق اکبر نے سنا تو جناب فاروق اعظم کو ٹوکا۔ "ایسا مت کہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سال فتح کی اجازت نہیں!" حضرت عمرؓ، خاموش ہوکر جناب صدیق کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے رہ گئے۔

استاد صاحب ایک اور منظر پیش کرنے لگے۔

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ کے اندر تشریف رکھتے ہیں کہ صحابیہ حضرت خویلدؓ بنت حکیم جو حضرت عثمانؓ بن مظعون کی زوجہ ہیں، آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، کہ عرض کرتی ہیں۔ "یارسول اللہ جب آپؐ طائف کو فتح کرلیں تو غیلان بن سلمہ کی بیٹی یا نائلہ بنت عقیل کا زیور مجھے ضرور عطا فرمائیے گا۔"

دراصل یہ دونوں خواتین جن کا حضرت خویلد نے نام لیا ہے، اس حوالے سے خاصی مشہور ہیں کہ جتنا زیور ان کے پاس ہے طائف میں کسی اور خاتون اتنا زیور نہیں رکھتی۔ حضور نبی کریمؐ نے فرمایا۔ "اے خویلد! میں ان کے زیورات کس طرح تمہیں دے سکتا ہوں جبکہ اس سال بارگاہ الٰہی سے مجھے فتح طائف کا اذن نہیں ملا۔" چنانچہ جب حضرت خویلدؓ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور نبی کریمؐ نے جو کچھ فرمایا ہے، انہیں آگاہ کیا تو جناب عمرؓ فوراً بارگاہ نبوی میں حاضری ہوئے اور عرض کیا۔ "یارسول اللہ! خویلد نے آپؐ سے منسوب کرکے کہا ہے کہ اس موقع پر طائف فتح نہ ہوگا تو کیا یہ درست ہے؟" آپ نے فرمایا۔

"بے شک، حکم ابھی یہی ہے۔" جناب عمرؓ عرض کرتے ہیں۔ "یارسول اللہ اگر ایسا ہے تو کیا میں لشکر میں منادی کرادوں کہ محاصرہ ختم کردیا جائے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ہاں، اعلان کرادو۔"

لیکن ابھی حضرت عمرؓ اعلان نہیں کرانے پائے ہیں کہ صحابیٔ رسول حضرت نوفلؓ بن معاویہ خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں۔

"یارسول اللہ! اہل طائف لومڑی کی طرح ہیں، اس وقت لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے، اگر کوشش جاری رکھی تو پکڑ لی جائے گی اور چھوڑ دی جائے تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔" رسول اللہ اپنے رب کی طرف سے اشارہ پاکر، فیصلہ تو

پہلے ہی فرما چکے ہیں، جناب نوفل کے مشورے کے بعد، آپ نے محاصرہ ختم کرنے کا باقاعدہ اعلان فرمادیا۔ دراصل بیٹا! یہاں ایک بات نہایت اہم ہے جو سمجھنے کی ہے۔" یکا یک استاد صاحب حیان کو مخاطب کرکے بولے۔

"وہ یہ کہ حنین کے موقع پر ہوازن کا زور پوری طرح ٹوٹ گیا تھا، جبکہ بنی ثقیف طائف میں قلعہ بند ہوکر مسلمانوں سے سخت معرکہ آرائی کا ارادہ رکھتے ہیں، لیکن بیس روزہ محاصرے کے دوران ان کی ہمت جواب دینے لگی اور سرکشی میں کمی آگئی ہے اور اس طرح ان کی طرف سے ضرر رسانی کا خدشہ دور ہوگیا ہے تو آپ نے سمجھ لیا کہ اہل طائف اب مسلمانوں کو آنکھیں نہیں دکھا سکیں گے، لہٰذا فی الحال جنگ کرنے کا جواز نہیں رہا، اس سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ کی پیش قدمی کا مقصد، کشور کشائی اور مال غنیمت کا حصول نہیں بلکہ شر کو رفع کرنا ہے، ورنہ طائف سونے کی چڑیا ہے، آپ کچھ روز اور قیام فرماتے تو بنی ثقیف کے لوگ مجبور ہوکر آپ سے صلح پر تیار ہوجاتے اور آپ محاصرہ اٹھانے کے لئے جو شرائط بھی رکھتے انہیں ماننا پڑتا، ان میں مال و دولت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ تم سن چکے ہو، انہوں نے دبے لفظوں میں زمین و جائیداد کی پیشکش کرنی شروع کردی تھی۔"

"جی ہاں ابوسفیان اور دوسرے صاحب سے انہوں نے یہی کہا تھا۔"

"حالانکہ ساری دنیا اور خصوصاً عرب کے معاشرے میں جنگ کے نتیجے میں حاصل ہونے والے دشمن کے مال و اسباب پر قبضہ کرنا جائز سمجھا جاتا رہا ہے، اسلام میں بھی مال غنیمت کو حلال قرار دیا گیا ہے، تو اسلامی لشکر میں یقیناً اس طرح کے کچھ افراد بھی ہوں گے جو اس طرح کا خیال اپنے دل میں رکھتے ہوں گے کہ طائف سے انہیں خالی ہاتھ جانا ہورہا ہے، تاہم اکثریت جذبۂ جہاد سے سرشار ہے اور وہ فتح یا موت پر یقین رکھتی ہے۔ چنانچہ محاصرہ اٹھانے کا اعلان کیا گیا تو فتح کے بغیر واپسی نے انہیں ملول کردیا۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ تو ناپسندیدگی زبان تک لے آئے۔ جس کی بازگشت آپ علیہ السلام تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا۔ "ٹھیک ہے، کل صبح جنگ کرو" یعنی زور آزمائی کرنا چاہتے ہو تو یہ حسرت پوری کردیکھو۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی مجاہدین نے دشمن کو للکارا اور جب معرکہ سرگرم ہوا اور بہت سے زخمی ہوئے تو سب نے جلدی جلدی کوچ کی تیاری شروع کردی، یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔"

یہ کہتے وقت خود استاد صاحب بھی مسکرانے لگے۔ حیان کیونکر سنت رسولؐ سے محروم رہ سکتا ہے۔

"اللہ اللہ، محسن انسانیت کی کس کس ادا کا ذکر کیا جائے۔" استاد صاحب نے گویا جھومتے ہوئے کہا۔ "اب دیکھو کوچ کی تیاری ہوچکی ہے کہ جناب عمرؓ عرض کرتے ہیں۔

"یارسول اللہ بنو ثقیف کے لئے بددعا فرمایئے! کہ یہ ہلاک ہوں۔" غالباً حضرت عمرؓ نے یہ گزارش اس لئے کی ہے کہ طائف میں اہل ثقیف کے ہاتھوں آپ کو ستانا انہیں یاد آرہا ہے، لیکن آپ رحمت عالم ہیں، آپ کی شان کریمی کا کیا ٹھکانا، عفو و درگزر، امن و محبت اور انسانیت سے پیار گویا محمد عربی کی تخصیص و شناخت ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ "اے عمر، دعائے بد کی بجائے، ان کے حق میں دعائے خیر کیوں نہ کروں تاکہ اللہ انہیں مشرف بہ اسلام فرمادے۔"

اور تاریخ انسانی نے اس سے قبل یہ منظر کب دیکھا ہے کہ محاذ جنگ سے لوٹتے وقت، اپنے ہی مخالفین اور متحارب گروہ کے حق میں کوئی دعائے خیر کررہا ہو، طائف کو الوداع کہنے سے قبل، دست مبارک دعائے کے لئے اٹھتے ہیں عرض کرتے ہیں۔ "الٰہ العالمین! بنی ثقیف کے لوگوں کو ہدایت فرما اور انہیں اسلام کی دولت سے مالا مال کردے۔"

............(جاری ہے)............



ذی الحجہ کے فضائل و احکام

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی

عبادات میں ترتیب:......ذی الحجہ کے یہ دس دن جو یکم ذی الحجہ سے ۱۰/ ذی الحجہ تک ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایک عجیب خصوصیت اور فضیلت بخشی ہے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ فضیلت کا یہ سلسلہ رمضان المبارک سے شروع ہورہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبادتوں کے درمیان عجیب وغریب ترتیب رکھی ہے کہ سب سے پہلے رمضان لائے اور اس میں روزے فرض فرمادیے، اور پھر رمضان المبارک ختم ہونے پر فوراً اگلے دن سے حج کی عبادت کی تمہید شروع ہوگئی، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج کے تین مہینے ہیں، شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ۔ اگرچہ حج کے مخصوص ارکان تو ذی الحجہ ہی میں ادا ہوتے ہیں، لیکن حج کے لئے احرام باندھنا شوال سے جائز اور مستحب ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص حج کو جانا چاہے۔ تو اس کے لئے شوال کی پہلی تاریخ سے حج کا احرام باندھ کر نکلنا جائز ہے، اس تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں۔ پہلے زمانے میں حج پر جانے کے لئے کافی وقت لگتا تھا، اور بعض اوقات دو دو تین تین مہینے وہاں پہنچنے پر لگ جاتے تھے، اس لئے شوال کا مہینہ آتے ہی لوگ سفر کی تیاری شروع کردیتے تھے۔ گویا کہ روزے کی عبادت ختم ہوتے ہی حج کی عبادت شروع ہوگئی اور پھر حج کی عبادت اس پہلے عشرہ میں انجام پاجاتی ہے۔ اس لئے کہ حج کا سب سے بڑا رکن جو "وقوف عرفہ" ہے۔ ۹ ذی الحجہ کو انجام پاجاتا ہے۔

"قربانی" شکر کا نذرانہ ہے:......اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے پورے کرنے کی اور حج کے ارکان پورے کرنے کی توفیق عطا فرمادی اور یہ دو عظیم الشان عبادتیں تکمیل کو پہنچ گئیں۔ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ضروری کردیا کہ مسلمان ان عبادتوں کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کریں، جس کا نام "قربانی" ہے۔ لہٰذا ۱۰، ۱۱، ۱۲ تاریخ کو اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے ہمیں یہ دو عظیم عبادتیں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیدالفطر کو اس وقت رکھا جب روزے کی عبادت کی تکمیل ہورہی تھی اور عیدالاضحیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رکھا جب حج کی عظیم الشان عبادت کی تکمیل ہورہی ہے۔ لیکن اس میں حکم یہ دیا کہ عیدالفطر میں خوشی کا آغاز صدقۃ الفطر سے کرو اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر

خوشی کا آغاز اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کر کے کرو۔

دس راتوں کی قسم:...... یہ عشرہ ذی الحجہ جو یکم ذی الحجہ سے شروع ہوگا، اور دس ذی الحجہ پر جس کی انتہا ہوگی، یہ سال کے بارہ مہینوں میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور پارہ عم میں یہ جو سورۃ فجر کی ابتدائی آیات ہیں: ''والفجر ولیال عشر'' اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے، اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں، لیکن کسی چیز پر اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا اس چیز کی عزت اور حرمت پر دلالت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ فجر میں جن راتوں کی قسم کھائی ہے اس کے بارے میں مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ اس سے ان دس راتوں کی عزت، عظمت اور حرمت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

دس ایام کی فضیلت:...... خود نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ارشاد میں واضح طور پر ان دس ایام کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کو عبادت کے اعمال کسی دوسرے دن میں اتنے محبوب نہیں ہیں جتنے ان دس دنوں میں محبوب ہیں، خواہ وہ عبادت نفلی نماز ہو، ذکر یا تسبیح ہو، یا صدقہ خیرات ہو'' (صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی ایام التشریق، حدیث نمبر ۹۶۹) اور ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ ''اگر کوئی شخص ان ایام میں سے کسی دن روزہ رکھے تو ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے، یعنی ایک روزے کا ثواب بڑھا کر ایک سال کے روزوں کے ثواب کے برابر کر دیا جاتا ہے اور فرمایا کہ ان دس راتوں میں ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے، یعنی اگر ان راتوں میں سے کسی بھی ایک رات میں عبادت کی توفیق ہوگئی تو گویا اس کو لیلۃ القدر میں عبادت کی توفیق ہوگئی۔ اس عشرہ ذی الحجہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنا بڑا درجہ عطا فرمایا ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب الصوم باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر، حدیث نمبر ۷۵۸)

ان ایام کی دو خاص عبادتیں:...... اور ان ایام کی اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوگی کہ وہ عبادتیں جو سال بھر کے دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جاسکتیں ان کی انجام دہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہی دس دنوں کو منتخب فرمایا ہے، مثلاً حج ایک ایسی عبادت ہے جو ان ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جاسکتی۔ دوسری عبادتوں کا یہ حال ہے کہ انسان فرائض کے علاوہ جب چاہے نفلی عبادت کرسکتا ہے، مثلاً نماز پانچ وقت کی فرض ہے لیکن ان کے علاوہ جب چاہے نفلی نماز پڑھنے کی اجازت ہے، رمضان میں روزہ فرض ہے لیکن نفلی روزہ جب چاہے رکھیں۔ زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے، لیکن نفلی صدقہ جب چاہے ادا کردے، لیکن دو عبادتیں ایسی ہیں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر فرمادیا ہے۔ ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں اگر ان عبادتوں کو کیا جائے گا تو وہ عبادت ہی شمار نہیں ہوگی۔ ان میں سے ایک عبادت حج ہے۔ حج کے ارکان مثلاً عرفات میں جا کر ٹھہرنا، مزدلفہ میں رات گزارنا، جمرات کی رمی کرنا وغیرہ یہ ارکان و اعمال ایسے ہیں کہ اگر انہی ایام میں انجام دیا جائے تو عبادت ہے ان کے علاوہ دوسرے دنوں میں اگر کوئی شخص عرفات میں دس دن ٹھہرے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔ حج جیسی اہم عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان ہی ایام کو مقرر فرمادیا کہ اگر بیت اللہ کا حج ان ایام میں انجام دوگے تو عبادت ہوگی اور اس پر ثواب ملے گا۔

دوسری عبادت قربانی ہے۔ قربانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ کے تین دن یعنی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ مقرر فرمادیے ہیں۔ ان ایام کے علاوہ اگر کوئی شخص قربانی کی عبادت کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔ البتہ اگر کوئی شخص صدقہ کرنا چاہے تو بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت صدقہ کرسکتا ہے، لیکن یہ قربانی کی عبادت ان

تین دنوں کے سوا کسی اور دن میں انجام نہیں پاسکتی۔ لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس زمانے کو یہ امتیاز بخشا ہے۔ اسی وجہ سے علماء کرام نے ان احادیث کی روشنی میں یہ لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے ایام عشرہ ذی الحجہ کے ایام ہیں، ان میں عبادتوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان ایام میں اپنی خصوصی رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ لیکن کچھ اور اعمال خاص طور پر ان ایام میں مقرر کردیئے گئے ہیں۔ ان کا بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بال اور ناخن نہ کاٹنے کا حکم:...... ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی جو حکم سب سے پہلے ہماری طرف متوجہ ہوجاتا ہے، وہ ایک عجیب و غریب حکم ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کسی کو قربانی کرنی ہو تو جس وقت وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھے اس کے بعد اس کے لئے بال کاٹنا اور ناخن کاٹنا درست نہیں۔ چونکہ یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، اس واسطے اس عمل کو مستحب قرار دیا گیا ہے کہ آدمی اپنے ناخن اور بال اس وقت تک نہ کاٹے جب تک قربانی نہ کرلے۔ (ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، باب من اراد ان یضحی فلایاخذ فی العشر من شعرہ والظفارہ۔ حدیث نمبر ۳۱۸۷)

ان کے ساتھ تھوڑی سے شباہت اختیار کرلو:......

بظاہر یہ حکم بڑا عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے کہ چاند دیکھ کر بال اور ناخن کاٹنے سے منع کردیا گیا ہے۔ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ان ایام میں اللہ تعالیٰ نے حج کی عظیم الشان عبادت مقرر فرمائی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد الحمدللہ ہر سال اس عبادت سے بہرہ اندوز ہورہی ہے۔ ان ایام وہاں یہ حال ہوتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کے اندر ایک ایسا مقناطیس لگا ہوا ہے۔ جو چاروں طرف سے فرزندانِ توحید کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے، ہر لمحے ہزاروں افراد اطراف عالم سے وہاں پہنچ رہے ہیں اور بیت اللہ کے ارد گرد جمع ہورہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حج بیت اللہ کی ادائیگی کی یہ سعادت بخشی ہے۔ ان حضرات کے لئے یہ حکم ہے کہ جب وہ بیت اللہ شریف کی طرف جائیں تو وہ بیت اللہ کی وردی یعنی احرام پہن کر جائیں، پھر احرام کے اندر شریعت نے بہت سی پابندیاں عائد کردیں، مثلاً یہ کہ سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے، خوشبو نہیں لگاسکتے، منہ نہیں ڈھانپ سکتے، وغیرہ ان میں سے ایک پابندی یہ ہے کہ بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اور ان لوگوں پر جو بیت اللہ کے پاس حاضر نہیں ہیں اور حج بیت اللہ کی عبادت میں شریک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کرم کو متوجہ فرمانے اور ان کی رحمت کا مورد بنانے کے لئے یہ فرمادیا کہ ان حجاج بیت اللہ کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت اختیار کرلو۔ تھوڑی سی ان کی شباہت اپنے اندر پیدا کرلو اور جس طرح وہ بال نہیں کاٹ رہے ہیں، تم بھی مت کاٹو، جس طرح وہ ناخن نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی مت کاٹو۔ یہ ان اللہ کے بندوں کے ساتھ شباہت پیدا کردی جو اس وقت حج بیت اللہ کی عظیم سعادت سے بہرہ اندوز ہورہے ہیں۔

اللہ کی رحمت بہانیں ڈھونڈتی ہے:...... ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں بہانے ڈھونڈتی ہیں۔ جب ہمیں یہ حکم دیا کہ ان کی مشابہت اختیار کرلو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان پر جو رحمتیں نازل فرمانا منظور ہے اس کا کچھ حصہ تمہیں بھی عطا فرمانا چاہتے ہیں، تا کہ جس وقت عرفات کے میدان میں ان اللہ کے بندوں پر رحمت کی بارشیں برسیں، اس کی بدلی کا کوئی ٹکڑا ہم پر بھی رحمت برسادے، تو یہ شباہت پیدا کرنا بھی بڑی نعمت ہے اور حضرت مجذوب صاحبؒ کا یہ شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کر آیا ہوں

حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کر آیا ہوں

کیا بعید ہے کہ اللہ اس صورت کی برکت سے حقیقت میں تبدیل فرمادے اور اس رحمت کی جو گھٹائیں وہاں برسیں گی، ان شاء اللہ ہم اور آپ بھی اس سے محروم نہیں رہیں گے۔

تھوڑے سے دھیان اور توجہ کی ضرورت ہے:...... ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق یہ تھا کہ فرماتے تھے کہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ اس بنا پر محروم فرمادیں گے کہ ایک شخص کے پاس جانے کے لئے پیسے نہیں ہیں؟ کیا اس واسطے اس کو عرفات کی رحمتوں سے محروم فرمادیں گے کہ اس کو حالات نے جانے کی اجازت نہیں دی اور اس واسطے وہ نہیں جاسکا؟...... ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور آپ کو بھی اس رحمت میں شامل فرمانا چاہتے ہیں، البتہ تھوڑی سی توجہ اور دھیان کی بات ہے۔ بس تھوڑی سی فکر اور توجہ کرلو کہ میں تھوڑی سے شباہت پیدا کررہا ہوں اور اپنی صورت تھوڑی سی ان جیسی بنارہا ہوں، تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی اس رحمت میں شامل فرمادیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یوم عرفہ کا روزہ:...... دوسری چیز یہ ہے کہ یہ ایام اتنی فضیلت والے ہیں کہ ان ایام میں ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ ایک مسلمان جتنا بھی ان ایام میں نیک اعمال اور عبادات کرسکتا ہے وہ ضرور کرے اور نو ذی الحجہ کا دن عرفہ کا دن ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے حجاج کے لئے حج کا عظیم الشان رکن یعنی وقوف عرفہ تجویز فرمایا اور ہمارے لئے خاص اس نویں تاریخ کو نفلی روزہ مقرر فرمایا اور اس روزے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”عرفہ کے دن جو شخص روزہ رکھے تو مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے یہ امید ہے کہ اس کے ایک سال پہلے اور ایک سال کے بعد گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔“ (ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب صیام یوم عرفۃ، حدیث نمبر ۱۷۳۲)

صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں:...... یہاں یہ بات بھی عرض کردوں کہ بعض لوگ جو دین کا کماحقہ علم نہیں رکھتے تو اس قسم کی جو حدیثیں آتی ہیں کہ ایک سال پہلے کے گناہ معاف ہوگئے اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہوگئے، اس سے ان لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک سال پہلے کے گناہ تو معاف کرہی دیے اور ایک سال آئندہ کے بھی گناہ معاف فرمادیے اس کا مطلب یہ ہے کہ سال بھر کے لئے چھٹی ہوگئی جو چاہیں، کریں، سب گناہ معاف ہیں، خوب سمجھ لیجئے، جن جن اعمال کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ گناہوں کو معاف کرنے والے اعمال ہیں، مثلاً وضو کرنے میں ہر عضو کو دھوتے وقت اس عضو کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، نماز پڑھنے کے لئے جب انسان مسجد کی طرف چلتا ہے تو ایک قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ رمضان کے روزوں کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے، اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ یاد رکھئے، اس قسم کی تمام احادیث میں گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ ہوتے ہیں اور جہاں تک کبیرہ گناہوں کا تعلق ہے اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ ویسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی کے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے بخش دیں وہ الگ بات ہے، لیکن قانون یہ ہے کہ جب تک توبہ نہیں کرے گا، معاف نہیں ہوں گے اور پھر توبہ سے بھی وہ گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے مثلاً کسی کا حق دبالیا ہے، کسی کا حق مارلیا ہے، کسی کی حق تلفی کرلی ہے اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ جب تک صاحب حق کو اس کا حق ادا نہ کردے یا اس سے معاف نہ کرالے اس وقت

تک معاف نہیں ہوں گے۔ لہٰذا یہ تمام فضیلت والی احادیث جن میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے وہ صغیرہ گناہوں کی معافی سے متعلق ہیں۔

تکبیر تشریق:...... ان ایام میں تیسرا عمل تکبیر تشریق ہے جو عرفہ کے دن کی نماز فجر سے شروع ہوکر ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک جاری رہتی ہے۔ یہ تکبیر ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے۔ تکبیر یہ ہے: ”اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد“ مردوں کے لئے اسے متوسط بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اور آہستہ آواز سے پڑھنا خلاف سنت ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۲ ص ۱۷۱، شامی ج ۲ ص ۱۷۸)

گنگا الٹی بہنے لگی ہے:...... ہمارے یہاں ہر چیز میں ایسی الٹی گنگا بہنے لگی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا ہے کہ آہستہ آواز سے کہو ان چیزوں میں تو لوگ شور مچا کر بلند آواز سے پڑھتے ہیں، مثلاً دعا کرنا ہے قرآن کریم میں دعا کے بارے میں فرمایا کہ:

”آہستہ اور تضرع کے ساتھ اپنے رب کو پکارو اور آہستہ دعا کرو“ چنانچہ عام اوقات میں بلند آواز سے دعا کرنے کے بجائے آہستہ آواز سے دعا کرنا افضل ہے۔ (البتہ جہاں زور سے دعا مانگنا سنت سے ثابت ہو وہاں اسی طرح مانگنا افضل ہے) اور اسی دعا کا ایک حصہ درود شریف بھی ہے۔ اس کو بھی آہستہ آواز سے پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ اس میں تو لوگوں نے اپنی طرف سے شور مچانے کا طریقہ اختیار کرلیا اور جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا تھا کہ بلند آواز سے کہو، مثلاً تکبیر تشریق، جو نماز کے بعد بلند آواز سے کہنی چاہئے، لیکن اس کے پڑھنے کے وقت آواز ہی نہیں نکلتی، آہستہ سے پڑھنا شروع کردیتے ہیں۔

شوکت اسلام کا مظاہرہ:...... میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تکبیر تشریق رکھی ہی اس لئے گئی ہے کہ اس سے شوکت اسلام کا مظاہرہ ہو اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سلام پھرنے کے بعد مسجد اس تکبیر سے گونج اٹھے، لہٰذا اس کو بلند آواز سے کہنا ضروری ہے۔

اسی طرح عید الاضحیٰ کی نماز کیلئے جارہے ہوں تو اس میں بھی مسنون یہ ہے کہ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہتے جائیں، البتہ عید الفطر میں آہستہ آواز سے کہنی چاہئے۔

تکبیر تشریق خواتین پر بھی واجب ہے:...... یہ تکبیر تشریق خواتین کے لئے بھی مشروع ہے اور اس میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ خواتین کو یہ تکبیر پڑھنا یاد نہیں رہتا۔ مرد حضرات تو چونکہ مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں، جب سلام کے بعد تکبیر تشریق کہی جاتی ہے تو یاد آجاتا ہے اور وہ کہہ لیتے ہیں۔ لیکن خواتین میں اس کا رواج بہت کم ہے، اور عام طور پر خواتین اس کو نہیں پڑھتیں۔ اگرچہ خواتین پر واجب ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں: بعض علماء کہتے ہیں کہ واجب ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ خواتین پر واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے، مردوں پر واجب ہے لیکن ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ عورتیں بھی پانچ روز تک یوم عرفہ کی فجر سے ۱۳ تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد یہ تکبیر کہیں، البتہ مردوں پر تو بلند آواز سے کہنا واجب ہے اور خواتین کو آہستہ آواز سے کہنا چاہئے اور لہٰذا خواتین کو بھی اس کی فکر کرنی چاہئے اور خواتین کو یہ مسئلہ بتانا چاہئے اور چونکہ خواتین کو اس کا پڑھنا یاد نہیں رہتا، اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ خواتین گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں، وہاں یہ دعا لکھ کر لگائیں، تاکہ ان کو یہ تکبیر یاد آجائے۔ اور سلام کے بعد کہہ لیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۹۰ شامی ج ۲ ص ۱۷۹)

قربانی دوسرے ایام میں نہیں ہوسکتی:...... چوتھا اور سب سے افضل عمل جو اللہ تعالیٰ نے ایام ذی الحجہ میں مقرر فرمایا ہے، وہ قربانی کا عمل ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ عمل سال کے دوسرے ایام میں انجام نہیں دیا جاسکتا صرف ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو انجام دیا

جاسکتا ہے، ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں آدمی چاہئے کتنے جانور ذبح کرلے لیکن قربانی نہیں ہوسکتی۔

دین کی حقیقت:......لہٰذا حج اور قربانی جو ان ایام کے بڑے اعمال ہیں ان کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں دین کی حقیقت سمجھنا چاہتے ہیں کہ دین کی حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی عمل کی اپنی ذات میں کچھ نہیں رکھا، نہ کسی جگہ میں کچھ رکھا ہے، نہ کس عمل میں، نہ کس وقت میں، ان چیزوں میں جو فضیلت آتی ہے، وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے آتی ہے، اگر ہم کہہ دیں کہ فلاں کام کرو تو وہ اجرو ثواب کا کام بن جائے گا اور اگر ہم اس کام سے روک دیں تو پھر اس میں کوئی اجر وثواب نہیں۔ "میدان عرفہ" کو لے لیجئے۔ ۹ ذی الحجہ کے علاوہ سال کے ۳۵۹ دن وہاں گزار دیں، ذرہ برابر بھی عبادت کا ثواب نہیں ملے گا۔ حالانکہ وہی میدان عرفات ہے، وہی جبل رحمت ہے، کیوں......؟ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے عام دنوں میں وہاں وقوف کرنے کے لئے نہیں کہا، جب اللہ تعالیٰ نے کہا کہ نو ذی الحجہ کو آؤ، تو نو ذی الحجہ کو آنا تو عبادت ہوگی اور اجر وثواب کے مستحق ہوگے۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ میدان عرفات میں کچھ رکھا ہے اور نہ اس وقت میں کچھ رکھا ہے اور نہ اس عمل میں کچھ رکھا ہے، لیکن جب شریعت کہہ دے تو پھر عمل میں بھی فضیلت پیدا ہوجاتی ہے اور جگہ میں بھی اور وقت میں فضیلت پیدا ہوجاتی ہے۔

ثواب کا مدار:......آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی اتنی فضیلت رکھی ہے کہ ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کا اجر رکھتی ہے اور حج کے لئے جانے والے حضرات ہر نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل کرتے ہیں، لیکن جب ۸ ذی الحجہ کی تاریخ آتی ہے تو اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ مسجد حرام کو چھوڑو اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب جو اب تک مل رہا تھا اس کو ترک کرو، اب منیٰ میں جاکر پڑاؤ ڈالو، چنانچہ ۸ ذی الحجہ کی ظہر سے لے کر ۹ ذی الحجہ کی فجر تک کا وقت منیٰ میں گزارنے کا حکم دے دیا گیا۔ ذرا یہ دیکھئے کہ اس پورے وقت میں حاجی کا منیٰ کے اندر کوئی کام ہے؟ کچھ نہیں، نہ اس میں جمرات کی رمی ہے۔ نہ اس میں وقوف ہے اور نہ کوئی اور عمل ہے۔ بس صرف یہ ہے کہ پانچ نمازیں وہاں پڑھو اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑ کر جنگل میں نماز پڑھو، اس حکم کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ جو ثواب ہے وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے ہے، اب جب ہم نے یہ کہہ دیا کہ جنگل میں جاکر نماز پڑھو تو جنگل میں نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے وہ مسجد حرام میں بھی نماز پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگا۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ منیٰ میں اس روز کوئی عمل تو کرنا نہیں ہے۔ چلو مکہ میں رہ کر یہ پانچ نمازیں مسجد حرام میں پڑھ لوں تو اس نماز سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تو کجا، ایک نماز کا ثواب بھی نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا اور حج کے مناسک میں کمی کردی۔

کسی عمل اور کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا:......حج کی عبادت میں جگہ جگہ قدم قدم پر یہ بات نظر آتی ہے ان بتوں کو توڑا گیا ہے جو انسان بعض اوقات اپنے سینوں میں بسالیتا ہے، وہ یہ کہ اپنی ذات میں کسی عمل میں کچھ نہیں رکھا، کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا۔ جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے جب ہم کسی چیز کا حکم دیں تو اس میں برکت اور اجر وثواب ہے اور جب ہم کہیں کہ یہ کام نہ کرو تو اس وقت نہ کرنے میں اجر ثواب ہے۔

حج کی پوری عبادت میں یہی فلسفہ نظر آتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ ایک پتھر منیٰ میں کھڑا ہے اور لاکھوں افراد اس پتھر کو کنکریاں مار رہے ہیں، کوئی شخص اگر یہ پوچھے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ تو دیوانگی ہے کہ ایک پتھر پر کنکر برسائے جارہے ہیں، اس پتھر نے کیا قصور کیا ہے؟ لیکن چونکہ ہم نے کہہ دیا کہ یہ کام کرو، اس کے بعد اس میں حکمت، مصلحت اور عقلی دلائل تلاش کرنے کا مقام نہیں ہے، بس اب اس عمل ہی میں اجر وثواب ہے۔ اس

دیوانگی ہی میں لطف بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہے۔

حج کی عبادت میں قدم قدم پر یہ سکھایا جارہا ہے کہ تم نے اپنی عقل کے سانچے میں جو چیزیں بٹھا رکھی ہیں اور سینے میں جو بت بسا رکھے ہیں ان کو توڑو، اور اس بات کا ادراک پیدا کرو کہ جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے۔

قربانی کیا سبق دیتی ہے:......یہی چیز قربانی میں ہے، قربانی کی عبادت کا سارا فلسفہ یہی ہے۔ اس لئے کہ قربانی کے معنی ہیں "اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی چیز" اور یہ لفظ "قربانی"، "قربان" سے نکلا ہے اور لفظ "قربان"، "قرب" سے نکلا ہے۔ تو قربانی کے معنی یہ ہیں کہ "وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے" اور اس قربانی کے سارے عمل میں یہ سکھایا گیا ہے کہ ہمارے حکم کی اتباع کا نام دین ہے۔ جب ہمارا حکم آجائے تو اس کے بعد نہ عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع ہے نہ اس میں حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع باقی رہتا ہے اور نہ اس میں چوں وچرا کرنے کا موقع ہے، ایک مومن کا کام یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے حکم آجائے تو اپنا سر جھکادے اور اس حکم کی اتباع کرے۔

بیٹے کو ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے:......جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حکم آگیا کہ بیٹے کو ذبح کردو اور حکم بھی خواب کے ذریعے سے آیا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وحی کے ذریعے حکم نازل فرمادیتے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ خواب میں آپ کو یہ دکھایا گیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کررہے ہیں، اگر ہمارے جیسا تاویل کرنے والا کوئی شخص ہوتا تو یہ کہہ دیتا کہ یہ تو خواب کی بات ہے۔ اس پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت میں ایک امتحان تھا کہ چونکہ جب انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے تو کیا وہ اس وحی پر عمل کرتے یا نہیں؟ اس لئے آپ کو یہ عمل خواب میں دکھایا گیا۔ جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کردو تو باپ نے پلٹ کر اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں پوچھا کہ یا اللہ! یہ حکم آخر کیوں دیا جارہا ہے؟ اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ دنیا کا کوئی قانون اور کوئی نظام زندگی اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ باپ اپنے بیٹے کو ذبح کرے، عقل کسی میزان پر اس حکم کو اتار کر دیکھے تو کسی میزان پر یہ پورا اترتا نظر نہیں آتا۔

جیسا باپ ویسا بیٹا:......تو آپ نے اللہ سے اس کی مصلحت نہیں پوچھی، البتہ بیٹے سے امتحان اور آزمائش کرنے کے لئے سوال کیا کہ:

"اے بیٹے! میں تو خواب میں یہ دیکھا کہ تمہیں ذبح کررہا ہوں، اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟" ان کی رائے اس لئے نہیں پوچھی کہ اگر ان کی رائے نہیں ہوگی تو ذبح نہیں کروں گا۔ بلکہ ان کی رائے اس لئے پوچھی کہ بیٹے کو آزمائیں کہ بیٹا کتنے پانی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں ان کا تصور کیا ہے؟ وہ بیٹا بھی حضرات ابراہیم خلیل اللہ کا بیٹا تھا۔ وہ بیٹا جن کے صلب سے سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے والے تھے۔ اس بیٹے نے بھی پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ ابا جان! مجھ سے کیا جرم سرزد ہوا ہے؟ میرا قصور کیا ہے کہ مجھے موت کے گھاٹ اتارا جارہا ہے، اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ بلکہ بیٹے کی زبان پر ایک ہی جواب تھا کہ:

"ابا جان آپ کے پاس جو حکم آیا ہے اس کو کر گزریئے، جہاں تک میرا معاملہ ہے تو آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں آہ وبکا نہیں کروں گا، میں روؤں گا اور چلاؤں گا نہیں اور آپ کو اس کام سے نہیں روکوں گا۔ آپ کر گزریئے۔"

چلتی چھری رُک نہ جائے:......جب باپ بھی ایسا

اولوالعزم اور بیٹا بھی اولوالعزم، دونوں اس حکم پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوگئے اور باپ نے بیٹے کو زمین پر لٹادیا، اس وقت حضرات اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ابا جان! آپ مجھے پیشانی کے بل لٹائیں۔ اس لئے کہ اگر سیدھا لٹائیں گے تو میری صورت سامنے ہوگی، جس کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے دل میں بیٹے کی محبت کا جوش آجائے اور آپ چھری نہ چلاسکیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادائیں اتنی پسند آئیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اداؤں کا ذکر قرآن کریم میں بھی فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

قرآن کریم نے بڑا عجیب وغریب لفظ استعمال کیا ہے۔ فرمایا "فلما اسلما" یعنی جب باپ اور بیٹے دونوں جھک گئے۔ اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب باپ اور بیٹے دونوں اسلام لے آئے۔ اس لئے کہ اسلام کے معنی ہیں اللہ کے حکم کے آگے جھک جانا اور اسی سے اس طرف اشارہ کیا کہ اصل اسلام یہ ہے کہ حکم کیسا بھی آجائے، اس کی وجہ سے دل پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں، وہ حکم عقل کے خلاف ہی کیوں نہ معلوم ہو اور اس کی وجہ سے جان ومال اور عزت اور آبرو کی کتنی قربانی کیوں نہ دینی پڑے، بس انسان کا کام یہ ہے کہ اللہ کے اس حکم کے آگے اپنے آپ کو جھکادے۔ یہ ہے حقیقت میں اسلام۔ اس لئے فرمایا کہ "جب دونوں اسلام لے آئے اور اللہ کے حکم کے آگے جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹادیا۔" قرآن کریم نے لٹانے کے اس وصف کو خاص زور دے کر بیان کیا ہے اور اس طرح اس لئے لٹایا کہ بیٹے کی صورت سامنے ہونے کی وجہ سے کہیں چلتی ہوئی چھری رک نہ جائے اس لئے پیشانی کے بل لٹایا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو لٹانے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ: ابا جان! آپ مجھے ذبح تو کررہے ہیں، ایک کام یہ کرلیجئے کہ میرے کپڑے اچھی طرح سمیٹ لیجئے، اس لئے کہ جب میں ذبح ہوں گا تو فطری طور پر تڑپوں گا اور تڑپنے کے نتیجے میں ہوسکتا ہے کہ خون کے چھینٹے دور تک جائیں اور اس کی وجہ سے میرے کپڑے جگہ جگہ سے خون میں لت پت ہوجائیں اور پھر میری والدہ جب میرے کپڑوں کو دیکھیں گی تو ان کو بہت ملال ہوگا، اس لئے آپ میرے کپڑوں کو اچھی طرح سمیٹ لیں۔

قدرت کا تماشہ دیکھئے:...... پھر کیا ہوا؟ جب ان دونوں نے اپنے اپنے حصے کا کام پورا کردیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب بندوں نے اپنے حصے کا کام کرلیا تو اب مجھے اپنے حصے کا کام کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

"اے ابراہیم! تم نے اس خواب کو سچا کردکھایا۔" اب ہماری قدرت کا تماشہ دیکھو۔ چنانچہ جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک جگہ بیٹھے ہوئے مسکرارہے ہیں اور وہاں ایک دنبا ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔

اللہ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے:...... یہ پورا واقعہ جو درحقیقت قربانی کے عمل کی بنیاد ہے۔ روزِ اول سے یہ بتارہا ہے کہ قربانی اس لئے مشروع کی گئی ہے تاکہ انسانوں کے دل میں یہ احساس، یہ علم اور یہ معرفت پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے اور دین درحقیقت اتباع کا نام ہے اور جب حکم آجائے تو پھر عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع نہیں۔ حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقلی حکمت تلاش نہیں کی:...... آج ہمارے معاشرے میں جو گمراہی پھیلی ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت تلاش کرو کہ اس کی حکمت اور مصلحت کیا ہے؟ اور اس کا عقلی فائدہ کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقلی فائدہ نظر آئے گا تو کریں گے اور اگر فائدہ نظر نہیں آئے گا تو نہیں کریں گے۔ یہ کوئی دین ہے؟ کیا اس کا نام اتباع ہے؟ اتباع تو وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کرکے دکھایا اور

ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کرکے دکھایا اور اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کے لئے اس کو جاری کردیا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

"ہم نے آنے والے مسلمانوں کو اس عمل کی نقل اتارنے کا پابند کردیا۔" یہ جو ہم قربانی کرنے جارہے ہیں۔ یہ حضرات ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اس عظیم الشان قربانی کی نقل اتارنی ہے اور نقل اتارنے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جیسے اللہ کے حکم آگے انہوں نے سرتسلیم خم کیا، انہوں نے کوئی عقلی دلیل نہیں مانگی، کوئی حکمت اور مصلحت طلب نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکادیا، اب ہمیں بھی اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا ہے، قربانی کی عبادت سے یہی سبق دینا منظور ہے۔

کیا قربانی معاشی تباہی کا ذریعہ ہے؟:...... جس مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ نے یہ قربانی واجب فرمائی تھی، آج اسی کے بالکل برخلاف کہنے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ صاحب! قربانی کیا ہے؟ یہ قربانی (معاذ اللہ) خواہ مخواہ رکھ دی گئی ہے، لاکھوں روپیہ خون کی شکل میں نالیوں میں بہہ جاتا ہے اور معاشی اعتبار سے نقصان دہ ہے، کتنے جانور کم ہوجاتے ہیں، اور فلاں فلاں معاشی نقصان ہوتے ہیں وغیرہ، لہٰذا قربانی کرنے کے بجائے یہ کرنا چاہئے کہ وہ لوگ جو غریب ہیں، جو بھوک سے بلبلا رہے ہیں تو قربانی کرکے گوشت تقسیم کرنے کے بجائے اگر وہ روپیہ اس غریب کو دے دیا جائے تو اس کی ضرورت پوری ہوجائے۔ یہ پروپیگنڈہ اتنی کثرت سے کیا جارہا ہے کہ پہلے زمانے میں تو صرف ایک مخصوص حلقہ تھا جو یہ باتیں کہتا تھا۔ لیکن اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو۔ جس میں کم از کم دو چار افراد یہ بات نہ پوچھ لیتے ہوں کہ ہمارے عزیزوں میں بہت سے لوگ غریب ہیں، لہٰذا اگر ہم لوگ قربانی نہ کریں اور وہ رقم ان کو دے دیں تو اس میں حرج ہے؟

قربانی کی اصل:...... بات دراصل یہ ہے کہ ہر عبادت کا ایک موقع اور ایک محل ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص یہ سوچے کہ میں نماز نہ پڑھوں اور اس کے بجائے غریب کی مدد کردوں تو اس سے نماز کا فریضہ ادا نہیں ہوسکتا، غریب کی مدد کرنے کا اجروثواب اپنی جگہ ہے، لیکن جو دوسرے فرائض ہیں، وہ اپنی جگہ فرض وواجب ہیں اور قربانی کے خلاف یہ جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ وہ عقل کے خلاف ہے اور یہ معاشی بدحالی کا سبب ہے اور معاشی اعتبار سے اس کا کوئی جواز نہیں ہے، یہ درحقیقت قربانی کے سارے فلسفے اور اس کی روح کی نفی ہے۔ ارے بھائی، قربانی تو مشروع ہی اس لئے کی گئی ہے کہ یہ کام تمہاری عقل اور سمجھ میں آرہا ہو، یا نہ آرہا ہو، پھر بھی یہ کام کرو، اس لئے کہ ہم نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے، ہم جو کہیں، اس پر عمل کرکے دکھاؤ۔ یہ قربانی کی اصل روح ہے، یاد رکھو، جب تک انسان کے اندر اتباع پیدا نہیں ہوجاتی اس وقت تک انسان انسان نہیں بن سکتا۔ جتنی بدعنوانیاں، جتنے مظالم، جتنی تباہ کاریاں آج انسانوں کے اندر پھیلی ہوئی ہیں، وہ درحقیقت اس بنیاد کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہے کہ انسان اپنی عقل کے پیچھے چلتا ہے، اللہ کے حکم کی اتباع کی طرف نہیں جاتا۔

دین اتباع کا نام ہے:...... اور عبادات کے اندر یہ ہے کہ وہ نفلی طور پر جس وقت چاہیں ادا کریں۔ لیکن قربانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ سکھادیا کہ گلے پر چھری پھیرنا یہ صرف تین دن تک عبادت ہے اور تین دن کے بعد اگر قربانی کروگے تو کوئی عبادت نہیں۔ کیوں؟ یہ بتانے کے لئے کہ اس عمل میں کچھ نہیں رکھا۔ بلکہ جب ہم نے کہہ دیا کہ قربانی کرو، اس وقت عبادت ہے اس کے علاوہ عبادت نہیں ہے۔ کاش یہ نکتہ ہماری سمجھ میں آجائے تو سارے دین کی صحیح فہم حاصل ہوجائے۔ دین کا سارا نکتہ اور محور یہ ہے کہ دین اتباع کا نام ہے، جس چیز میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم آگیا، وہ مانو اور اس پر عمل کرو، اور جہاں حکم نہیں آیا،

اس میں کچھ نہیں ہے۔

سنت اور بدعت میں فرق:...... بدعت اور سنت کے درمیان بھی یہی امتیاز اور فرق ہے کہ سنت باعث اجر وثواب ہے اور بدعت کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب! اگر ہم نے تیجہ کرلیا، دسواں کرلیا، چالیسوں کرلیا تو ہم نے کون سا گناہ کا کام کرلیا؟ بلکہ یہ ہوا کہ لوگ جمع ہوئے، انہوں نے قرآن شریف پڑھا، اور قرآن شریف پڑھنا تو بڑی عبادت کی بات ہے اور اس میں کیا خرابی کی بات ہوئی؟ ارے بھائی! اس میں خرابی یہ ہوئی کہ قرآن شریف اپنی طرف سے پڑھا اور اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں پڑھا۔ قرآن شریف پڑھنا اس وقت باعث اجر وثواب ہے جب وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو، اگر اس کے خلاف ہو تو اس میں کوئی اجر وثواب نہیں۔

مغرب کی چار رکعت پڑھنا گناہ کیوں ہے؟:...... میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ مغرب کی تین رکعت پڑھنا فرض ہے، اب ایک شخص کہے کہ "معاذ اللہ" یہ تین کا عدد کچھ بے تکا سا ہے، چار رکعت پوری کیوں نہ پڑھیں؟ اب وہ شخص تین رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھتا ہے۔ بتایئے، اس نے کیا گناہ کیا؟ کیا اس نے شراب پی لی؟ کیا چوری کرلی؟ یا ڈاکہ ڈالا، یا کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلیا؟ صرف اتنا ہی تو کیا کہ ایک رکعت زیادہ پڑھ لی، جس میں قرآن کریم زیادہ پڑھا، ایک رکوع زیادہ کیا، دو سجدے زیادہ کئے، اللہ کا نام لیا، اب اس میں اس نے کیا گناہ کرلیا؟ لیکن ہوگا یہ کہ چوتھی رکعت جو اس نے زیادہ پڑھی۔ نہ صرف یہ کہ زیادہ اجر وثواب کا موجب نہیں ہوگی، بلکہ ان پہلی تین رکعتوں کو بھی لے ڈوبے گی اور ان کو بھی خراب کردے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہے، سنت اور بدعت میں یہی فرق ہے کہ جو طریقہ بتایا ہوا ہے وہ سنت ہے اور جو بتایا ہوا طریقہ نہیں ہے، بلکہ اپنی طرف سے گھڑا ہوا ہے اور دیکھنے میں بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، وہ بدعت ہے اس کا کوئی فائدہ، کوئی اجر وثواب نہیں۔

سنت اور بدعت کی دلچسپ مثال:...... میرے والد صاحب قدس اللہ سرہ کے پاس ایک بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ "دعا جو" شریف لایا کرتے تھے جو تبلیغی جماعت کے مشہور اکابر میں سے تھے اور بڑے عجیب وغریب بزرگ تھے۔ ایک دن آکر انہوں نے والد صاحب سے عجیب خواب بیان کیا اور خواب میں میرے والد ماجد کو دیکھا کہ آپ ایک بلیک بورڈ کے پاس کھڑے ہیں اور کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ان کو کچھ پڑھا رہے ہیں حضرت والد صاحبؒ نے بلیک بورڈ پر چاک سے ایک کا ہندسہ (۱) بنایا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ایک ہے اس کے بعد آپ نے اس ایک کے ہندسے کے دائیں طرف (۱۰) ایک نقطہ بنایا، لوگوں سے پوچھا کہ اب کیا ہوگیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ دس (۱۰) ہوگیا، پھر ایک نقطہ اور لگا دیا اور پوچھا کہ اب کیا ہوگیا؟ لوگوں نے کہا کہ اب یہ سو (۱۰۰) ہوگیا۔ پھر ایک نقطہ اور لگا دیا اور پوچھا کہ اب کیا ہوگیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب ایک ہزار (۱۰۰۰) ہوگیا۔ پھر فرمایا میں جتنے نقطے لگاتا جا رہا ہوں، یہ دس گناہ بڑھتا جا رہا ہے۔ پھر انہوں نے وہ سارے نقطے مٹا دیئے اور اب دوبارہ وہی نقطہ اس ایک کے ہندسے کے بائیں طرف (۰۱) لگایا۔ پھر لوگوں سے پوچھا یہ کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ اعشاریہ ایک ہوگیا۔ یعنی ایک کا دسواں حصہ، اور پھر ایک نقطہ اور لگایا (۰۰۱) اور پوچھا کہ اب کیا ہوگیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب یہ اعشاریہ صفر ایک ہوگیا، یعنی ایک کا سوواں حصہ، پھر ایک نقطہ اور لگا کر پوچھا کہ اب کیا ہوگیا

(۰۰۰۱) لوگوں نے بتایا کہ اب اعشاریہ صفر صفر ایک، یعنی ایک ہزارواں حصہ بن گیا۔ پھر فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف کے نقطے اس عدد کو دس گنا کم کررہے ہیں، پھر فرمایا کہ دائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں، یہ سنت ہیں اور بائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں وہ بدعت ہیں، دیکھنے میں بظاہر دونوں نقطے ایک جیسے ہیں، لیکن جب دائیں طرف لگایا جارہا ہے تو سنت ہے اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے اور جو بائیں طرف لگائے جارہے ہیں تو وہ اجر وثواب کا موجب ہونے کے بجائے الٹا اس کو گھٹا رہے ہیں اور انسان کے عمل کو ضائع کررہے ہیں، بس سنت اور بدعت میں یہ فرق ہے۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نماز تہجد پڑھنا:...... ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد آگئی، مشہور واقعہ ہے، آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی رات کے وقت صحابہ کرام کو دیکھنے کے لئے باہر نکلا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ نکلے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ تہجد کی نماز میں بہت آہستہ آہستہ آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کررہے ہیں، جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بہت زور زور سے قرآن کریم کی تلاوت کررہے ہیں، اس کے بعد آپ واپس گھر تشریف لے آئے۔ صبح فجر کی نماز کے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ رات کو ہم نے دیکھا کہ آپ نماز میں بہت آہستہ آہستہ قرآن کریم کی تلاوت کررہے تھے، اتنی آہستہ آواز میں کیوں کررہے تھے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کتنا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ یارسول اللہ! اسمعت من ناجیت میں جس سے مناجات کررہا تھا، اس کو سنا دیا، اس لئے مجھے آواز زیادہ بلند کرنے کی ضرورت نہیں، جس ذات کو سنانا مقصود تھا اس نے سن لیا، اس کے لئے بلند آواز کی شرط نہیں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ اتنی زور سے کیوں پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا: اوقظ الاسنان واطرد الشیطان میں اس لئے زور سے پڑھ رہا تھا، تاکہ جو سونے والے ہیں ان کو جگاؤں اور شیطان کو بھگاؤں۔ پھر آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "ارفع قلیلاً" "تم ذرا بلند آواز سے پڑھا کرو اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: "اخفض قلیلاً" "تم اپنی آواز کو تھوڑا سا کم کردو۔ (ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب رفع الصوت بالقراۃ فی صلاۃ اللیل، حدیث نمبر ۱۳۲۹)

اعتدال مطلوب ہے:...... بہرحال! یہ مشہور واقعہ ہے جو احادیث میں منقول ہے اور اس کی تشریح میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اعتدال کی تعلیم دی کہ نہ بہت زیادہ اونچی آواز سے پڑھو اور نہ بہت زیادہ پست آواز سے پڑھو اور یہ قرآن کریم کے ارشاد کے بھی مطابق ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے کہ "ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلا" کہ نماز میں نہ بہت زیادہ زور سے پڑھو، نہ بہت زیادہ آہستہ پڑھو، بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ پڑھو۔

اپنی تجویز فنا کردو:...... لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اس حدیث کی ایک عجیب توجیہ ارشاد فرمائی ہے۔ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں جو بات ارشاد فرمائی تھی کہ میں جس کو سنا رہا ہوں اس نے سن لیا زیادہ زور سے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے تو یہ بات غلط نہیں تھی اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ طبعی طور پر چونکہ تیز آواز والے تھے۔ اس لئے نماز میں اگر ان کی آواز بلند ہوگئی تو کوئی ناجائز بات نہیں تھی، لیکن آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک تم دونوں اپنی مرضی اور اپنی رائے سے پڑھ رہے تھے، اب ہمارے کہنے کے مطابق پڑھو، ہماری تجویز کے مطابق پڑھو۔ پہلے جس طریقے سے پڑھ رہے تھے وہ چونکہ اپنی تجویز اور اپنی مرضی کے مطابق تھا، اس میں اتنی نورانیت اور اتنی برکت نہیں تھی، اب ہماری تجویز کے مطابق جب پڑھو گے تو اس میں نورانیت اور برکت ہوگی۔

پوری زندگی اتباع کا نمونہ ہونا چاہئے:...... یہ ہے سارے دین کا خلاصہ، کہ اپنی تجویز کو دخل نہ ہو۔ جو کوئی عمل ہو، وہ اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ اگر یہ بات ذہن نشین ہو جائے تو ساری بدعتوں کی جڑ کٹ جائے اور اسی حقیقت کو سکھانے کے لئے قربانی مشروع کی گئی ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں ہر چیز ایک غفلت اور بے توجہی کے عالم میں گزر جاتی ہے۔ قربانی کرتے وقت ذرا سا اس حقیقت کو تازہ کیا جائے کہ یہ قربانی در حقیقت یہ سبق سکھا رہی ہے کہ ہماری پوری زندگی اللہ جل جلالہ کے حکم کے تابع ہونی چاہئے، پوری زندگی اتباع کا نمونہ چاہئے۔ چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکانا چاہئے۔

قربانی کی فضیلت:...... حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی راہ میں جانور قربان کرتا ہے تو اس قربانی کے نتیجے میں اس جانور کے جسم پر جتنے بال ہیں، ایک ایک بال کے عوض ایک ایک گناہ معاف ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو ان تین دنوں میں کوئی عمل خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ جتنا زیادہ قربانی کرے گا، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا اور فرمایا کہ جب تم قربانی کرتے ہو تو جانور کا خون ابھی زمین پر نہیں گرتا، اس سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچ جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں تقرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ سب فضیلت اس لئے ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ میرا بندہ یہ دیکھے بغیر کہ یہ بات عقل میں آرہی ہے یا نہیں؟ اور یہ دیکھے بغیر کہ اس کے مال کا فائدہ ہو رہا ہے یا نقصان ہو رہا ہے، صرف میرے حکم پر جانور کے گلے پر چھری پھیر رہا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عظیم اجر رکھا ہے۔

ایک دیہاتی کا قصہ:...... بزرگوں نے فرمایا کہ پہلے زمانے میں ایک قاعدہ تھا کہ جب کسی بڑے بادشاہ کے دربار میں جاتے تو کوئی ہدیہ یا تحفہ بطور نذرانہ ساتھ لے جاتے، در حقیقت اگر دیکھا جائے تو اس بادشاہ کو تمہارے نذرانے کی ضرورت نہیں لیکن اس نذرانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ اس نذرانے کو قبول کرلے گا تو اس کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں کچھ انعام وغیرہ حاصل ہوگا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر واقعہ لکھا ہے کہ بغداد کے قریب ایک گاؤں تھا، اس گاؤں میں ایک دیہاتی رہتا تھا۔ اس دیہاتی نے ارادہ کیا کہ میں بغداد جاکر بادشاہ اور امیر المومنین سے ملاقات کروں اور وہ آج کل کے بادشاہ کی طرح نہیں ہوتے تھے کہ چھوٹی سی ریاست لے کر بیٹھ گئے اور بادشاہ بن گئے بلکہ اس وقت بغداد کے خلیفہ کی آدھی دنیا سے زیادہ پر حکومت تھی۔ بہر حال! جاتے وقت اس نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کہ میں بادشاہ کے دربار میں جا رہا ہوں تو ان کے لئے کوئی تحفہ اور نذرانہ بھی لے کر جانا چاہئے، اب کیا تحفہ لے کر جاؤں جو بادشاہ کے لائق ہو اور بادشاہ اس کو دیکھ کر خوش ہو جائے؟ وہ چھوٹے سے گاؤں میں رہنے والے دیہاتی لوگ تھے۔ دنیا کی خبر بھی نہیں تھی، اس لئے بیوی نے مشورہ دیا کہ ہمارے گھر کے مٹکے میں جو پانی ہے وہ نہر کا ٹھنڈا صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے۔ ایسا پانی بادشاہ کو کہاں میسر آتا ہوگا۔ لہٰذا یہ پانی لے جاؤ۔ اس دیہاتی کی عقل میں بیوی کی بات آگئی اور اس نے وہ پانی کا گھڑا سر پر اٹھایا اور بغداد کی طرف چل دیا۔ آج کی طرح ہوائی جہاز یا ریل کا سفر تو تھا

نہیں، پیدل یا اونٹوں پر سفر ہوتا تھا۔ وہ دیہاتی پیدل ہی روانہ ہوا، اب راستے میں ہوا چل رہی ہے مٹی اڑ اڑ کر مٹکے کے اوپر جم رہی ہے اور بغداد پہنچتے پہنچتے مٹی کی تہہ جم گئی، جب بادشاہ کے دربار میں حاضری ہوئی تو پوچھا کہ کیا تحفہ لائے ہو؟ اس دیہاتی نے وہ مٹکا پیش کر دیا۔ اور کہا کہ یہ میرے گاؤں کے کنویں کا صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے، میں نے یہ سوچا کہ اتنا اچھا پانی آپ کو کہاں میسر آتا ہوگا اس لئے میں یہ آپ کے لئے لایا ہوں، یہ آپ کے لئے نذرانہ ہے، آپ قبول فرمالیں۔

بادشاہ نے کہا کہ اس مٹکے کا ڈھکن کھولو، جب اس نے دیہاتی نے ڈھکن کھولا تو پورے کمرے میں بدبو پھیل گئی، اس لئے کہ اس کو بند کئے ہوئے کئی دن گزر گئے تھے اور اس کے اوپر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، بادشاہ نے یہ سوچا کہ یہ بے چارہ ایک دیہاتی آدمی ہے اور اپنی سوچ اور اپنی سمجھ کے مطابق ہدیہ پیش کرکے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کر رہا ہے، اس لئے اس کا دل نہیں توڑنا چاہئے چنانچہ اس گھڑے کو بند کرادیا اور اس دیہاتی سے کہا کہ تم ماشاء اللہ بہت اچھا تحفہ لائے ہو۔ واقعی ایسا پانی مجھے کہاں میسر آسکتا ہے، اس پانی کی بڑی تعریف کی اور پھر حکم جاری کردیا کہ اس کے عوض اس کو ایک گھڑا اشرفیوں سے بھر کر دے دو، چنانچہ وہ دیہاتی بہت خوش ہوا کہ میرا تحفہ بادشاہ کے دربار میں قبول ہو گیا اور اشرفیوں کا بھرا ہوا ایک گھڑا مل گیا، جب وہ دیہاتی واپس جانے لگا تو بادشاہ نے اپنے ایک نوکر سے کہا کہ اس کو دریائے دجلہ کے کنارے سے واپس لے جانا۔

اب وہ دیہاتی بڑا خوش خوش واپس جا رہا تھا۔ بادشاہ کا نوکر اس کے ساتھ تھا۔ جب دریائے دجلہ راستے میں آیا تو اس دیہاتی نے دجلہ کو دیکھ کر نوکر سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ نوکر نے کہا کہ یہ دریا ہے، اور اس کا پانی پی کر دیکھو، اب جب اس دیہاتی نے دجلہ کا پانی پیا تو دیکھا کہ وہ تو انتہائی صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے، اب اس دیہاتی کو خیال آیا کہ یا اللہ! میں بادشاہ کے لئے کس قسم کا پانی لے گیا تھا۔ اس کے محل کے اندر تو کتنے صاف شفاف اور اعلیٰ درجے کا پانی بہہ رہا ہے۔ اس کو تو پانی کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اس نے تو بڑی کرم نوازی کی کہ میرے خاطر اس گھڑے کو قبول کرلیا۔ ورنہ میں تو اس لائق تھا کہ اس ہدیہ دینے پر مجھے سزا دی جاتی کہ تو ایسا سڑا ہوا گندہ پانی لے کر آیا ہے۔ لیکن اس بادشاہ کی کرم نوازی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ مجھے سزا نہیں دی، بلکہ میرے گھڑے کو قبول بھی کرلیا اور اس کے بدلے میں مجھے ایک اشرفیوں سے بھرا ہوا گھڑا دے دیا۔

ہماری عبادات کی حقیقت:...... مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور جو عبادتیں کرتے ہیں، اس وہ پانی کے گھڑے کی طرح ہیں جس میں گندہ پانی بھرا ہوا ہے۔ گرد وغبار اور مٹی سے اٹا ہوا ہے، اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ یہ عبادتیں ہمارے منہ پر مار دی جائیں۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ بجائے لوٹانے کے اس کو قبول فرمالیتے ہیں اور اس پر اور زیادہ اجر وثواب عطا فرماتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ یہ میرا بندہ ہے، جو اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کرسکتا اور اس سے زیادہ، بہتر عبادت انجام نہیں دے سکتا، چونکہ اخلاص کے ساتھ لایا ہے اس لئے اس کی عبادت قبول کرلو، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی عبادت قبول فرمالیتے ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مثال دی ہے وہ ہماری تمام عبادات اور اطاعات پر پوری طرح صادق آتی ہے کہ ہماری عبادات درحقیقت دیہاتی کے پانی کے مٹکے کی طرح ہیں۔

تم اس کے زیادہ محتاج ہو:...... اور اگر بالفرض تم بادشاہ کے دربار میں بہت اچھی اور قیمتی چیز مثلاً ہیرے جواہرات بطور ہدیہ اور نذرانہ لے کر گئے تو پہلے زمانے کے بادشاہوں کا دستور یہ تھا کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں اعلیٰ درجے کا تحفہ لے کر جاتا تو وہ بادشاہ اس تحفہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیتا تھا اور ہاتھ رکھنا اس بات کی علامت تھی

کہ تمہارا ہدیہ اور تحفہ قبول ہے اور پھر وہ تحفہ اس دینے والے کو واپس کردیا جاتا تھا، اس لئے کہ ہم سے زیادہ تم اس تحفے کے محتاج اور ضرورت مند ہو لہٰذا تم ہی اس کو رکھ لو۔

ہمیں دلوں کا تقویٰ چاہئے:...... مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حضور جو قربانی پیش کرتے ہیں، یہ ایک ایسا نذرانہ ہے کہ ادھر اس نے اللہ کے لئے قربانی اور نذرانہ پیش کرتے ہوئے جانور کے گلے پر چھری پھیری، ادھر قربانی کی عبادت ادا ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے وہ نذرانہ قبول کرلیا اور گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اب وہ جانور بھی پورا کا پورا تمہارا ہے اور فرمادیا کہ یہ جانور لے جاکر کھاؤ، اس کا گوشت تمہارا ہے، اس کی کھال تمہاری ہے، اس جانور کی ہر چیز تمہاری ہے، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا اکرام دیکھئے کہ نذرانہ مانگا جارہا ہے۔ لیکن جب بندہ نے خون بہادیا اور نذرانہ پیش کردیا اور ہمارے حکم کی تعمیل کرلی تو بس کافی ہے۔ ہمیں اتنا ہی چاہئے تھا، چنانچہ فرمایا کہ:

''ہمیں تو اس کا گوشت نہیں چاہئے، ہمیں اس کا خون نہیں چاہئے، ہمیں تو تمہارے دل کا تقویٰ چاہئے''

جب تم نے اپنے دل کے تقوے سے یہ قربانی پیش کردی، وہ ہمارے یہاں قبول ہوگئی۔ اب اس کو تم ہی کھاؤ، چنانچہ اگر کوئی شخص قربانی کا سارا گوشت خود کھالے، اس پر کوئی گناہ نہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ تین حصے کرے۔ ایک حصہ خود کھائے، ایک حصہ عزیزوں میں تقسیم کرے اور ایک حصہ غرباء میں خیرات کرے، لیکن اگر ایک بوٹی بھی خیرات نہ کرے۔ تب بھی قربانی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی، اس لئے کہ قربانی تو اس وقت مکمل ہوگئی، جس وقت جانور کے گلے پر چھری پھیر دی جب میرے بندے نے میرے حکم پر عمل کرلیا تو بس! قربانی کی فضیلت اس کو حاصل ہوگئی۔

کیا یہ پل صراط کی سواریاں ہوں گی؟:...... لوگوں میں یہ بات بہت کثرت سے کہی جاتی ہے کہ یہ قربانی کے جانور پل صراط پر سے گزرنے کے لئے سواری بنیں گے اور قربانی کرنے والے اس کے اوپر بیٹھ کر گزریں گے، یہ ایک ضعیف اور کمزور روایت ہے۔ جس کے الفاظ یہ آئے ہیں:

''اپنی قربانی کے جانوروں کو موٹا تازہ بناؤ، کیونکہ پل صراط پر یہ تمہاری سواریاں بنیں گی''

یہ انتہا درجے کی ضعیف حدیث ہے اور ضعیف حدیث کو اس کے ضعف کی صراحت کے بغیر بیان کرنا جائز نہیں ہوتا، اس لئے اس حدیث پر زیادہ اعتقاد رکھنا درست نہیں، اس لئے کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔ لیکن لوگوں میں یہ حدیث اتنی مشہور ہوگئی ہے کہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر اس کا اعتقاد نہ رکھا تو قربانی ہی نہ ہوگی، ہم اس حکم کی نہ نفی کرتے ہیں اور نہ اثبات کرتے ہیں۔ اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، البتہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے کہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ قربانی قبول ہوجاتی ہے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را:...... بہرحال یہ سب اس لئے کرایا جارہا ہے کہ تاکہ دل میں اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے آگے سر جھکانے کا جذبہ پیدا ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

''جب اللہ یا اللہ کا رسول کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لئے کوئی فیصلہ کردیں تو اس کے بعد اس کے پاس کوئی اختیار نہیں رہتا۔'' (سورۃ الاحزاب:۳۶)

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

تو دین کی ساری حقیقت یہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی اجر و فضیلت عطا فرمائے اور اس کے اندر جتنے انوار و برکات ہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ سب ہمیں عطا فرمائے اور اپنی زندگی میں اس سبق کو یاد رکھنے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆



عقیدتوں کا سفر

ابن الحسن عباسی

ماہ ذی قعد کے آخر اور ذی الحجہ کی آمد آمد پر سوئے حرم جانے والے تیز گام قافلے گردش میں آنے لگتے ہیں، ان ایام میں حجاز سے آنے والی سحر کی گل گشت ہواؤں کی خوشبو کچھ زیادہ ہی دل کے آنگن کو مہکا دیتی ہے، شاید اس لئے کہ راہِ عشق و جنون کے مسافروں کے بے تاب نالوں کی گونج بھی ان لہروں میں شامل ہوجاتی ہے...... جب ''لبیک اللھم لبیک......'' کی والہانہ صداؤں سے حرم، منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور وادیٔ بطحا کے بام و در گونج اٹھتے ہیں، حرم...... رب ذوالجلال کی کبریائی کا مظہر، جہاں سکندری و قلندری کی مصنوعی روشیں فنا ہوکر شاہ و گدا، فقیر و امیر اور محمود و ایاز ایک ہی صف اور یکساں لباس میں کھڑے، رب کے حضور گڑگڑاتے اور دنیوی

آفتاب ذروں کا روپ دھارتے دکھائی دیتے ہیں......

جہاں ''بیت اللہ'' واقع ہے، ہستی کے صنم خانوں میں وہ پہلا گھر خدا کا، جس کا ایک ایک بقعہ تجلی گاہ جلال و جمال اور جس کا نظارہ دل پر دیوانگی اور وارفتگی کا ایک عالم بے خود طاری کر دیتا ہے، جہاں نفس کے داغ ہرے اور شیطانی چرکوں کے زخم تازہ ہو جاتے ہیں، جذبۂ بندگی چھلک پڑتا ہے، فریادِ شکستگی آہ و فغان میں ڈھلتی ہے، ہچکیاں بندھتی ہیں، اشکوں کا سیلاب امڈتا ہے اور خطاؤں کا انبار، معصیتوں کا غبار بہتا چلا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ عقیدتوں کے اس سفر کی ہر منزل ایک تاریخ ہے، منیٰ...... اہلِ وفا کی لافانی یادگار، عرفات...... اہل عشق کا دشتِ جنون، مزدلفہ...... صحرائے راز و نیاز اور وادیٔ بطحا کی فضائیں...... انفاسِ قدسیہ کی امین......!

حج کا سفر وحدتِ ملی کا بھولا ہوا سبق بھی یاد دلاتا ہے کہ چودہ سو سال پہلے اس بے آب و گیا وادی نے انسانیت کو جینے کا قرینہ سکھانے والی جو تہذیب عطا کی، وہ کسی ایک خطے یا ایک قوم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کے ماننے والے ایک ہی ذات کی کبریائی کے قائل، ایک ہی کتاب اور ایک ہی نبی کی درس گاہ سے تعلیم پانے والی ایسی ملت ہے جو بتانِ رنگ و خون توڑنے کے بعد وجود میں آئی، جس نے جڑنے کے بعد نہ تورانی باقی رہتا ہے، نہ ایرانی، نہ افغانی! یہ وحدت جب تک برقرار رہی، ہماری تاریخ معجزے دکھاتی رہی، اس کی سنگ راہ سے چشمے پھوٹتے، اس کے آگے کہسار دبتے، فاصلے سمٹتے، دریا جمتے، طوفان رکتے، چٹان ریزہ ریزہ ہوتے اور وقت کی جابر آندھی ٹکرا کر خود تحلیل ہوتی رہی، سندھ میں قید ایک خاتون کے خط پر ہزاروں میل کے فاصلے سے محمد بن قاسم راجاؤں کی خبر لینے پہنچا اور عموریہ کے قید خانہ سے ایک عورت کے ''وامعتصماہ'' پکارنے پر خلیفہ معتصم بے چین ہوا اور اس وقت تک رہا، جب تک عموریہ فتح کر کے، گرفتار مسلمانوں کو آزادی نہیں دلائی۔

لیکن جب اس وحدت کی طنابیں کاٹ دی گئیں، اس کے در میں شگاف کر کے دشمن اندر داخل ہو گئے اور مسلمان بھول بھلیوں میں مبتلا ہو کر نئے زمانے کے شمشیر و سنان سے لاپرواہ رہے، تب بحرِ ظلمات میں ان کے گھوڑے دوڑ سکے اور نہ ہی دریائے دجلہ کا پانی ان کے لئے منجمد ہوا۔

کشمیر نے نوے ہزار شہیدوں کی قربانی دی، فلسطین کے چالیس لاکھ بے گھر ہوئے، افغانستان نے سولہ لاکھ شہدا کا نذرانہ پیش کیا اور احمد آباد نے دو ہزار خواتین اور معصوم بچوں کو جلتے الاؤں میں زندہ جلائے جانے کا غم دیکھا...... لیکن اجڑتے افغانستان، لٹتے کشمیر، پٹتے فلسطین اور جلتے احمد آباد کے زخم سہلانے کے لئے نہ کوئی محمد بن قاسم آیا، نہ کوئی معتصم بے تاب ہوا...... ورنہ وہ کون سا دردمند دل ہو گا جس کو دشتِ لیلیٰ کے نہتے گمنام شہیدوں کی یاد رلا سکے، نہ جگا سکے......!

پس اے عقیدتوں کے مسافر!...... جب آپ مدینہ منورہ پہنچیں، سید الانبیاء کے آستانہ کی رعنائی و زیبائی، وارداتِ قلب کو ایک جہان تازہ عطا کر دے، گنبد خضرا کی سنہری جالیوں کی محبوبی و دلکشی دامنِ دل کھینچ لے تو آنسوؤں کی برسات میں آقائے نامدار کے حضور چشم تر کا سلام کہنے کے بعد امت کے آزردہ غلاموں کا یہ پیام دینا کہ

حضور! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے، وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں، ریاضِ ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے، تری امت کی آبرو اس میں
''دشتِ لیلیٰ'' کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

☆......☆......☆

دعا...... ایک عظیم سرمایہ

علامہ سید سلیمان ندویؒ

دعا ایک سرمایہ...... ایک قوت ہے۔ اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ نے اپنے جن انعاماتِ خاصہ سے انسان کو نوازا ہے، ان میں ایک دعا بھی ہے۔ دعا ایمان کا نشان، تعلق الٰہی کی دلیل، مغزِ عبادت، حقیقتِ عبودیت، جانِ بندگی، روحِ فقر اور رونقِ درویشی ہے۔ دعا بندہ و رب کا رابطۂ قوی، مومن کا اسلحہ، بے تاب روح کی غذا، جانِ حزیں کا اقرار، زخمی دل کا مرہم اور سوختہ سامان عشاق کی نامرادیوں کا مداوا ہے۔ دعا فقراء کا خزانہ، مسکینوں کا توشہ، ناداروں کی ڈھارس، لاچاروں کی تسکین، بے نواؤں کی تسلی، ضعیفوں کی قوت، راہِ حق کے طلب گاروں کی ڈھال اور سالکین طریق کا زادِ راہ ہے۔ دعا کا شغف و اشتغال، اس میں الحاح و زاری، تضرع و خشوع اور ابتہال و تبتل، توحید و للّٰہیت اور صفاتِ الٰہیہ پر ایمان کامل اور یقین راسخ کا نتیجہ ہے۔ دعا جامع الاسباب، کلیدِ خیر اور مطلب برآری کی احسن و اکمل تدبیر ہے۔ دعا دارین کی حاجات و ضروریات کے حصول کا اقویٰ و اجمل سبب ہے۔ دعا درماندہ بندہ کی اپنے رحیم و کریم رب کے دربار میں مناجات، پکار اور عرضداشت ہے، جس کا ہر بول بندہ اور آقا کے تعلق کو قوی سے قوی کرتا ہے۔

ایک فقیر بے نوا کا سرمایہ ہی دعا اور قوتِ دعا ہے کہ فقیر اپنی بے مائیگی اور ہیچ در ہیچ ہونے کا یقین رکھتے ہوئے دعا و رضا، تقویٰ و تسلی، عبدیت و عبودیت کے وظیفہ میں اپنی زندگی گزار دیتا ہے۔ محبوب ازل کا طالبِ حقیقی ہر آن قلباً و حالاً اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز اور اس کے ساتھ مناجات و دعا میں مشغول رہتا ہے۔ اسی لئے فخر الفقراء، سید الانبیاء، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر جز و کل دعا و مناجات سے آراستہ ملتا ہے کہ جس قدر حقیقتِ فقر و عبدیت میسر آئے گی، انسان میں تبتل اور التجاء الی اللہ اور احتیاج کی کیفیت بڑھتی جائے گی۔ صحیفۂ اسلامی دعاء کی عظمت و برکت پر دال اور قصصِ انبیاء اجابتِ دعاء پر ناطق اور اسوۂ نبویہ اور احادیثِ مبارکہ دعاء کے فضائل اور اہمیت پر شاہد ہیں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور کہا پروردگار نے دعا کرو مجھ سے، قبول کروں گا واسطے تمہارے، تحقیق وہ لوگ کہ تکبر کرتے ہیں عبادت میری سے، عنقریب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔''

دوسری آیت میں ہے: ''اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو (آپ میری طرف سے فرما دیجئے) میں قریب ہوں اور پکارنے والے کی پکار (دعا) کو قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ کو پکارتا ہے۔ پس ان کو چاہئے کہ میرے احکام کو قبول کریں اور مجھ پر یقین رکھیں، امید ہے کہ وہ لوگ رشد (فلاح) حاصل کر سکیں گے۔''

''تحقیق میرا پروردگار نزدیک ہے دعا قبول کرنے والا۔''

پہلی آیت مبارکہ میں دعا کو عبادت کے مترادف قرار دیا ہے۔ حدیث مبارکہ میں بھی ارشاد ہے: ''الدعاء ھو العبادۃ'' دعا ہی عبادت ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تائید میں محولہ بالا آیت پڑھی۔ (جمع الفوائد، ۲/۶۵، بحوالہ ترمذی)

دوسری مرفوع روایت میں ہے: ''اللہ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز معزز نہیں۔''

جس کے لئے دعا کے دروازے کھلے گئے اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ دعا نازل شدہ (مصائب) میں اور جو ابھی نازل نہ ہوئے ہوں، سب میں فائدہ دیتی ہے۔ قضا کو صرف دعا ہٹا دیتی ہے۔ پس دعا کو لازم پکڑو۔" (جمع الفوائد: ۲/۲۱۵، بحوالہ ترمذی)

شیخ الکل حضرت تھانوی قدس سرہ دعا کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: "کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو ہر قسم کے صلاح و فلاح کی ضرورت نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دارین کی صلاح و فلاح کے واسطے اسبابِ متکثرہ ابوابِ متعددہ موضوع فرما دیئے کہ اہل حاجت اس سے مدد لیں اور عقبات و مہالک سے نجات پائیں۔ ان اسبابِ مذکورہ میں بجز دعا کے جتنے اسباب ہیں، ان کے مسببات خاص خاص امور ہیں، چنانچہ اسبابِ طبعیہ کا (مثل زراعت، تجارت و طبابت کے) مقصود بالذات فلاح دنیوی ٹھہرایا گیا ہے، اگرچہ وہ ضمناً نافع دینی بھی ہوں۔ مگر صرف دعا ایک ایسی چیز ہے کہ فلاحِ دین و فلاح دنیا دونوں کے لئے بالمساوات ایک ایک مرتبہ میں مشروع و موضوع ہے، جس سے بوجہ اس جامعیت کے اس کی وقعت و عظمت ظاہر و باہر ہے۔ اس لئے قرآن مجید و حدیث مبارکہ میں نہایت درجہ اس کی ترغیب و فضیلت اور تاکید جا بجا وارد ہے۔ احادیث سے معلوم ہوا کہ دعا تمام تر تدبیروں اور احتیاطوں سے بڑھ کر مفید ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قبل مصیبت بھی دعا کرتا رہے۔ اس کی برکت سے مصیبت نہیں آتی اور یہ بھی شکل ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی بلا ٹل جاتی ہے۔ پس دعا کر کے خواہ اس کا قبول ہونا، معلوم ہو یا نہ ہو، بدگمان ہونا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں کے وقت اس کی دعا قبول فرما لیا کریں، اس کو چاہئے کہ خوشی عیشی کے وقت کثرت سے دعا مانگا کرے۔" اس سے معلوم ہوا کہ بلا مصیبت کے دعا مانگنے کا اثر مصیبت کے وقت دعا مانگنے میں ہوتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ: "دعا میں ہمت نہ ہارو کیونکہ دعا کرتے ہوئے کچھ ضائع نہیں ہوتا۔" اور ارشاد فرمایا کہ: "دعا مسلمان کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے اور آسمان و زمین کا نور ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مصیبت زدہ قوم پر گزرا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عافیت کیوں نہیں مانگتے۔" اور فرمایا کہ "کوئی ایسا مسلمان نہیں جو دعا میں اڑ جائے اور پھر اس کو عطا نہ ہو۔ خواہ سردست اس کو دے دیں یا آئندہ کے لئے جمع کر دیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ دعا قبول تو ضرور ہوتی ہے مگر صورتیں اس کی مختلف ہیں، کبھی وہ چیز مل جاتی ہے اور کبھی اس کے لئے جمع ہو جاتی ہے اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کبھی اس کی برکت سے بلا ٹل جاتی ہے، غرض اس دربار میں ہاتھ پسارنے سے کچھ نہ کچھ مل کر رہتا ہے، لیکن باوجود اس کے دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگوں کو عوام تو کیا بہت سے خواص کو بھی اس سے محض بے رغبتی و بے توجہی ہے، حتیٰ کہ جو معمولی اوقات دعا کے ہیں، جیسے نماز پنجگانہ، ان میں بجز آموختہ سا پڑھ لینے کے اصلاً الحاح یا دلچسپی کا اثر تک نہیں پایا جاتا اور یہ سمجھ کر دعا کرنے کا تو ذکر ہی کیا کہ یہ عرضداشت اللہ تعالیٰ کی جناب پاک میں پیش کرنی ہے۔ اور بار بار التجا کرنا اپنی مطلب برآری کا قوی ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور تکرارِ عرض و معروض سے روزانہ امیدیں ابھرتی اور تازہ ہوتی ہیں۔ اگر کوئی بڑی مصیبت پڑتی ہے اور ہاتھ پاؤں مارنے سے کام نہیں چلتا تب یہ مجبوری کسی ایک آدھ کو شاذ و نادر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے، وہ بھی دعا کے ساتھ نہیں بلکہ بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کوئی وظیفہ، عمل عزیمت شروع کر دیا، خواہ شرع کے موافق ہو یا مخالف اور اگر کسی نے بڑی احتیاط کی اور موافقتِ شرع کا بھی لحاظ کر لیا تب بھی ان اعمال میں وہ برکت کہاں جو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ دعاؤں میں ہے۔

☆......☆......☆



مرد و عورت حقوق و مساوات

محمود عباسی

ایک مثالی معاشرے کی تشکیل ہر متمدن قوم و ملک، انسانیت پرور مذہب و ملت کا دیرینہ خواب رہا ہے، اس ضمن میں ملکوں کے جغرافیائی حالات، قوموں کے مزاج و عادات کا لحاظ رکھتے ہوئے قوانین بنائے جاتے ہیں، پابندیاں عائد ہوتی ہیں، تقسیم کار ہوتا ہے، تاکہ افراد کی مساعی میں نظم و ضبط پیدا ہو اور مشترکہ اجتماعی کوششیں ثمر آور ہو کر اس تشنہ خواب کو تعبیر کا جامہ پہنا سکیں۔

اسلام نے اس سلسلے میں نہ صرف قوانین وضع کیے بلکہ خیر القرون میں اس کی عملی تصویر دکھا کر رہتی دنیا کے لئے ایک مثال پیش کر دی، مرد و زن معاشرے کے دو اہم ستون ہیں، ان کی باہمی کوششوں سے تمدن وجود پاتا اور تہذیب برگ و بار لاتی ہے، اسلام نے ان دونوں صنفوں کی جسمانی ساخت، نفسیاتی رویے اور طبعی صلاحیتوں کو مدنظر رکھا ہے، بنابریں انہیں مخصوص ذمہ داریوں کا مکلف بنایا، ان میں مسابقت کی بجائے رفاقت کا اصول وضع کیا اور ہر ایک کا الگ الگ دائرۂ کار تجویز کیا، انہی فرائض و ذمہ داریوں اور مثالی معاشرے کی تشکیل میں مرد و زن کے کردار پر ذیل کی سطور میں روشنی ڈالی گئی ہے، اس کائنات کا سب سے پہلا رشتہ شوہر اور بیوی کا ہے، مرد اور عورت اس رشتے میں نکاح کے ذریعے منسلک ہوتے ہیں، نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں مرد یہ عہد کرتا ہے کہ وہ تادم حیات عورت کا کفیل اور نگراں رہے گا، اس معاہدے کو قرآن پاک نے "پختہ عہد" سے تعبیر کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

"اور تم دیا ہوا مال کیوں کر واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ رہ چکے ہو اور وہ تم سے عہدِ واثق بھی لے چکی ہے۔"

اس معاہدے کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد مرد کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ مہر ادا کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"پھر ان میں سے جن عورتوں سے تم نے نکاح کے ذریعے فائدہ اٹھایا، ان کے مہر انہیں دو جو فرض ہے تم پر۔"

"عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دو۔"

ازدواجی زندگی کا آغاز ہوتے ہی بیوی کی اصلاح کے ساتھ شوہر پر لازم ہے کہ وہ اس کے نان و نفقہ کا انتظام کرے، بیوی کی ضروریات گھر، کپڑے دوا اور کھانے پینے کے دیگر اخراجات کا بار اٹھانا شوہر کے فرائض میں داخل ہے، خرچہ وغیرہ کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں بلکہ حیثیت اور استطاعت اس ضمن میں حرفِ آخر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"چاہئے کہ وسعت (مال کی) رکھنے والے اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کریں اور جس پر اس کا رزق تنگ ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ کسی کو مکلف نہیں کرتا۔"

"اور جس آدمی کا بچہ ہے، اس کے ذمہ ہے ان

(ماؤں) کا کھانا اور کپڑا۔"

علاوہ ازیں شوہر کی ذمہ داری ہے، وہ بیوی کے ساتھ انصاف کرے، حقوق پوری طرح ادا کرے اور اچھا سلوک کرے، والدین اور دیگر محرم اقرباء سے ملنے پر روک ٹوک نہ کرے، گھر وخاندان کی معاشی کفالت اور اخلاقی ذمہ داریوں کے ساتھ مرد کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ ہر ممکن طریقے سے بیوی کا دل جیتنے کی کوشش کرے، اس کی ناز برداری کرے اور حُسن سلوک سے عائلی زندگی کو سنوارنے اور باہمی محبت بڑھانے کی تگ ودو کرے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور ان کے ساتھ اچھی طرح رہو، اگر وہ تم کو پسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اس میں بہت خوبی رکھی ہے۔"

نکاح کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اولاد عطا کرتا ہے، اولاد کی تعلیم وتربیت، پرورش ونگہداشت، ماں، باپ بالخصوص باپ کی ذمہ داری ہے، قرآن کریم میں اولاد کے بنیادی حقوق کا تذکرہ موجود ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ باپ کے فرائض اور اولاد کے حقوق کی تعلیم دی ہے، فقیہ ابوالليث اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیٹے کے حقوق میں سے باپ کے ذمہ تین چیزیں ہیں:

(۱) پیدائش پر اس کا اچھا نام رکھے۔ (۲) سمجھ دار ہو جائے، تو اسے قرآن پڑھائے۔ (۳) بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے۔ (تنبیہ الغافلین: ص ۱۴۳)

اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت کے فرض سے سبک دوش ہونے کے لئے ضروری ہے کہ باپ کو اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض کا بخوبی علم ہو تا کہ اولاد کی صحیح خطوط پر ذہنی تربیت کر سکے اور انہیں معاشرے کا کارآمد فرد بنا سکے، مرد پر لازم ہے کہ ایک بیٹے کی حیثیت سے اپنے والدین کی خدمت، حسنِ سلوک اور حقوق کی ادائیگی میں کوئی کسر نہ چھوڑے، قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم توحید اور عبادت کے ساتھ ساتھ دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ سوائے اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو۔"

جب کہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین سے حسن سلوک کو جزوِ ایمان کا درجہ دیا ہے۔ جس سے والدین کے حقوق کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، عورت کی فطری اور صنفی ساخت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام نے اسے ہر حیثیت میں کسبِ معاش سے بری الذمہ رکھا ہے، بیٹی ہونے کی صورت میں باپ پر کفالت کی ذمہ داری ڈالی ہے، یہ کفالت شادی یا موت سے ساقط ہوتی ہے، بیوی جب تک شوہر کے عقد میں ہے تو وہ اس کا معاشی کفیل ہے، بہن کی حیثیت سے بھائی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے آرام وآسائش کا خیال رکھے، کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہونے کی صورت میں حاکم وقت کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ بیت المال سے مالی تعاون اور دادرسی کرے۔

مردوں سے اختلاف، محنت ومشقت اور فتنہ فساد سے محفوظ رکھنے کے لئے اسلام نے عورت کو روزی روزگار کے جھنجھٹ سے آزاد کر دیا ہے اور اس لئے بھی کہ فطری فرائض (حمل، ولادت، رضاعت) کے ساتھ اگر یہ بوجھ بھی صنفِ نازک کے ناتواں کاندھوں پر ڈالا جاتا، تو اس کا پیمانہ صبر چھلک جاتا اور قوتِ برداشت جواب دے جاتی، اسلام نے عورت کو "چراغ خانہ" بننے کی تاکید کی ہے، اولاد کی ذہنی وفکری تربیت اور نسل نو کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کی گراں بار ذمہ داری اسے سونپی ہے، دنیا کی قدیم ترین ریاست "خاندان" کا اسے نگراں بنایا ہے، یہی خاندانی نظام مغرب، جس کی

بکھری کرچیاں سمیٹنے کی تگ ودو میں ہے، مشرق میں آزادیٔ نسواں کے نام پر تیشہ زنی کی زد میں ہے، اسلام جس نے عورتوں کے حقوق کا تصور دیا، ستم ظریفی دیکھئے، آج اسے حقوقِ نسواں کا غاصب باور کرایا جارہا ہے، پوری قوت کے ساتھ کہا جارہا ہے کہ اسلام مردوزن کے حقوق کے سلسلے میں مساوات کا قائل نہیں، جب کہ حقائق اس کے برعکس ہیں:

(۱) انسانیت میں مساوات:...... چھٹی صدی کے رومیوں کا نظریہ تھا کہ عورت شرانگیز روح ہے، لیکن اسلام نے مردوزن میں شرفِ انسانیت میں مساوات کا تصور دیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں، اور اس اللہ سے ڈرتے رہو، جس کے واسطہ سے آپس میں سوال کرتے ہو اور اہلِ قرابت سے بھی ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔"

اور فرمایا: "اور وہی اللہ ہے جس نے پانی سے آدمی بنایا، پھر اس کے رشتہ اور سسرال مقرر کئے، اور تمہارا رب قدرت والا ہے۔"

(۲) تخلیق میں مساوات:...... زمانہ قدیم میں اسپین کے لوگ کہا کرتے تھے کہ بری عورت سے بچو اور اچھی عورت کی طرف مائل نہ ہو، ایسے ہی مسخ شدہ تورات کی طرف منسوب یہ باتیں بھی زبان زدعام تھیں: "عورت موت سے بھی زیادہ تلخ ہے، اللہ تعالیٰ کی نظروں میں برگزیدہ وہی ہے جو اس سے بچے گا، ہزاروں میں ایک مرد تو میں نے پایا لیکن عورت نہیں پائی۔" اسلام نے آکر بتایا کہ مرد وعورت ذات کے اعتبار سے برابر ہیں، انہی کے ذریعے ایمان واخلاق بڑھتے ہیں اور کفر وانحراف ختم ہوتا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

"قسم ہے جان کی اور اس کی جس نے اس کو ٹھیک بنایا، پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری دل میں ڈالی، بے شک مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا اور نامراد ہوا جس نے اس کو گناہوں میں چھپایا۔"

(۳) احترام انسانیت میں مساوات:...... "حمورابی" کے قانون میں تھا کہ اگر کسی نے دوسرے آدمی کی لڑکی قتل کی تو اس پر ضروری ہے کہ اپنی بیٹی اس کے حوالے کرے تا کہ وہ اس کو قصاص میں قتل کر دے یا مالک بن جائے، اسلام نے اس رویے کی نفی کی اور احترام انسانیت میں مرد وعورت کو یکساں قرار دیا، عار وملامت کے خوف سے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع کیا، ایسے ہی فقر وفاقہ کے ڈر سے بچوں کو مارنے کو حرام قرار دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم کی پاداش میں قتل کی گئی ہے۔"

بیویوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور عورتوں کا بھی ایسا ہی حق ہے، جیسا ان پر شرع کے موافق ہے اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے۔"

اور فرمایا: "پھر اگر وہ (عورتیں) تمہارے حکم پر آجائیں تو ان پر زیادتی کی کوئی راہ تلاش نہ کرو۔"

اسی طرح عورت کی عزتِ نفس مجروح کرنے اور اس پر جھوٹی تہمت لگانے کی سزا مقرر کی:

"اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے، انہیں اسّی کوڑے لگاؤ، کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یہی فاسق فاجر لوگ ہیں۔"

(۴) ایمان، اعمال اور جزا میں مساوات:...... ایک وقت تھا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے علاوہ دوسری عورتوں کو جہنم کا ایندھن سمجھا جاتا تھا، اسلام آیا اور اس نے بتایا کہ ایمان، اعمال اور جزا میں مرد وعورت برابر ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صبر کرنے

والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنے والی مرد اور بہت زیادہ یاد کرنے والی عورتیں...... اللہ نے ان کے لئے معافی اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔"

نیز فرمایا: "اور جس نے نیکی کی مرد ہو یا عورت اور وہ مؤمن ہو تو وہ لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے حساب روزی پائیں گے۔"

اور فرمایا: "پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی محنت کرنے والے کی محنت ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک ہو۔"

(۵) تربیت اور تہذیب وتمدن میں مساوات:...... ایک وقت ایسا بھی تھا کہ عربوں کے ہاں عورت گری پڑی چیز سمجھی جاتی اور اس کی کوئی قدر ومنزلت نہ تھی، اسلام نے لڑکیوں کی تعلیم وتربیت پر ایسا ہی زور دیا جیسا لڑکوں کی تربیت کی تاکید کی، فرمان باری تعالیٰ ہے:

"اے ایمان والو! اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ، جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کوئی باپ اپنے لڑکے کو اچھے ادب سے بہتر کوئی چیز نہیں دیتا۔" (رواہ الترمذی)

اور فرمایا: "جس مسلمان کی دو لڑکیاں ہوں اور وہ جب تک اس کے پاس رہیں، ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرے، تو وہ اس کو جنت میں داخل کرائیں گی۔" (رواہ ابن ماجہ)

نیز فرمایا: "جس کی تین بیٹیاں یا بہنیں، یا دو بہنیں یا دو بیٹیاں ہوں اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرے اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرے تو اس کے لئے جنت ہے۔" (رواہ الترمذی)

ابوداود کی روایت میں ہے: "ان کو ادب سکھائے، ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرے، ان کی شادی کرائے تو اس کے لئے جنت ہے۔"

(۶) حصول علم میں مساوات:...... ایک زمانہ میں جرمن باشندے کہا کرتے تھے، کپڑوں کا ڈھیر ہی عورت کا مدرسہ ہے، لیکن اسلام نے عورت کی تعلیم کی ویسی ہی ترغیب دی، جیسی مرد کی تعلیم کی دی تھی، اس لئے کہ علم کے بغیر عورت ان فرائض واحکامات سے واقف نہیں ہوسکتی تھی جو شریعت اسلامیہ نے اس پر لازم کئے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جس آدمی کے پاس باندی ہو اور وہ اس کو پڑھائے، اچھی تعلیم دلائے اور اچھی طرح ادب سکھائے، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔"

یہ اور ان جیسے دیگر امور میں اسلام مرد وزن کو مساوی قرار دینے کے باوجود ان کی صنفی وفطری صلاحیتوں کے لحاظ سے ان کا الگ الگ دائرہ کار تجویز کرتا ہے، اسلام عورت ومرد کی مساوات کو بلاشبہ تسلیم کرتا ہے، لیکن وہ مساوات اس مساوات سے یکسر مختلف ہے جس کی پُرجوش تشہیر آج کے مغرب کے روشن خیال مفکر یا تحریک نسواں کے علم بردار کر رہے ہیں جس کا مقصد مشرقی عورت کو روایتی شرم وحیا سے محروم کر کے آوارگی اور جنسی بے راہ روی کی راہ پر ڈالنا ہے۔

پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے، یہاں مرد وزن کے حقوق کا تعین اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کیا جانا چاہئے، اسلام نے مرد وزن کے حقوق وفرائض کے بارے میں بے حد متوازن نظام عطا کیا ہے، مغرب کے سیکولر، لادین، مذہب بیزار، فحش انگیز، غیر متوازن اور ہیجان خیز نظام کا اتباع بحیثیت قوم ہماری تباہی کا پیش خیمہ پیش ہوگا، مغرب جس خاندانی اقدار کی بحالی کی ضرورت محسوس کر رہا ہے، ہم ان اقدار کی تباہی کا سامان کر رہے ہیں، یہ ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے!

☆......☆......☆

تنبیہات وہدایات

مولانا عبدالقیوم ندویؒ



قرآن وحدیث میں جہاں ایک طرف مسلمان عورتوں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں، وہاں دوسری طرف معاشرے کے سلسلے میں عورتوں کو کچھ تنبیہات و ہدایات بھی کی گئی ہیں، اس باب میں ہم قرآن اور حدیث کے وہ ٹکڑے درج کرتے ہیں، جو ان تنبیہات وہدایات پر مشتمل ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

ترجمہ: "اگر بیویوں سے ایسے آثار ظاہر ہوں جن سے تم یہ سمجھو کہ وہ تمہارا کہنا نہیں مانتیں تو اول تو ان کو نصیحت کرو اور اگر پھر بھی وہ نہ مانیں تو ان کے ساتھ ہم بستری چھوڑ دو اور اس پر بھی وہ نہ مانیں تو ان کو زدوکوب کرو، اس کے بعد اگر وہ تابع داری کرنے لگیں تو ان کو تکلیف دینے کے لئے بہانے مت ڈھونڈو۔" (النساء)

حیا عورت کے لئے سب سے بڑی زینت ہے، مسلمان عورت کو باحیا ہونا چاہئے، کیونکہ بے حیائی اور اسلام دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "حیا ایمان کا ایک حصہ ہے۔"

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے:

ترجمہ: "ہر دین کا ایک خلق ہوتا ہے اور اسلام کا خلق حیا ہے۔"

حیا عورت کے لئے سب سے بڑی روک ہے اور یہی اسے بہت سے برے کاموں سے بچاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: "جب تم میں حیا نہیں، تو جو جی میں آئے کرو۔"

بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاوندوں سے دوسری عورتوں کے متعلق بہت باتیں کرتی ہیں اور ان کو اس تفصیل سے دوسری عورتوں کی چھوٹی چھوٹی باتیں سناتی ہیں کہ گویا ان کو ان کے خاوندوں نے دیکھ لیا، یہ عادت بہت بری ہے اور اس سے آگے چل کر بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے۔

عورت ومرد دونوں کو اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ وہ اپنے پوشیدہ ازدواجی معاملات کا حال دوسروں کے سامنے بیان کریں، کیونکہ اس سے فحش کی اشاعت ہوتی ہے۔

(ابوداؤد)

عورتوں کو عطر لگا کر باہر نکلنے یا مردوں میں پھرنے سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ عام طور پر خوشبو شہوانی خیالات کی محرک ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: ”جو عورت عطر لگا کر مردوں کے درمیان سے گزرتی ہے، وہ آوارہ قسم کی عورت ہے۔“

خوشبو لگا کر عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ”جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں جائے تو خوشبو نہ لگائے۔“

عورتوں کو جھانکنے تانکنے اور دوسروں کی باتیں سننے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”جب تک اجازت نہ لے لی جائے، کسی کے گھر میں جھانکا نہ جائے اور اگر کسی نے ایسا کیا تو یوں سمجھو گویا وہ اس گھر کے اندر چلا گیا۔“ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے: ”جو شخص کسی کی باتیں سنے یا دوسرے کی باتوں کی طرف اپنے کان لگائے اور دوسروں کو یہ ناگوار ہو، تو قیامت کے دن اس شخص کے دونوں کانوں میں سیسا چھوڑا جائے گا۔“

عورتیں گھروں میں بیٹھی ہر ایک کی غیبت کرتی رہتی ہیں اور ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو وہ زیادہ اہمیت نہیں دیتیں۔ حدیث میں ان کی بھی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے عائشہ! چھوٹے گناہوں سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کا مواخذہ کرنے والا بھی موجود ہے۔ ایک فرشتہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی لکھتا ہے۔ اس کے بعد قیامت میں ان کا حساب ہوگا اور ان پر عذاب ہوگا۔“

(طبرانی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس عورت پر لعنت ہے جو مردوں کا پہناوا پہنے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”جو کوئی نام و نمود کے لئے کپڑا پہنے خدا تعالیٰ اس کو قیامت میں ذلت کا لباس پہنا کر اس میں دوزخ کی آگ لگائیں گے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے پڑوسی کو تکلیف دی، اس نے گویا مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی، اس نے خدا تعالیٰ کو تکلیف دی اور جو اپنے پڑوسی سے لڑا، وہ مجھ سے لڑا اور جو مجھ سے لڑا وہ اللہ تعالیٰ سے لڑا۔

(طبرانی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حیا ایمان کا ایک جزو ہے اور ایمان بہشت میں پہنچاتا ہے اور بے حیائی بری بات ہے اور بری بات دوزخ میں لے جاتی ہے۔“

(مسند امام احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”جو یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے اور وہ محض اللہ ہی کے لئے ہاتھ پھیرے، تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ گزرا ہے، اتنی نیکیاں اس کو ملیں گی اور جو شخص کسی یتیم لڑکی یا یتیم لڑکے کے ساتھ احسان کرے، جو کہ اس کے پاس رہتا ہے، تو میں اور وہ جنت میں اتنے قریب ہوں گے، جیسے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی۔

(مسلم)

آج کل یہ ایک فیشن ہو گیا ہے کہ مرد اور عورتیں ساتھ ساتھ مل کر سیر کو نکلتی ہیں، چنانچہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملائے چلی جا رہی ہیں، یہ طریقہ اچھا نہیں ہے، اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی آدمی دو عورتوں کے بیچ میں چلے۔

(ابوداؤد)

☆......☆......☆

قسط نمبر 3

مریم غازی

تیرے عشق کی انتہا چاہئے



”سوری! میں کمپیوٹر پر گیم کھیل رہا ہوں، اب میں بچہ نہیں ہوں جو تمہارے ساتھ لڈو کھیلتا رہوں، تم کسی اور کے ساتھ کھیل لو۔“ اس نے کہا اور پیچھے ہٹ گیا۔

امن کا چہرہ بجھ سا گیا۔ عائدہ کے ساتھ کھیل لو، عالیان نے اس کی اداس شکل دیکھتے ہوئے کہا۔ اسے ہمیشہ کی طرح امن پر ترس آیا۔

”وہ گھر پر نہیں ہے، ممی کے ساتھ کہیں گئی ہے۔“ اس نے مایوسی سے کہا۔

ٹی وی پر کارٹونز یا کوئی اچھا سا پروگرام دیکھ لو۔ اس نے دوسرا مشورہ دیا۔

نہیں، کیبل خراب ہے۔ اس نے بیزاری سے کہا۔

تو...... عالیان سوچ میں پڑ گیا۔

تم کھیل لوناں۔ امن نے اسے کہا۔

’’میں تو اب پڑھنے لگا ہوں، تم اس طرح کرو ناول پڑھ لو، انگلش ناول ہے، ٹھہرو میں لے کر آتا ہوں۔‘‘ اس نے کہا اور اٹھ کر اندر گیا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں موٹی سی کتاب تھی۔

یہ شرلاک ہومز کا ہے، اس نے دیوار کے پار سے اسے کتاب تھمائی۔

لیکن میری انگلش اتنی اچھی نہیں، اس نے کہا۔

تم پڑھو تو سہی، تمہیں سمجھ آ جائے گی، عالیان نے کہا۔

پتہ نہیں کیوں اسے اس چھوٹی سی لڑکی پر بے پناہ ترس آتا تھا۔ حالانکہ وہ دایان کی دوست تھی، عالیان کو لگتا تھا کہ دایان خود غرض ہے، جب وہ چھوٹا تھا اور اسے کسی دوست کی ضرورت تھی تو امن کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ اب وہ نائنتھ میں پہنچ چکا تھا، وہ بچہ نہیں رہا تھا کہ امن کے ساتھ بچوں والے کھیل کھیلتا، مگر اسے اس کی یوں دل آزاری تو نہیں کرنی چاہئے تھی۔

امن ناول لے کر لاؤنج میں آ گئی اور دونوں پیر اوپر صوفے پر رکھ کر بیٹھ گئی، ناول پڑھتے ہوئے اسے شروع میں کافی مشکل پیش آئی، مگر پھر رفتہ رفتہ اسے کہانی دلچسپ لگی، وہ ناول پڑھنے میں اتنی مگن تھی کہ اسے فون کی بجتی ہوئی بیل بھی نہ سنائی دی۔

’’امن بی بی! فون ہے۔‘‘ شاداں نے اسے بتایا تو وہ چونک گئی۔

کس کا؟ اس نے پوچھا۔

بڑے صاحب کا، اس نے بتایا، تو وہ جلدی سے بھاگ کر فون اٹینڈ کی طرف گئی۔

ہیلو ابو! اس نے فون اٹھا کر کہا۔

ہیلو بیٹا! کیسی ہو؟ دوسری طرف سے ابو نے کہا۔

میں ٹھیک ہوں، آپ کا کیا حال ہے؟ اس نے پوچ

ممی اور عائدہ کہیں گئے ہیں، اس نے بتایا۔

تم گھر پر اکیلی ہو؟ انہوں نے پوچھا۔

نہیں ابو! شاداں بھی ہے، اس نے معصومیت سے بتا

تمہیں ڈر تو نہیں لگ رہا، انہوں نے پوچھا۔

نہیں تو، وہ حیران ہوئی، وہ تو بارہا یوں اکیلی ر تھی، ممی اکثر ہی اسے چھوڑ کر چلی جاتی تھیں۔

کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے پوچھا۔

میں ناول پڑھ رہی ہوں، عالیان نے مجھے دیا ہے اس نے بتایا۔

عالیان آپ سے بڑا ہے بیٹا، اسے بھائی کہا کر انہوں نے کہا۔

جی ابو، دایان بھی عالیان کہتا ہے، اس نے وضاحت کی۔

اچھا کون سا ناول دیا ہے عالیان نے؟ انہوں نے پوچھا، شاید وہ فارغ تھے، یا پھر کیا بات تھی، اتنی لمبی بات انہوں نے کبھی یہاں رہ کر بھی نہیں کی تھی، پھر اتنی دور سے

شرلاک ہومز کا ہے، اس نے ناول دیکھتے ہوئے بتایا۔

اچھا تمہارے لئے یہاں سے کیا لاؤں؟ انہوں نے پوچھا۔

میرے لئے؟ وہ حیران ہوئی، ابو تو اکثر ہی بزنس کے سلسلے میں بیرون ممالک جاتے رہتے تھے، مگر کوئی خاص چیز اس کے لئے نہیں لائے تھے۔

میرے لئے اسٹوری بکس لے آنا، شرلاک ہومز کی، اس نے یوں ہی کہہ دیا۔

وہ تو میں آپ کو وہاں سے لے دوں گا، یہاں سے کیا لاؤں؟ انہوں نے پھر پوچھا۔

وہاں سے آپ کی مرضی، جو بھی لے آئیں، ا سمجھ نہ آیا۔

اچھا ٹھیک ہے، اللہ حافظ، انہوں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

وہ پھر سے ناول لے کر بیٹھ گئی، مگر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ممی کے بڑے بھائی اور ان کا بیٹا آ گیا۔

رافعہ کہاں ہے؟ انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

’’ممی اور عائدہ کہیں گئی ہیں۔‘‘ اس نے ناول ٹیبل پر رکھ دیا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

ممی کہاں گئی ہے؟ کب تک آ جائے گی؟ انہوں نے پوچھا۔

’’یہ تو مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں گئی ہیں اور کب تک آئیں گی، آپ کچھ دیر انتظار کر لیں۔‘‘ اس نے ٹھہر ٹھہر کر سنجیدگی سے کہا اور ساتھ ہی شاداں کو آواز دی۔

جی بی بی! وہ اپنے دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی کچن سے باہر نکلی۔

جوس لے آؤ، اس کو کہتے ہوئے وہ بڑی مدبر سی لگی، شاداں کچن میں چلی گئی تو وہ یونہی خاموشی سے بیٹھ گئی۔

تم کیا پڑھ رہی تھیں؟ انہوں نے ناول کی طرف اشارہ کیا۔

یہ ناول ہے، اس نے بتایا۔

’’تم ناول پڑھتی ہو اس عمر میں؟‘‘ انہوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

’’اس طرح کے فضول ناول پڑھتی ہو تبھی پڑھائی میں کمزور ہو، رافعہ بتا رہی تھی کہ اس مرتبہ بھی تم نے سی گریڈ لیا ہے، اپنی پڑھائی پر توجہ دو لڑکی، اور تمہارا کام ہی کیا ہوتا ہے سارا دن۔‘‘ انہوں نے سختی سے کہا۔

’’ارے بھائی جان آپ!‘‘ اسی لمحے رافعہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں تھیں۔ امن نے موقع غنیمت جانا اور چپکے سے اٹھ کر کچن میں آ گئی۔

’’شاداں! ممی آ گئیں ہیں تم چائے بنا لو اور ساتھ میں کباب، رول، سموسے بھی فرائی کر لینا اور عظیم کو بھیج کر بازار سے بھی کچھ منگوا لو، ممی کے بڑے بھائی ہیں ان کی تواضع میں کوئی کمی نہ ہو۔‘‘ بڑے مدبرانہ انداز میں اسے کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

یہ اس دن کی بات تھی جب فاخرہ مبین اور ان کی دونوں بیٹیوں کو تفسیر کی کلاس لیتے ہوئے پورا ماہ ہو چکا تھا، دن کے کھانے کے لئے فاخرہ مبین جب ڈائننگ روم میں داخل ہوئیں تو نمرہ اور یسریٰ ان کے انتظار میں بیٹھی تھیں، معارج کی کرسی خالی تھی۔

’’معارج کو کھانے کے لئے بلاؤ۔‘‘ انہوں نے بانو سے کہا۔

’’جی بیگم صاحبہ!‘‘ وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی، نمرہ اور یسریٰ کھانا شروع کر چکیں تھیں جبکہ وہ معارج کے انتظار میں بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر بعد بانو کی واپسی ہوئی تو انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

’’بیگم صاحبہ! میں نے بہت دیر دروازہ بجایا ہے، مگر انہوں نے جواب ہی نہیں دیا۔‘‘ اس نے بتایا۔

’’وہ گھر ہی ہے ماں؟‘‘ انہوں نے پوچھا۔

’’جی بیگم صاحبہ! وہ تو صبح سے اپنے کمرے میں ہی ہیں، انہوں نے صبح کا ناشتہ بھی نہیں کیا۔‘‘ اس نے بتایا تو وہ پریشان ہو گئیں۔

’’تم لوگ کھانا کھاؤ، میں معارج کو دیکھتی ہوں۔‘‘ وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر وہ اندر داخل ہوئیں تو پہلے تو انہیں کچھ دکھائی ہی نہ دیا، کیونکہ کھڑکیوں کے آگے پڑے ہوئے دبیز پردوں نے کمرے کو تاریک کر رکھا تھا، انہوں ے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی، معارج اپنے بیڈ پر بے سدھ پڑا تھا۔

معارج! انہوں نے آہستہ سے آواز دی، مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ کسی انجانے خدشے کے تحت ان کا دل لرزنے لگا، انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور فوراً ہی ہٹا لیا، کیونکہ اے سی کی ٹھنڈک میں بھی اس کی پیشانی آگ کی طرح دہک رہی تھی، انہوں نے گھبرا کر جلدی سے نمرہ اور یسریٰ کو آواز دے ڈالی، ان کی

بوکھلاہٹ بھری آواز سن کر وہ دونوں ہی بھاگتی ہوئی آئیں۔

کیا ہوا مما؟ نمرہ نے پوچھا۔

"بیٹا ڈاکٹر قریشی کو فون کر کے بلاؤ، یہ تو بے ہوش ہے۔" انہوں نے کہا، تو وہ جلدی سے باہر نکل گئی، ڈاکٹر قریشی ان کے بہنوئی بھی تھے اور فیملی ڈاکٹر بھی، جتنی دیر ڈاکٹر آتے، وہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں اس کی پیشانی پر رکھتی رہیں، ڈاکٹر قریشی نے آتے ہی ٹمپریچر چیک کیا تو 102 تھا۔

"ٹمپریچر زیادہ تھا، اس وجہ سے بیہوش ہوگیا تھا، گلے میں انفکشن ہے، پریشانی کی کوئی بات نہیں، یہ میڈیسن ہیں، پابندی سے دیں تو جلد ہی ٹھیک ہوجائے گا۔" انہوں نے ایک کاغذ پر چند ادویات کے نام لکھتے ہوئے کہا۔ فاخرہ نے ان سے دوائیوں کا نسخہ لے کر ڈرائیور کو دیا۔

"میں چلتا ہوں کیونکہ کلینک پر مریض میرا انتظار کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر قریشی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"نہیں ڈاکٹر! پلیز آپ کچھ دیر بیٹھیں کھانا کھا کر جائیے گا۔" فاخرہ نے ان سے کہا۔

"شکریہ! لیکن میں اس وقت مجبور ہوں، مریض انتظار کرتے ہوں گے، پھر کسی وقت آؤں گا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تو فاخرہ بھی انہیں رخصت کرنے کے لئے کھڑی ہوگئیں۔

"اتنی طبیعت خراب تھی تو مجھے بتایا کیوں نہیں؟" ڈاکٹر کے جانے کے بعد فاخرہ مبین نے معارج کے پاس بیٹھتے ہوئے بے حد پیار سے کہا۔ وہ جواباً خاموش رہا۔

مما! کھانا؟ یسریٰ نے کہا۔

"تم دونوں کھالو، مجھے بھوک نہیں اور خالدہ سے کہو کہ معارج کے لئے چکن کارن سوپ بنا دے۔" انہوں نے کہا تو وہ دونوں باہر نکل گئیں۔ معارج یونہی آنکھیں بند کئے لیٹا رہا، وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے اسے دیکھتی رہیں، انہیں معتصم سے بے حد محبت تھی، معارج کے لئے انہوں نے اپنے دل میں کبھی اتنی محبت محسوس نہیں کی جتنی کہ معتصم کے لئے تھی اور بنیادی وجہ تھی جس نے اسے ان سے دور کر دیا تھا، نہیں تھی کہ وہ معارج سے محبت ہی نہیں کرتیں تھیں، ان کا بیٹا تھا، وہ اس سے بھی بے حد محبت کرتیں تھیں، ایلیٹ کلاس کی ماؤں کی طرح انہوں نے کبھی بھی کے سوا، اپنی باقی اولاد سے محبت کا اظہار نہیں کیا تھا، اب جبکہ وہ ایک با مقصد زندگی گزارنے کی کوشش شروع کر چکیں تھیں تو ان کے خیالات اور نظریات بھی تبدیل ہو چکے تھے۔

نمرہ، معارج کے لئے گرم دودھ کے ساتھ کے سلائس لے کر آئی۔

معارج! انہوں نے آہستہ سے اسے آواز دی تو نے آنکھیں کھول کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا، ٹرے ان کے ہاتھ میں دیکھ کر وہ چپ چاپ اٹھ بیٹھا، فاخرہ مبین نے اسے اپنے ہاتھ سے کھلانا چاہا، مگر اس نے ٹرے ان کے ہاتھ لے سے لی، ایک سلائس کھا کر اور دودھ کے ساتھ دوائی لے کر وہ خاموشی سے لیٹ گیا، اس نے نمرہ سے کوئی بات کی اور نہ فاخرہ سے۔

"معارج!" نمرہ کے چلے جانے کے بعد انہوں نے پھر اسے مخاطب کیا تو اس نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔

"مجھ سے خفا ہو بیٹے؟" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے مختصر جواب دے کر آنکھیں بند کرلیں۔ مگر اس کے لہجے کی سختی اور بیگانگی ان کی آنکھوں کو غمناک کر گئی۔

"آپ کب جائیں گی یہاں سے؟؟؟ میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"میں تمہارے لئے ہی یہاں بیٹھی ہوں بیٹا" انہوں نے نرمی سے کہا۔

"مت بیٹھیں، میں نے آپ کو یہاں بیٹھنے کو نہیں کہا۔" اس نے بدتمیزی سے جواب دیا۔

"میں تمہاری ماں ہوں بیٹا! تم سے بے حد محبت کرتی ہوں، وہ بولیں۔

"نہیں کرتیں آپ مجھ سے محبت، آپ صرف معتصم سے محبت کرتیں تھیں۔ مجھ سے آپ نے کبھی بھی محبت نہیں کی، اب معتصم نہیں ہے تو آپ چاہتی ہیں کہ میں معتصم جیسا بن جاؤں تاکہ آپ کو کسی طرح معتصم کی کمی محسوس نہ ہو، میں بہت اچھی طرح آپ کا مقصد سمجھتا ہوں، لیکن آپ ایک بات اچھی طرح سن لیں!!! میں نہ تو معتصم ہوں اور نہ ہی معتصم بنوں گا، میں معارج ہوں اور معارج ہی رہوں گا۔" وہ چلا کر بولا تو فاخرہ مبین ششدر رہ گئیں، وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں، اس کا سانس تیزی سے چل رہا تھا اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"تم...... تم...... معارج! یہ کیا کہہ رہے ہو کہ مجھے تمہارے ساتھ کبھی محبت نہیں تھی!! مجھے، تمہاری ماں کو؟ ٹھیک ہے مجھے معتصم کے ساتھ زیادہ محبت تھی، کیونکہ وہ میرا پہلا بیٹا تھا، لیکن تم نے یہ کیوں کہا کہ مجھے تمہارے ساتھ کبھی بھی محبت نہیں تھی، میں تمہاری ماں ہوں، میں نے تمہیں جنم دیا اور مجھے تمہارے ساتھ محبت نہیں ہوگی؟؟ اور میں تمہیں کیوں معتصم بنانا چاہوں گی؟ کیا معتصم کوئی چیز تھا کہ جب وہ نہیں رہا تو میں اس کی جگہ کسی اور کو دے دوں گی؟ معتصم کا جو مقام میرے دل میں اس کی زندگی میں تھا، مرنے کے بعد بھی اس کا وہی مقام ہے، تمہاری اپنی جگہ ہے، میں کیوں چاہوں گی کہ تم معارج سے معتصم ہوجاؤ؟ تم میرے بارے میں اتنا غلط سوچتے ہو معارج! اپنی ماں کے بارے میں!!! ماں جو اپنی زندگی کے بدلے اولاد کی زندگی چاہتی ہے، میں اگر چاہتی ہوں کہ تم دین کی راہ پر لگ جاؤ، اپنے مقصد زندگی کو پہچان لو، تو میں کیا تمہاری دشمنی میں ایسا چاہتی ہوں؟ اگر یہ غلط راستہ ہوتا تو میں اپنے لئے کیوں تجویز کرتی؟ معارج تم نے اپنی ماں کے بارے میں بہت غلط سوچا، میں تمہارے ساتھ اتنی محبت کرتی ہوں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے اور تم کہتے ہو کہ......" وہ بولتی چلی گئیں، یہاں تک کہ ان کی آواز بھرا گئی، معارج نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا، وہ اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گئیں اور میز پڑے جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر گھونٹ گھونٹ پینے لگیں۔

☆......☆......☆

مصطفیٰ احمد دبئی سے واپس آچکے تھے اور پہلی مرتبہ اس کے لئے گولڈ کی ایک نفیس سی انگوٹھی لائے تھے، امن مصطفیٰ کو سمجھ نہ آئی کہ وہ اپنی خوشی کا اظہار کس طرح کرے؟ اس نے دایان کو اپنی رنگ دکھائی، لیکن اس نے صرف اتنا ہی کہا کہ "رنگ خوبصورت ہے" اور خاص دھیان نہ دیا، امن کو افسوس ہوا، وہ اپنی زندگی کے اس پہلے تحفے پر تبصرہ کرنا چاہتی تھی، مگر وہ اسے ایک گیم دکھانے لگا، رافعہ کے علم میں نہیں تھا کہ مصطفیٰ احمد، امن کے لئے بھی کوئی چیز لائے ہیں، عائدہ کے لئے ڈھیروں کھلونے اور ان کے لئے نازک گولڈ کی چین تھی، مصطفیٰ پاکستان آنے کے کچھ ہی دن بعد کراچی چلے گئے، کیونکہ وہ اپنا کاروبار لاہور سے کراچی شفٹ کر رہے تھے اور کاروبار سیٹ ہوجانے کے بعد ان کی فیملی بھی کراچی ہی چلی جاتی، امن کو اس بات کی کوئی خاص پرواہ نہ تھی، کیونکہ اس کے خیال میں ابھی شفٹنگ میں ڈیڑھ، دو سال لگ جاتے، مگر اس دن جب اس نے رافعہ کو فون پر کسی سے کہتے سنا کہ دو ماہ تک وہ لوگ کراچی شفٹ ہوجائیں گے تو اسے دھچکا سا لگا، صرف دو ماہ بعد وہ اپنا یہ پیارا سا گھر چھوڑ دے گی اور دایان جیسا اچھا دوست بھی، وہ جیسا بھی تھا مگر اس کے نزدیک بہت اچھا تھا، جس سے وہ اپنی ساری باتیں کر لیتی تھی، نئی جگہ پر نا معلوم کیسے ہمسائے ہوں؟ نیا اسکول ہوگا، نئی لڑکیاں ہوں گی، دوستیں بنانے کے معاملے میں تو وہ شروع ہی سے بد قسمت تھی، اتنے سال اسکول میں گزارنے کے بعد وہ ابھی تک کوئی ایسی دوست نہیں بنا پائی تھی جس سے وہ راز کی باتیں کر سکتی، بچپن سے ہی ماں کی وفات اور باپ کی

بے توجہی نے اسے طبعاً خاموش اور تنہائی پسند بنا دیا تھا، شروع میں تو ممی اسے فارغ رہنے کا موقع ہی کم دیتی تھیں، لیکن جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی جارہی تھی، کام جلدی ختم کرلیتی، پھر جب سے اس نے عالیان سے ناول لے کر پڑھا تھا، اسے مطالعہ میں دلچسپی پیدا ہوگئی تھی اور وہ عالیان سے ناول لے لے کر پڑھتی رہتی تھی، اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ اب وہ فارغ رہ کر بور نہیں ہوتی تھی اور دوسرا یہ کہ اس کی انگلش بہت اچھی ہوگئی تھی۔

رمضان شروع ہو چکا تھا، مگر وہ ہمیشہ کی طرح بغیر روزے کے تھی، اس دن صبح عائدہ نے چپس کا پیکٹ آدھا کھا کر اسے دے دیا، وہ چپس کھاتی ہوئی اوپر ٹیرس پر آگئی اور دایان لوگوں کے گھر جھانکنے لگی، لان میں کوئی بھی نہیں تھا، وہ یونہی چپس کھاتے ہوئے ان کے گھر دیکھ رہی تھی، جب اس نے دایان کی کزن صبا کو ان کے گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھا۔

''ہائے'' اس نے آواز دی تو صبا نے اوپر دیکھا اور ہاتھ ہلایا، لیکن پھر اسے دیکھ کر چونک گئی۔

تمہارا روزہ نہیں ہے؟ اس نے حیرت سے پوچھا۔

''NO'' امن نے جواب دیا۔

''تمہیں پتا ہے روزے فرض ہوتے ہیں اور سب نے رکھنے ہوتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''میں نے تو کبھی نہیں رکھے۔'' وہ بولی۔

''تم خود کو ابھی تک بچی سمجھتی ہو؟'' صبا طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

''او کے!'' وہ اسے ہاتھ ہلاتی ہوئی اندر چلی گئی۔

وہ چپس کا پیکٹ وہیں چھوڑ کر سیدھا نیچے آئی، شاداں ٹی وی لاؤنج میں کارپٹ پر بیٹھی تھی۔

شاداں تمہارا روزہ ہے؟ اس نے آتے ہی پوچھا۔

جی امن بی بی، اس نے کہا۔

''اچھا کل جب روزہ رکھنے کے لئے اٹھو گی تو مجھے بھی اٹھانا۔'' اس نے کہا تو شاداں نے سر ہلا دیا۔

''اور سنو! اگر ممی منع کریں تو چپکے سے مجھے اٹھا دینا۔'' اس نے دوبارہ کہا، اگلی صبح جب شاداں نے اسے جگایا تو وہ بڑی مشکل سے اٹھی، ممی نے جب اسے ٹیبل پر آتے دیکھا تو ان کے چہرے پر حیرت کے تاثرات پھیل گئے۔

''تم روزہ رکھو گی؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''آج کیسے خیال آگیا، پہلے ہی دس روزے گزر گئے ہیں۔'' انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''میری سب فرینڈز بھی رکھتی ہیں اس لئے۔'' اس نے یونہی بات بنائی۔

ابو ابھی تک کراچی سے نہ لوٹے تھے، ممی نے اکثر روزے نہیں رکھے تھے، بقول ان کے، ان کی طبیعت خراب ہو جاتی تھی، البتہ اس نے باقاعدہ سب روزے رکھنے شروع کردیئے، پہلی مرتبہ روزہ رکھا تھا سو بہت مشکل لگ رہا تھا، اس نے دن میں کئی مرتبہ سوچا کہ پانی پی لے، لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ دایان کے کزنوں کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع نہیں دے گی۔

پھر اکیسویں روزے والے دن ابو بھی آگئے، اسے پتا چلا تو وہ بھاگتی ہوئی ان کے کمرے میں گئی۔

السلام علیکم ابو! ممی کو نظرانداز کرتے ہوئے اس نے انہیں سلام کیا۔

وعلیکم السلام! کیسی ہو بیٹا؟ انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں ابو، پتا ہے میں روزے رکھ رہی ہوں۔'' اس نے خوشی سے بھرپور لہجے میں بتایا تو وہ مسکرا دیئے۔

یہ تو بڑی اچھی بات ہے، کتنے روزے رکھے ہیں؟ انہوں نے پوچھا۔

''آج گیارہواں ہے۔'' اس نے بتایا۔

ویری گڈ، یہ لو تمہارا انعام، انہوں نے پانچ سو

نوٹ اسے تھمایا۔

''یہ تو بہت زیادہ ہیں ابو، میں ان کا کیا کروں گی۔'' وہ بولی۔

''اپنے لئے کوئی چیز خرید لینا۔'' ابو کو اس کی معصومیت پر ہنسی آگئی۔

اتنے سارے پیسوں کی چیز...... وہ حیران ہوئی۔

ہاں بھئی، اپنی پاکٹ منی سے کیا لیتی ہو؟ انہوں نے پوچھا۔

مجھے تو پاکٹ منی نہیں ملتی، وہ بولی۔

کیوں تمہاری ممی نہیں دیتیں؟ ابو حیران ہوئے۔

''میں ہر ہفتے اس کو ضرورت کا سامان لے دیتی ہوں، پاکٹ منی کا اس نے کیا کرنا ہے، یہ کون سا باہر جاتی ہے۔'' ممی نے تیز تیز بولتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی رافعہ! امن اب اتنی چھوٹی بچی بھی نہیں ہے کہ تم اس کو پاکٹ منی دینا مناسب نہ سمجھو۔'' ابو، ممی کی طرف متوجہ ہوئے۔

''ہاں، میں سوچ رہی تھی کہ اب یہ سیونتھ میں جائے گی تو پھر پاکٹ منی اس کو دے دیا کروں گی۔'' ممی نے جلدی سے کہا تو ابو نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر امن کی طرف متوجہ ہوگئے۔

''ٹھیک ہے بیٹا، آپ اب جاؤ آرام کرو۔'' انہوں نے کہا تو وہ اپنے کمرے میں آگئی۔

ہمیشہ کی طرح ممی عید سے پہلے ابو کے ساتھ جا کر اس کے لئے عید کے کپڑے لے آتیں، عید کے روز اس کی آنکھ جلدی نہ کھل سکی، وہ دیر سے اٹھی، انگوری رنگ کا کڑھائی والا قمیص شلوار پہنا اور ساتھ کا دوپٹہ اوڑھ کر وہ باہر نکل آئی، شاداں کے ساتھ گاؤں سے اس کی کوئی رشتہ دار بھی آئی ہوئی تھی، وہ دونوں کچن میں مصروف تھیں۔

شاداں! ناشتہ دے دو، وہ کچن ٹیبل پر بیٹھ گئی تو شاداں اس کے لئے ناشتہ گرم کرنے لگی۔

''یہ کوئی طریقہ نہیں ہے کہ تم دس بجے اٹھو اور پھر تمہاری خدمت میں ناشتہ لگایا جائے شہزادی صاحبہ! یہ نخرے میرے گھر میں دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ممی کی تیز آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی، اس نے سر اٹھا کر دیکھا، وہ کچن کے دروازے میں کھڑی کڑی نگاہوں سے اسے گھور رہی تھیں، ان کی نظریں اسے اپنے وجود میں اترتی سی محسوس ہوئیں، اس نے سامنے رکھے ہوئے ناشتے کو بے دلی سے دیکھا اور پھر چائے کا کپ اٹھا کر باہر نکل آئی۔

''یہ گھر صرف ممی کا ہی نہیں تھا، اس کے باپ کا بھی تھا۔'' اس نے سوچا کہ وہ یہ بات ممی سے کہے مگر وہ صرف سوچ کر رہ گئی، ابو عید کی نماز ادا کرنے گئے تھے اور ابھی تک ان کی واپسی نہیں ہوئی تھی، چائے پی کر اس نے سوچا وہ دایان سے مل آئے تو وہ اٹھ کر ان کے گھر چلی آئی۔

دایان ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔

السلام علیکم! دایان، عید مبارک، اس نے اندر داخل ہو کر کہا۔

وعلیکم السلام! تمہیں بھی عید مبارک، اس نے کہا۔

تم اب ناشتہ کر رہے ہو؟ امن نے مسکرا کر کہا۔

ہاں، دیر سے اٹھا تھا، اس لئے، آجاؤ، اس نے کہا۔

باقی سب لوگ کہاں ہیں؟ اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ پاپا اور عالیان نماز پڑھنے گئے ہیں مسجد اور مما اپنے روم میں ہوں گی، اس نے بتایا۔

تم نے ابھی تک کپڑے بھی نہیں چینج کئے، امن نے کہا، دایان ابھی تک ٹراؤزر اور شرٹ پہنے ہوئے تھا۔

ہاں، ناشتہ کرلوں، پھر کرتا ہوں، تمہارے لئے ایک گڈ نیوز ہے، اس نے مسکراتے ہوئے کہا، تو اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

کیا؟ اس نے پوچھا۔

''میں امریکہ جارہا ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے پرجوش انداز میں بتایا۔

''کیا۔'' امن کا منہ کھلا رہ گیا۔

”کب؟“ اس نے پوچھا۔
”Next Month۔“ دایان نے فخر سے بتایا۔
انکل کے ساتھ؟ اس نے پھر سوال کیا۔
اوہ نو، اپنے اسکول کی طرف سے، وہ بولا۔
کتنے ٹائم کے لئے؟ اس نے پوچھا۔
for one year (ایک سال کیلئے) اس نے بتایا۔
مگر دایان کیسے؟ مجھے سمجھ نہیں آیا، اسکالر شپ پر جارہے ہو؟ اس کے چہرے پر الجھن کے تاثرات تھے، جیسے اسے دایان کی بات سمجھ نہ آئی ہو۔
”نہیں، اسکالر شپ پر نہیں، امریکہ کی ایک کمپنی ہی سمجھ لو، جو کہ یہاں سے بریلینٹ اسٹوڈنٹس کو امریکہ لے کر جاتی ہے، وہاں پر کچھ ایسی ایکسر سائزز کروائی جاتی ہیں جن سے آئی، کیو لیول بڑھ جاتا ہے اور بچے مور انٹیلیجنٹ ہوجاتے ہیں۔“ اس نے بتایا۔
”میں ابھی بھی نہیں سمجھ سکی۔“ وہ اب بھی الجھن میں تھی۔
”تم سمجھ بھی نہیں سکو گی، تمہارے پاس اتنا ذہن ہی نہیں ہے۔“ اب اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا تو امن شرمندہ ہوگئی۔
”تم وہاں رہو گے کہاں؟ فون نمبر وغیرہ تو ہوگا ہی ناں، میں تمہیں کال کیا کروں گی۔“ اس نے کہا، اس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔
”یہ تو نہیں معلوم کہ وہاں پر کہاں ٹھہروں گا اور فون وغیرہ پر تو کسی سے بات نہیں ہوسکے گی، مما اور پاپا سے بھی نہیں، بلکہ انہیں تو یہاں پر یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ میں ہوں کہاں؟“ اس نے بتایا۔
”لیکن دایان یہ ٹھیک تو نہیں ہے ناں، وہ اگر وہاں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کریں تو، یہاں تو کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔“ امن نے پریشانی سے کہا۔
کچھ نہیں ہوتا بی اماں، وہ ہنسا، اس وقت اس کی مما اپنے کمرے سے باہر آئیں۔

السلام علیکم! آنٹی، امن نے انہیں دیکھ کر سلام کیا، وہ بڑی اچھی طرح تیار ہوئی تھیں۔
وعلیکم السلام! کیسی ہو امن؟ انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔
میں ٹھیک ہوں، اس نے جواب دیا، دایان کی باتوں نے اس کا ذہن اتنا الجھا دیا تھا کہ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ ہمیشہ کی طرح یونہی دایان کے گھر نہیں آئی بلکہ عید کے ”خاص دن“ کی وجہ سے آئی ہے اور اسے دایان کی مما کو ”عید مبارک“ کہنا ہے۔
دایان تم ناشتہ کر چکے ہو تو اٹھ کر چینج کرو اور ہاں امن سے بھی کچھ پوچھا ہے چائے وغیرہ کا، انہوں نے دایان سے پوچھا۔
نو مما، آپ خود پوچھ لیں، اس نے کہا۔
یہ رضیہ کہاں مرگئی ہے؟ رضیہ! رضیہ! انہوں نے کام والی لڑکی کو آواز دی تو وہ جلدی سے کچن سے نکلی۔
”جی بیگم صاحبہ!“ اس نے مؤدب لہجے میں کہا۔
کہاں مرگئیں تھیں تم، انہوں نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔
امن کب سے آئی ہوئی ہے، عید کا دن ہے، ٹیبل سیٹ کرو، جلدی ابھی، باقی سب مہمان بھی آرہے ہوں گے، وہ اونچی آواز میں بولیں۔
”جی بیگم صاحبہ! بس ابھی کرنے ہی والی تھی۔“ وہ آہستہ سے بولی اور کام میں مصروف ہوگئی، دایان سب طرف سے لاتعلق چائے کے گھونٹ بھرتا رہا۔ امن خاموش بیٹھی رہی۔
”امن تم بیٹھو، میں ذرا اپنے کمرے میں ہوں، ابھی عید مبارک کے فون بھی کرنے ہیں۔“ آنٹی نے امن سے کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ تمہارے جانے کے بعد میں بہت اکیلی ہوجاؤں گی۔“ امن نے دایان سے کہا۔
”کیا بچوں والی بات ہے امن۔“ وہ ہنسا۔
”اب ہم بڑے ہوچکے ہیں۔“ اس نے کہا تو امن

اسے دیکھ کر رہ گئی۔
”اور یوں بھی پاپا بتا رہے تھے تم لوگ بھی کچھ عرصے میں یہاں سے کراچی شفٹ ہو رہے ہو۔“ دایان نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔
”تو میں نے کراچی تو تمہارے ساتھ نہیں جانا تھا ناں، وہاں بھی تمہیں نئے فرینڈز بھی بنانے ہوں گے۔“ اس نے کہا، اس کی بات ٹھیک تھی، لیکن پھر بھی پتا نہیں کیوں امن مصطفیٰ کا دل اداس ہوگیا۔
اچھا دایان! میں چلتی ہوں، پھر چکر لگاؤں گی، وہ اچانک ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور دایان کو خدا حافظ کہتی باہر آگئی، دایان نے اسے رکنے کے لئے کہا بھی نہیں۔
عائدہ پنک رنگ کا پھولا ہوا فراک اور ساتھ میں ڈھیروں ہم رنگ چوڑیاں پہنے، لان میں جھولا، جھول رہی تھی، امن کو بے اختیار ہی اس پر پیار آگیا اور اس نے اسے جھولے سے اٹھا کر ڈھیروں پیار کر ڈالے۔
آپی آج عید ہے، وہ توتلی آواز میں بولی۔
ہاں، آج عید ہے، امن نے مسکرا کر کہا۔
”عائدہ کی چوڑیاں ہیں، آپی کی چوڑیاں نہیں ہیں۔“ اس نے اپنی چوڑیوں پر انگلی رکھ کر امن کی خالی کلائیوں کو دیکھا۔
نہیں آپی کی چوڑیاں نہیں ہیں، امن نے کہا۔
عائدہ کے کلپ ہیں، آپی کے کلپ نہیں ہیں، اس نے پھر اپنے کلپ پر انگلی رکھ کر پہلے کے سے انداز میں سوال کیا تو وہ ہنس دی۔
”نہیں آپی کے کلپ نہیں ہیں۔“ اس نے کہا۔
آپی اچھی ہے، اس نے منہ بنا کر کہا تو امن نے پھر اسے ڈھیروں ڈھیر پیار کر دیئے۔
اندر چلیں، اس نے عائدہ سے پوچھا۔
عائدہ جھولا لے گی، اس نے جھولے کی طرف اشارہ کیا، تو امن نے اسے جھولے پر بٹھا دیا اور خود اندر آگئی، ممی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھیں، سیاہ ساڑھی میں ملبوس ان کا حسن قیامت خیز لگ رہا تھا، وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں، اسے خیال آیا کہ اس نے بالوں میں برش بھی نہیں کیا، وہ جلدی سے اپنے کمرے میں آگئی، بالوں میں برش کر کے اسے اپنے گھنگھریالے بالوں کی اونچی سی پونی بنائی اور پھر کچھ سوچ وہ رنگ نکال کر انگلی میں پہن لی جو ابو اس کے لئے دبئی سے لائے تھے اور پھر باہر آگئی، ممی نے ایک نظر اس پر ڈال کر ہٹالی، لیکن پھر ساتھ ان کی نگاہ اس کے ہاتھ پر پڑی۔
تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ انہوں نے پوچھا۔
یہ رنگ ہے، اس نے ہاتھ ان کے سامنے کیا۔
یہ کہاں سے لی تم نے؟ چوری کی ہے؟ وہ غصے سے چلائیں۔
”نہیں...... نہیں...... نہیں، میں نے چوری نہیں کی۔“ وہ بوکھلا کر بولی۔

☆......☆......☆

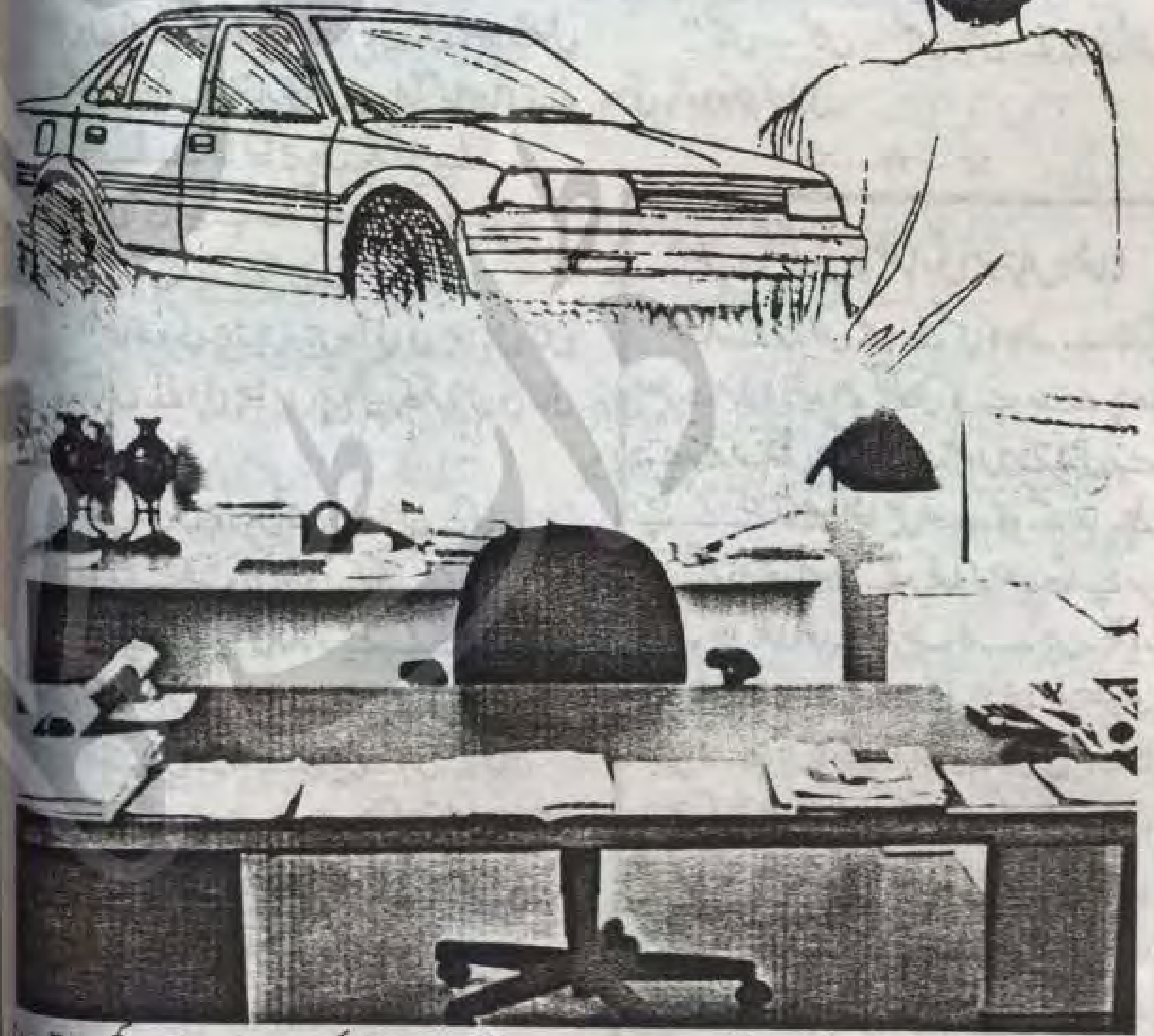
حضرت گنگوہیؒ کا طلباء کی جوتیاں اٹھانا

ہمارے بزرگوں میں سے کسی کا واقعہ ہے، غالباً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ہے، حدیث پڑھا رہے تھے کہ بارش ہوگئی، طالب علموں نے بارش سے بچنے کے لئے کتابیں اٹھائیں اور درسگاہ کے اندر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ حضرتؒ اپنے سر پر ایک بڑا گٹھا اٹھائے تشریف لا رہے ہیں۔ طلباء حیران ہوئے کہ کتابیں تو ہم لے آئے، نجانے حضرت کیا چیز لا رہے ہیں؟ جب دارالحدیث میں پہنچ کر وہ گھٹا سامنے رکھا تو طلبا کو معلوم ہوا کہ یہ تو ان کی جوتیاں ہیں، جنہیں حضرتؒ باندھ لائے ہیں۔ حضرتؒ نے ان کی پریشانی بھانپ کر فرمایا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، تم نبی علیہ السلام کی احادیث مبارکہ سیکھنے آتے ہو، اگر میں تمہارا جوتا اٹھالوں تو قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوجائے گی۔

ایک زندگی ایک کہانی

بقا، بحر فنا میں غرق ہو کر ہم نے حاصل کی

ام حیات ہنگورا



مسز باجوہ نے شینا کے علاج کے ساتھ ہی اپنا علاج کروانا شروع کر دیا تھا، جب میں نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی لڑائی، اپنے بیڈ روم تک رکھیں، تو جواباً انہوں نے مجھ سے پوچھا، یہ کیسے ممکن ہے، کیونکہ وہ

بذات خود اپنے غصے سے خائف تھیں، رمضان میں، میں کلینک نہیں کرتی، مگر مسز باجوہ کے بے حد اصرار پر ہر تیسرے دن آدھے گھنٹے کا سیشن کرتی تھی۔

☆......☆......☆

مسز باجوہ جب آئیں، تو آتے ہی کہنے لگیں۔

"میرے دل کو کوئی نہیں سمجھتا، نہ میری ماں، نہ میری بہن، نہ میرا بھائی، اور یہ جب مجھے کوئی سمجھتا نہیں، تو میرا کسی سے ملنے کا دل نہیں کرتا، اسی لئے میں ان سب سے زبردستی ملتی ہوں، یہ لوگ مجھ سے بات کرتے ہیں تو ان سے بات کرتی ہوں، ورنہ میں ان لوگوں سے ملنا تو دور کنار بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔"

"اور مسٹر باجوہ سے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہم دونوں یہ ساتھ زبردستی نباہ رہے ہیں، صرف اپنے بڑوں اور شینا کی خاطر۔" وہ اداسی سے بولیں۔

"اس کی وجہ بتائیں گی آپ کہ آپ ہر رشتے سے نالاں کیوں ہیں؟" میں نے دریافت کیا۔

"میں آپ کو کیسے سمجھاؤں، میرے والدین نے میری شادی زبردستی باجوہ صاحب سے کر دی، حالانکہ وہ مجھے نہیں، عائشہ کو پسند کرتے تھے۔" وہ پھیکی ہنسی ہنس دیں۔

"مسز باجوہ اس طرح نہیں، شروع سے آخر تک ایک ایک بات بتائیں، تاکہ میں آپ کی بات کو اور آپ کے کیس کو مکمل طور پر سمجھ سکوں۔" میں نے ان سے کہا۔

"ہمارا جس گاؤں سے تعلق ہے، وہ ابھی کسی حد تک مذہبی روایات برقرار رکھے ہوئے ہے، اب ہماری بچیاں پردے میں اسکول جاتی ہیں، جس وقت میں چھوٹی تھی، اس وقت لڑکیوں کا کوئی اسکول نہ تھا جبکہ لڑکے پڑھنے شہر جاتے تھے، مردوں کی بیٹھک علیحدہ اور عورتوں کی بیٹھک علیحدہ ہوتی ہے اور شادیاں بھی ہماری خاندان ہی میں ہوتی ہیں، میری ساس رشتے میں میری تائی ہیں، نبیل بچپن ہی سے الگ مزاج کا تھا، خاندان میں وہ واحد تعلیم یافتہ ہے جبکہ میرے بھائی اور نبیل کے بھائی سب بمشکل آٹھویں جماعت پڑھ پائے اور زمینوں کے کام کاج میں لگ گئے، میری بات بچپن ہی سے نبیل سے طے تھی، یہ بات بھی ہم کو معلوم تھی، نبیل نے جب پڑھائی مکمل کی اور پھر......؟

☆......☆......☆

"اماں میں کلثوم سے شادی نہیں کر سکتا، تو بھلے میری شادی عائشہ سے کروا دے، مگر مجھے کلثوم پسند نہیں۔" نبیل اپنی ماں کے پاس بیٹھا، اپنے دل کی بات کر بیٹھا۔

"نہ پتر نہ، یہ کیسی بات کر دی، عائشہ تیرے بھائی کی منگ ہے، وہ تیری ہونے والی سالی ہے، یہ تو نے سوچا کیسے؟ آخر دونوں میں فرق کیا ہے، ایک جیسی تو ہیں دونوں بہنیں۔" نذیراں بولی۔

"یہ آپ نہیں سمجھ سکتیں، کلثوم اور میرے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے، کبھی آپ نے غور کیا ہے، وہ چلتی کیسے ہے، اس میں اور ماے شکور کے بیٹے افضل میں کوئی فرق ہے، وہ ہنستی بھی ہے تو مردوں کی طرح، آپ لوگ رشتے طے کرتے وقت بچوں کی مرضی تو معلوم کر لیا کریں، اسی کی بہن عائشہ کو دیکھ لیں، ضد ہے وہ کلثوم کی۔" نبیل نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا پتر! یہ تو موم کی گڑیاں ہیں، جیسے چاہے گا مڑ جائے گی، تو فکر نہ کر، میں تیری چاچی کو سمجھا دوں گی، وہ کلثوم کو سب سکھا دے گی، جیسا تو چاہتا ہے، وہی ہو جائے گا۔" نذیراں نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔

☆......☆......☆

"شریفاں دیکھ، یہ نبیل کیسی باتیں کر رہا ہے، میرا تو دل ہولا دیا۔" نذیراں رات کو شریفاں سے کہنے لگی۔

"کیا ہوا بھابی، خیریت تو ہے۔" شریفاں گھبرا کر بولی۔

"کہتا ہے، عائشہ سے شادی کروں گا، کلثوم کو کچھ آتا جاتا نہیں ہے۔" نذیراں تیز تیز کہنے لگی۔

"ہائے، وہ تو عدیل کی منگ ہے، یہ شہری پڑھائی

نے تو دیدوں کا پانی مروادیا ہے، ہائے، کمبخت نے سوچا بھی کیسے۔" شریفاں بھی جواباً چیخ کر بولی۔

"آہستہ بول شریفاں، بچیاں کمرے میں سو رہی ہیں، ان لوگوں کی آنکھ نہ کھل جائے۔" مگر یہ بات عائشہ اور کلثوم ہی نے نہیں، بلکہ دوسری تمام لڑکیوں نے بھی سن لی۔

☆......☆......☆

"ہائے کلثوم، تیرا گزارا کیسے ہوگا، نبیل بھاجی تو تجھے چاہتا ہی نہیں۔" شہناز نے کلثوم کو چھیڑا۔

"تو میں کون سا اس سے شادی کے لئے مری جارہی ہوں۔" کلثوم چڑ کر بولی۔

"رہنے دے، رہنے دے، صبح و شام نبیل، نبیل کرنے والی، اب نخرے دکھا رہی ہے۔" شہناز نے بات بڑھائی۔

"تو اپنے بھائی کو تو خود سمجھالے کہ پرائی عورتوں پر نظر نہ رکھے۔" کلثوم جواباً بولی۔

"کوئی پرائی عورت نہیں ہے، چچا ہی کی بیٹی ہے۔" شہناز بھی مستقل چھیڑے جارہی تھی۔

"جا، دفعان ہوجا، کلثوم نے شہناز کو دھکا دیا اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

"نبیل، یہ میں کیا سن رہا ہوں، تم نے ایسا سوچا بھی کیسے؟" ملک صاحب غصے میں نبیل پر برس رہے تھے۔

"وہ ابا جان، میں کہہ......" نبیل نے بولنا چاہا۔

"بدتمیز، ناہنجار، تم کو شرم نہ آئی ایسا کہتے ہوئے، شکر کرو، عدیل یہاں پر نہیں ہے، ورنہ بھائیوں میں خون خرابہ ہوجاتا، اب عدیل کے آتے ہی تم دونوں کی شادیاں ہوجانی چاہئے۔" ملک صاحب کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆......☆......☆

"ارے کلثوم، دلہن بن کر تو بڑی پیاری لگ رہی ہے، عائشہ تو تیرے آگے کچھ نہیں۔" صبا (پھوپھی زاد) نے کلثوم کی تعریف کی۔

"نبیل سے پوچھ، عائشہ کیا ہے۔" کلثوم بڑبڑائی۔

"بیٹا، اب جیسا بھی ہے، تم کو کلثوم کے ساتھ گزارا کرنا ہے، تم جیسا چاہو گے، وہ سیکھ جائے گی۔" نذیراں بیگم شادی والے دن اپنے بیٹے کو سمجھا رہی تھیں۔

☆......☆......☆

"نبیل نے تو مجھے قبول کرلیا، مگر میں شاید اسے قبول نہ کرسکی، ایک عرصے تک نبیل مجھ سے معذرت کرتا رہا، مگر میں جواباً اس سے لڑتی، الجھتی رہی اور پھر وقتاً فوقتاً ایسے واقعات رونما ہوتے کہ گڑے مردے اکھڑ جاتے۔"

"کلثوم، آج تم یہ پہننا۔" نبیل نے ایک بڑا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ کون سا کلر لے کر آگئے، یہ تو مجھے پسند نہیں آیا، اسے تو میں ہرگز نہیں پہنوں گی۔" کلثوم نے وہ کپڑے شاپر میں ڈال کر سائیڈ پر رکھ دیئے۔

☆......☆......☆

"اب بتائیے، بھلا میری اپنی بھی کوئی زندگی ہے کہ نہیں، میں جو چیز لاؤں، وہ ان کو سمجھ میں نہیں آتی، میرے پسند کئے ہوئے کپڑے، ان کو اچھے نہیں لگتے، اسی لئے یہ اکثر میرے لئے شاپنگ کرتے ہیں، اگر اچھے لگے تو ٹھیک، ورنہ میں ان کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی، اسی طرح اکثر اس طرح کی باتیں ہمارے جھگڑوں کا سبب بنتی ہیں۔" مسز باجوہ اطمینان سے بولیں۔

"اسی طرح، بہت ساری باتیں ہیں، میں آپ کو بتاؤں گی تو مجھے یقین ہے کہ آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ میں صحیح ہوں، مگر آپ نے مجھے سمجھایا تھا، اس لئے شینا کے سامنے تو چپ رہتی ہوں، مگر مجھے جو کچھ بھی کہنا ہوتا ہے، وہ میں اکیلے کمرے میں ضرور کہتی ہوں۔" انہوں نے مزید وضاحت کی۔

"آپ نے شینا کو گاؤں کیسے بھیج دیا۔" میں نے پوچھا۔

"وہ آپ نے کہا تھا، بس اسی لئے میں نے بھیج دیا،

میں شینا کے لئے واقعی بہت فکر مند ہوں۔" وہ قدرے ٹھہر ٹھہر کر بولیں۔

"نہیں، کوئی اور وجہ بھی ہے۔" میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"اور وجہ؟" وہ چونکی۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا؟" وہ جواباً بولیں۔

"وہ بھی میں آپ کو بتاؤں گی، پہلے آپ مجھے بتائیں گی کہ آپ نے شینا کو گاؤں کیسے بھیج دیا جبکہ آپ اب تک اپنی والدہ اور اپنی ساس سے ناراض ہیں۔" میں نے بات مکمل کی۔

"تائی بہت بیمار رہتی ہیں، اس دفعہ مجھے نبیل نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے شینا کو نہ بھیجا تو وہ شینا کو لے کر ہمیشہ کے لئے گاؤں چلے جائیں گے اور پھر آپ نے بھی اس دن سمجھایا تھا کہ ماؤں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں، اسی لئے میں نے ہمت کر کے بھیج دیا۔" مسز باجوہ نے وضاحت دی۔

"آپ روزہ رکھتی ہیں ماشاءاللہ؟" میں نے سوال کیا۔

"جی، جی، بالکل۔" انہوں نے فوراً کہا۔

"روزہ میں بھی باجوہ صاحب سے لڑائی ہوجاتی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"روزہ کھلنے کے بعد کبھی کبھی ہو ہی جاتی ہے، اب جیسے جیسے عید کے دن قریب آئیں گے، ہمارے، جھگڑے بڑھ جائیں گے، مگر سراسر قصور ان کا ہے، میری جیسی عورت تو ان کو مل ہی نہیں سکتی، بس قدر نہیں کی میری، ورنہ عائشہ کو آپ دیکھیں، پھٹ کر ڈھول ہوچکی ہے اور مجھے دیکھیں، آج بھی بالکل فٹ فاٹ ہوں۔"

"مسز باجوہ، اور بچے نہیں ہوئے؟" میں نے بات کا رخ بدل دیا۔

"ہوئے تھے دو بیٹے، دونوں مر گئے۔" وہ افسردہ ہوگئیں۔

"مسٹر باجوہ نے کبھی اور بچوں کی خواہش نہیں کی؟" میں نے سوال کیا۔

"ان کے اور بچے ہیں۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولیں۔

"مسٹر باجوہ نے دوسری شادی کی ہوئی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"جی۔" انہوں نے مختصر جواب دیا۔

"کون ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہیں گاؤں میں ہوتی ہے، ہماری پھوپھی کی بیٹی صبا۔" وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولیں۔

"وہ شہر نہیں آئیں؟" میں نے ان سے دریافت کیا۔

"نہیں، اگر وہ یہاں آئے گی تو میں خودکشی کرلوں گی، میں نے دھمکی دی ہوئی ہے۔" وہ قدرے جارحانہ لہجے میں بولیں۔

"تو بچے کہاں پڑھ رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی تو گاؤں میں ہی پڑھ رہے ہیں۔" وہ بولیں۔

"شینا کو علم نہیں ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"نہیں۔" اب وہ بالکل مختصر جواب دے رہیں تھیں۔

"ٹھیک ہے مسز باجوہ، ہم باقی باتیں اگلی دفعہ کریں گے۔" میں نے ان کا موڈ دیکھ کر بات ختم کردی اور پھر کہا۔

"آپ بہت باحوصلہ ہیں، اس میں کوئی شک نہیں، مگر صرف اتنا یاد رکھئے کہ یہ جو الفاظ ہوتے ہیں، وہ گولیوں کی مانند ہوتے ہیں، جو سننے والوں کے دل چیر دیتے ہیں، آپ چاہیں، حق پر ہوں، مگر آپ کے الفاظ سے کسی کی دل آزاری ہوگئی تو یہاں پر ہی نہیں، آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہوں گی۔" میں نے نرم لہجے میں سمجھایا۔

"پھر میں کیا کروں؟" انہوں نے دریافت کیا۔

"اگر آپ کو کوئی کچھ کہے تو برداشت کریں، سامنے جواب نہ دیں، بہت آسانی ہوجائے گی، کوشش تو کریں، ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا، ضبط و تحمل اور درگزر کی خو بھی مزاج میں پیدا کرنے کی

بھرپور کوشش کریں۔''

☆......☆......☆

''مسٹر باجوہ صاحب نے دوسری شادی کب کی؟'' مسز باجوہ اگلی دفعہ آئیں تو میں نے بات شروع کی۔

''تقریباً آٹھ سال ہوگئے۔'' وہ بولیں۔

''دوسری سے کتنے بچے ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''دو بیٹے ہیں۔'' وہ بولیں۔

''شینا کو علم کیوں نہیں ہے؟'' میں نے پھر سوال کیا۔

''وہ گاؤں کم جاتی ہے۔'' وہ بولیں۔

''یعنی آپ اسی لئے اسے گاؤں کم بھیجتی تھیں؟'' میں نے پوچھا۔

''جی۔'' وہ بالکل مختصر بات کر رہی تھیں۔

''ایسے تو بہت مشکل ہوجائے گی؟'' میں جو نوٹ بک میں لکھ رہی تھی، وہ بند کردی۔

''کیا ہوا؟'' مسز باجوہ چونک گئیں۔

''آپ جس بے اعتنائی سے جواب دے رہی ہیں، اس طرح تو آپ کا علاج ناممکن ہے۔'' میں نے یہ کہہ کر پین بھی بند کر کے ٹیبل پر رکھ دیا اور جب ان کو دیکھا تو ان کی آنکھوں میں نمی نظر آئی۔

''میرے ساتھ مشکل یہ ہے کہ میرے دل میں جو بات ایک دفعہ آجائے، وہ نکلتی نہیں ہے اور جب میں باجوہ صاحب کے متعلق سوچتی ہوں تو پھر میرا زیادہ بات کرنے کا دل نہیں کرتا۔'' انہوں نے اپنی کیفیت سمجھانے کی کوشش کی۔

''میرا بھی یہی اندازہ تھا مسز باجوہ، تبھی میں نے دریافت کیا تھا کہ آپ نے شینا کو گاؤں کیسے بھیج دیا اور آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا۔'' میں نے ان کو یاد دلایا۔

''ہوں۔'' انہوں نے میری بات سن کر کہا۔

''اتنے سال آپ نے باجوہ صاحب کے ساتھ کیسے گزار لئے؟'' میں نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

''والدین سے بھی دل خراب ہے، بہن سے بھی، بھائیوں سے بھی، جاؤں تو کہاں جاؤں۔'' وہ مایوسانہ لہجے میں بولیں۔

''مسز باجوہ دل کو کدورتوں، بغض اور انا جیسی آلائشوں سے صاف رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس سے زندگی پرسکون گزرتی ہے، ورنہ یہی چیزیں غم و غصے کی کیفیت پیدا کر کے زندگی کے ایام کو مکدر کر دیتی ہیں، جب آپ کی شادی باجوہ صاحب ہی سے ہوگئی تو آپ کو اپنے دل کو سب کی طرف سے صاف کر لینا چاہئے تھا۔'' میں نے نرم لہجے میں کہا۔

''یہی تو نہیں ہوسکا مجھ سے، جب عائشہ کو دیکھتی تو دل سے ہوک اٹھتی کہ کاش میں اس جیسی ہوتی تو باجوہ صاحب کی پسندیدہ ہوتی۔'' میں نے ان کی بات کاٹی۔

''آپ نے مجھے بتایا تھا کہ مسٹر باجوہ اس حقیقت کو قبول کر چکے تھے اور بقول آپ کے، انہوں نے آپ سے کئی دفعہ معذرت بھی کی، پھر آپ نے ایڈجسٹمنٹ کی کوشش کیوں نہیں کی؟''

''میں کرتی تھی، مگر کوئی نہ کوئی بات ایسی ہوجاتی، جس کی وجہ سے میرے دل میں پھر غبار چھا جاتا اور پھر میں اکھڑ جاتی۔'' وہ اتنا کہہ کر سوچ میں گم ہوگئیں۔

☆......☆......☆

''عائشہ کا بیٹا کتنا پیارا ہے ناں کلثوم۔'' گاؤں میں ہم جب عدیل بھائی اور عائشہ کے بیٹے کی پیدائش پر گئے تو نبیل نے کہا۔

''میں نے اپنی تین ماہ کی شینا کو دیکھا تو مجھے لگا، جیسے وہ مجھے ستا رہا ہو۔ عائشہ کا بیٹا، عدیل بھائی کا بھی تو ہے۔'' میں بڑبڑائی اور پھر میں وہاں جتنے دن رہی، میں نے باجوہ صاحب سے بات نہیں کی، وہ وہاں تو برداشت کرتا رہا، مگر پھر گھر آکر......؟

''ساری دنیا میں تم نے میرا تماشا بنوایا ہوا ہے، ابا، اماں سمجھتے ہیں کہ میں نے تمہارے ساتھ ایسا سلوک روا

رکھا ہوا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، تم نے الٹا میرا تماشا بنوایا ہوا ہے۔'' نبیل غصے میں برس پڑا۔

''جب آپ نے میرا تماشا بنایا تھا، تب احساس نہیں ہوا تھا۔'' کلثوم جواباً بولی۔

''وہ میری بھول تھی، نادانی تھی، مجھے اب تو معاف کردو۔'' نبیل نے پھر معذرت کی۔

''کیسے معاف کردوں، عائشہ کا بیٹا آپ کو بہت اچھا لگا، وہ عدیل بھائی کا بھی تو تھا اور پھر اپنے اوپر سب کی رحم بھری نظریں دکھائی دیتی ہیں، تو میں مظلوم بن جاتی ہوں۔'' کلثوم جارحانہ انداز میں بولی۔

''میں تمہارا شوہر ہوں، تم کو اندازہ ہے۔'' نبیل چیخا۔

''اسی کا لحاظ کرتی ہوں ورنہ؟'' کلثوم اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔

''ورنہ ورنہ کیا؟'' نبیل پھر چلایا۔

شینا چیخ و پکار سے اٹھ کر رونے لگی تو دونوں خاموش ہوگئے۔

''مسز باجوہ، آپ شادی سے پہلے بھی ایسی ہی تھیں؟'' میں نے ان کی باتیں نوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''شادی سے پہلے؟...... ہاں! شادی سے پہلے تو میں بہت ہنس مکھ اور ہر کسی کے ساتھ مل جل کر رہنے والی تھی، میری ساری شوخی تو باجوہ صاحب نے چھین لی، کاش وہ اپنی بات خود تک رکھ لیتے تو ہماری زندگی اس قدر تلخ نہ ہوتی، شینا جب دو سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے جڑواں بیٹے عطا کئے، مگر خدا کی مرضی اور پھر باجوہ صاحب نے صبا سے شادی کرلی اور اس کے بعد تو میری برداشت بالکل ہی ختم ہوگئی ہے۔'' وہ اتنا کہہ کر دوبارہ سوچ میں گم ہوگئیں۔

☆......☆......☆

''تم کو جب میں نے منع کیا تھا، تم اس حالت میں گاؤں نہیں جاؤ گی، پھر تم کیوں گئیں، میرے بچوں کی موت کی ذمہ دار تم ہو۔'' نبیل کلثوم پر ناراض ہو رہا تھا۔

''صبا بیوہ ہوئی ہے، اس کا جوان جہاں شوہر چلا گیا، میں اس کے غم میں شریک نہ ہوتی، یہ دونوں اتنی ہی عمر لکھوا کر لائے تھے۔'' کلثوم نے نرم لہجے میں کہا۔

''عقل بھی کوئی چیز ہوتی ہے، جو تم میں ہے نہیں، کبھی زندگی میں تم نے کوئی کام عقل سے کیا ہے، میرے بچوں کی جان سے کھیل گئیں تم۔'' نبیل نے غصے میں آکر اس کو تھپڑ کھینچ کر مارا۔

''وہ آپ کے ہی نہیں، وہ میرے بھی بچے تھے۔'' کلثوم زور زور سے رونے لگی، پاس بیٹھی شینا بھی سہم کر رونے لگی۔

''تم جاہل عورت کے ساتھ یہ میں ہی ہوں جو نباہ کر رہا ہوں، ورنہ تمہارے ساتھ زندگی گزار کر میں نے جیتے جی جہنم دیکھ لی۔'' وہ پھر بولا۔

''بس کریں، خدا کے لئے بس کریں، میں کون سا خوش ہوں آپ کے ساتھ، صرف شینا کی خاطر میں بھی......''

''بس کرو، اگر اب تم نے سامنے جواب دیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

☆......☆......☆

''اور پھر میرے ابارشن کے بعد جب ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ اب تم ماں نہیں بن سکتی تو میرے تایا نے باجوہ صاحب کا نکاح صبا سے کردیا، وہ بھی جوان بیوہ تھی اور اس کے عقد ثانی کے لئے باجوہ صاحب بہترین تھے۔ میں نے اپنی تمام شرائط منوائیں۔ اس وقت شینا تقریباً پانچ سال کی تھی، صبا سے دو بیٹے ہیں، میں نے اس کا شہر آنا بند کررکھا ہے اور شینا کو بھی اس کا علم نہیں ہے، وہ بھی میرے کہنے پر، اسی لئے باجوہ صاحب ہر ہفتے باقاعدگی سے گاؤں جاتے ہیں۔'' اتنا کہہ کر مسز باجوہ خاموش ہوگئیں۔

''مسز باجوہ، ابھی آپ کو صرف ایک بات دھیان میں رکھنی ہے کہ باجوہ صاحب جب بھی غصہ کریں، آپ نے جواباً کچھ نہیں کہنا ہے، باقی چیزیں میں آپ کو اگلی

دفعہ سمجھاؤں گی۔" میں نے مسز باجوہ کی تمام باتوں کے جواب میں ان سے صرف اتنا کہا۔

☆......☆......☆

"باجوہ صاحب، میری کیفیت پر حیران ہیں، میں اب ان کے سامنے سے کچھ بولتی نہیں، بس آپ نے کہا تھا کہ ببل منہ میں رکھ لینی ہے، خود ہی غصہ کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔" مسز باجوہ نے آتے ہی اپنی روئیداد سنانا شروع کر دی۔

(میں نے اس دن ان کو جاتے ہوئے منہ میں ببل رکھنے کا نسخہ بتایا تھا، ہمارے بڑے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ عورتوں کو یہ نسخہ بتایا کرتے تھے کہ شوہر کے غصے کے وقت منہ میں تعویز رکھ لیں، جس کے معنی ہیں، دانتوں میں کوئی چیز دبا لیں، تاکہ وہ چپ رہیں، میں نے ان کو اس دن صرف یہی سمجھایا اور نسخہ بتایا تھا)

اب میں نے مسز باجوہ کے موڈ کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کو سمجھانا شروع کیا۔

"مسز باجوہ، آپ نے اپنے احساس محرومی کو اپنے اوپر اتنا سوار کر لیا کہ اپنے زندگی کے قیمتی سال اس کیفیت کی نظر کر دیئے، حالانکہ آپ کو اس حقیقت کو قبول کر لینا چاہئے تھا، مگر آپ نے اپنے آپ کو مظلوم سمجھا، آپ نے بتایا تھا کہ آپ سب سے بہتر ہو چکی ہیں، اس کے باوجود آپ کا احساس محرومی اب تک آپ سے اس طرح جڑا ہوا ہے کہ آپ اس حصار میں پھنس کر رہ گئی ہیں۔" میں نے اتنا کہہ کر ان کے تاثرات کو سمجھنا چاہا تو وہ الجھن زدہ نظروں سے مجھ کو دیکھ رہی تھیں۔

"دیکھیں مسز باجوہ، آپ یوں سمجھیں کہ شینا کی جگہ آپ ہیں، نبیل کی جگہ آپ کے والد اور آپ کی جگہ آپ کی والدہ۔ آپ نے تصور کر لیا۔" انہوں نے اقرار میں سر ہلایا۔

"اب اس کو صرف تصور میں ہی نہیں لانا، اس کو محسوس بھی کرنا ہے، آپ کے ابو آپ کی امی سے کہتے ہیں۔" میں آپ کو پھر کہہ رہی ہوں، آپ کو محسوس کرنا ہے۔ "تم جیسی عورت نے میری زندگی برباد کر دی ہے، تم انتہائی بدتمیز عورت ہو، ہمارا تمہارا گزارا صرف کلثوم کی وجہ سے ہے۔" اب آپ کی امی جواباً کہتی ہیں۔ "میں کون سا تمہارے ساتھ خوش ہوں، میں بھی کل کی، آج چلی جاتی، مگر میں بھی صرف کلثوم کی وجہ سے آپ کی جوتیاں کھا رہی ہوں، ورنہ میرا بس چلے تو۔" اور میں نے کتاب اٹھا کر زور سے ٹیبل پر پٹخ دی، تو مسز باجوہ چونک گئی۔

"اُف میرے خدایا۔" یہ کہہ کر انہوں نے سر نفی کے انداز میں ہلایا۔

"اب ایک دفعہ اور محسوس کریں۔" میں نے پھر کہا۔

"اب سوچیں، آپ اپنی ٹیچر کے پاس بیٹھی پڑھ رہی ہیں اور اندر کمرے سے آپ کے امی اور ابو کے زور زور سے لڑنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔" ذرا غور سے سنئے۔ "ہر چیز گاؤں لے جانی ضروری تو نہیں، کبھی کوئی چیز میرے لئے بھی لے کر آیا کریں۔" یہ آپ کی امی کہہ رہی ہیں اور جواباً آپ کے ابو کہتے ہیں۔ "تم کو کوئی چیز کہاں پسند آتی ہے، تم اپنی مرضی کی مالک ہو، گاؤں میں تو میں اگر سوکھے پتے بھی لے جاؤں، تو وہ لوگ قدر کرتے ہیں جبکہ تم ایک ناشکری عورت ہو، تم کو کوئی کیا دے گا، تم کو جو چاہئے، اپنی پسند سے لے لو، یہ میں ان لوگوں کے لئے لاتا ہوں، جو خوش ہوتے ہیں۔"

"مجھے سمجھ نہیں آتا، آخر آپ کیا چاہتے ہیں، میں آپ سے ڈرنے والی نہیں ہوں، جو ڈرتی ہوں گی، وہ اور ہوں گی۔"

"بس کرو بیگم، ورنہ میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔" اور پھر میں نے پین ہولڈر دروازے پر دے مارا، جس کی آواز سے مسز باجوہ چونک اٹھیں اور بولیں۔

"اُف میرے خدایا۔"

"کیسا محسوس ہو رہا ہے؟" میں نے ان کی طرف آگے جھک کر سوال کیا۔

"میں نے جب اپنی امی کو تصور میں ایسا کرتے دیکھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔" وہ بولیں۔

"ابو کو دیکھ کر نہیں۔" میں نے دریافت کیا۔

"مرد کی تو عادت ہوتی ہے، مگر عورت۔" اتنا کہہ کر انہوں نے اپنے دانتوں میں زبان دبا لی۔

"یعنی یہ بات آپ کو سمجھ میں آ گئی ہے کہ مردوں کا تو ایسا روپ ہو سکتا ہے، مگر عورت پر یہ روپ کبھی نہیں سجتا، ویسے ہوتا ہے، آج کل کی ماڈرن عورتوں کا یہ روپ ہوتا ہے، مگر آپ نے جس طرح اپنے میکے اور سسرال والوں کے متعلق بتایا ہے، تو میں نے ان کے ماحول کو سمجھ کر صرف ایک نقشہ کھینچا، جس کو آپ نے محسوس کیا، حالانکہ آپ ابھی شینا کے حساب سے دس فیصد بھی محسوس نہیں کر سکیں، جو اس پر گزرتی ہے، بچے بہت حساس ہوتے ہیں، ان کے ماں باپ ان کے آئیڈیل ہوتے ہیں، خاص طور پر لڑکیوں کے لئے والد اور لڑکوں کے لئے والدہ، تو پھر جب ان کے آئیڈیل کے ساتھ برا سلوک ہوتا ہو اور والدین میں سے ہی کوئی ہو تو ایسے بچے کی شخصیت کتنی ٹوٹی پھوٹی ہو گی اور جو خوف ان کے ذہن میں بٹھا دیا جاتا ہے، وہ ان کے ذہن میں نقش ہو جاتا ہے اور باپ سے جو لگاؤ لڑکیوں کو ہوتا ہے، تو وہ پھر ماں سے نفرت کرنے لگتی ہے، یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ شینا اتنی معصوم بچی ہے کہ اس نے کسی سے نفرت نہیں کی، بلکہ اپنی ذات کو ان تمام چیزوں سے علیحدہ کر دیا اور اپنی ایک الگ دنیا بنا لی۔" اب آپ ان تمام پہلوؤں پر غور کریں، آگے ہم اس کو اگلی دفعہ ڈسکس کریں گے۔

☆......☆......☆

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! کیسی ہیں آپ؟" مسز باجوہ کو میں نے مخاطب کیا۔

"شینا کیسی ہے، ملاقات ہوئی آپ کی؟" میں نے دریافت کیا۔

"جی، میں کل ہی گاؤں سے آئی ہوں، بہت فسٹ کلاس امپرو کیا ہے۔ (UMPROUE)" وہ بولیں۔

"UMPROUE" "اچھا" "IMPROVE"۔ میں نے تصحیح کی۔

"ملاقات ہو گی تو اندازہ ہو گا۔" میں نے مسکرا کر کہا اور پھر دریافت کیا۔

"اب بھی ببل کی ضرورت پڑ رہی ہے؟"

"عادت جو ٹھہری تو پڑے گی ناں۔" وہ جواباً بولیں۔

"مسز باجوہ، آپ کی والدہ سے، آپ کی اس موضوع پر بات چیت، میرا مطلب ہے، انہوں نے بھی یقیناً آپ کی اصلاح کی کوشش کی ہو گی۔"

"ہاں۔" اتنا کہہ کر وہ سوچنے لگیں۔

☆......☆......☆

"دھیئے تو نبیل کے ساتھ جو کر رہی ہے، وہ صحیح نہیں ہے، وہ تو تیرے سر کا سائیں ہے، مجھے تو بعض دفعہ لگتا ہے کہ تو میری بیٹی ہی نہیں، تجھ کو کتنی دفعہ سمجھایا ہے، عورت کا شوہر ناراض رہے تو وہ بہت گناہ گار ہوتی ہے۔" شریفاں اتنا کہہ کر رکی۔

"خود ہی مجھے زبردستی اس کے سر منڈھ دیا ہے، تو اب مجھے کوستی کیوں ہو، میں اس کے ساتھ گزارا کر رہی ہوں، کافی نہیں ہے اور پھر اس کی دوسری شادی بھی کرا دی۔" کلثوم چیخ کر بولی۔

"تو دوسری شادی ہی تو کروائی ہے، گناہ تو نہیں کیا اس نے اور پھر تیرے مامے نے بھی تو کی ہے، تیرے بھرا نے بھی تو کی ہے، تیرا تو بیٹا بھی نہیں ہے، اس نے کر لی تو کیا غلط کیا، شریعت نے اس کو اجازت دی ہے۔" شریفاں نے سمجھایا۔

"شریعت نے اجازت دی ہے، اسی لئے خاموش ہوں، ورنہ میں۔"

"بس کر دے، خدا کے لئے بس کر دے کلثوم، تیرے تو دیدوں کا پانی مر گیا ہے، تجھے تو شہر کی ہوا نے برباد کر دیا، کیسی فرمانبردار بچی تھی، اب تو ایسا لگتا ہے تو

ہواؤں سے بھی لڑتی ہے، اب بھی تو نبیل کی قدر کرلے، ورنہ یہاں بھی روتی ہے، وہاں بھی روئے گی۔" شریفاں پھٹ پڑی۔

"ماں بددعا تو نہ دے، خدا کے واسطے بددعا تو نہ دے۔" کلثوم رو پڑی تو شریفاں نے اس کو سینے سے لگالیا۔

☆......☆......☆

"کچھ عرصے تک سب صحیح رہتا ہے، ڈاکٹر جی پھر نہ جانے مجھے کیا ہوجاتا ہے، میں ویسی ہی ہوجاتی ہوں، وہی لڑائیاں، وہی جھگڑے، اماں تو ویسے ہی میرے رویوں سے تنگ ہے اور میں تو ان کے پاس ویسے بھی کم جاتی ہوں، اتنے عرصے میں دو سے تین دفعہ ہی ان کو موقع ملا مجھے سمجھانے کا، مگر پھر۔" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئیں۔

"مسز باجوہ، آپ کی انا کو جو ٹھیس پہنچی ہے، اس کی وجہ سے شکوک وشبہات کی جس دنیا میں آپ بس گئی ہیں، اس میں طعن وتشنیع، طنزیہ فقرات، تجسس آمیز سوالات اور پیہم مطالبات کی فضا، آپ نے اپنے اردگرد قائم کرلی ہے، ویسے تو بدگمانی اور شک وشبہ نسوانی، میرا مطلب ہے، عورتوں کی فطرت کا خاصہ ہے، مگر آپ کے اندر موجود ان چیزوں نے آپ کو نفسیاتی بیمار کردیا ہے، جس کی وجہ سے آپ کی ذات خود آپ کے لئے ہی نہیں، آپ کی بیٹی کے لئے بھی الجھن کا سبب بنتی جارہی ہے، عورت کی زندگی تو شادی کے شروع میں انتہائی صبر آزما، بے اندازہ، ایثار وقربانی کی طلب گار اور تھکا دینے والی ہوتی ہے، مگر جب قدرت نے آپ کو ان تمام چیزوں سے بے نیاز کردیا تو آپ نے خود اپنے اوپر خود ساختہ غموں کی چادر تان لی، کیا آپ کے بہن اور بہنوئی کو اس بابت علم نہیں تھا، جو آپ کے شوہر کی ایک بچکانہ سی خواہش تھی اور جس سے وہ بعد میں دستبردار ہوچکے تھے۔" میں نے بات مکمل کی۔

"دونوں کو ہی علم تھا۔" وہ آہستگی سے بولیں۔

"تو کیا، ان دونوں نے اس بات سے اپنی ازدواجی زندگی برباد کرلی۔"

"نہیں، دونوں نے تو بہت بہترین۔" وہ پھر چپ ہوگئیں۔

"مسز باجوہ، آپ اس بات کو تسلیم کرلیں کہ آپ نے اپنی زندگی اپنی حماقت کے باعث برباد کرلی، مگر......" اتنا کہہ کر میں رکی، کیونکہ میں نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی تھی، وہ اب رو رہی تھیں۔

"مگر وقت اب بھی آپ کے ہاتھ میں ہے۔" میں نے نرمی سے ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"آپ جو سمجھ رہی ہیں، ویسا نہیں ہے، باجوہ صاحب کے پاس اب میرے علاوہ صبا بھی ہے۔" وہ بولیں۔

"وہ کوئی ایسا بڑا ایشو نہیں ہیں، اکثر مرد دو شادیاں کرتے ہیں، بلکہ تین بھی اور چار بھی۔" میں نے سمجھایا۔

"مگر میں خود کو کیسے بدلوں؟" انہوں نے دریافت کیا۔

"آہستہ آہستہ، وقت کے ساتھ ساتھ، لیکن زبان پر قابو رکھنا بہت ضروری ہے، یہ جو آپ کررہی ہیں، اسے آگے بھی کرنا ہے، یہ نہیں کہ آٹھ، پندرہ دن کرکے، پھر وہیں کی وہیں، جیسے پہلے ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے۔" میں نے بات مکمل کی۔

"پتہ نہیں، میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں ہے۔" وہ ہمت ہارتے ہوئے بولیں۔

"وہ تو ہم آہستہ آہستہ بہت ساری چیزیں ڈسکس کریں گے، تو آپ کے گرد جو بدگمانی کا حصار ہے، وہ ان شاء اللہ ٹوٹ جائے گا۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" وہ بولیں۔

"ایسا ہی ہوگا، ان شاء اللہ۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

☆......☆......☆

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" میں نے مسزہ باجوہ کو مخاطب کیا، جو آئیں تو کافی افسردہ لگ رہی تھیں۔

"ہماری کل بڑی زوردار لڑائی ہوئی ہے۔" وہ اداسی سے گویا ہوئیں۔

"خیریت، ایسا کیا ہوگیا؟" مجھے بہت دکھ ہوا۔

"باجوہ صاحب، صبا اور اس کے بچوں کو شہر لانا چاہتے ہیں۔" وہ بولیں۔

"یہ کوئی غلط بات تو نہیں۔" میں نے فوراً کہا۔

"سب کچھ ان کا ہے، تو میرا کیا ہے؟" وہ چیخ پڑیں۔

"مسز باجوہ، بات کو سمجھنے کی کوشش کریں، پلیز، مرد جب دو شادیاں کرتا ہے تو اس کے لئے عدل ضروری ہے، آپ مسٹر باجوہ ہی کی نہیں، بلکہ صبا کی بھی اور ان کے بچوں کی حق تلفی کی مجرم بنتی جارہی ہیں۔" میں نے ان کو سمجھایا۔

"یہ سب مجھے معلوم ہے اور معلوم تو ہم کو سب کچھ ہوتا ہے، ہم کرتے ہیں ناں، غیبت، زنا سے اشد ہے، ہم کرتے ہیں، عورتوں کا بے پردہ باہر نکلنا منع ہے، ہم کرتے ہیں ناں، مگر اب میں جس سوسائٹی میں رہ رہی ہوں، وہاں دوسری شادی کا اتنا مذاق اڑایا جاتا ہے کہ جس کے شوہر نے دوسری شادی کی ہو، وہ ہر وقت شرمندہ رہتی ہے، شادی کے بغیر بھلے کچھ بھی کرتے ہوں، میری سہیلیوں کو جب علم ہوگا تو پھر، اور فضیلہ اور مسز......" وہ اتنا کہہ کر میری طرف غور سے دیکھنے لگیں، تو میں سٹپٹا گئی۔

مسز باجوہ کہہ تو بالکل سچ رہیں تھیں، ہمارے معاشرے میں زنا آسان اور شادی کرنا مشکل کردیا گیا ہے، دوسری کی بات ہی دوسری ہے، پہلی کرنے کے لئے بھی انسان اتنا پریشان ہے کہ اللہ کی پناہ۔

"مسز باجوہ، آپ کو پتہ ہے، جن کو باتیں کرنے کی عادت ہوتی ہے، وہ ہر حال میں کرتے ہیں، چاہے آپ اچھا کریں یا برا، اور یہ جو آپ فضیلہ اور دوسرا جو نام لے رہی تھیں، مجھے یاد آرہا ہے، شینا نے بھی ذکر کیا تھا، ان لوگوں کی باتوں سے اس کی بھی دل آزاری ہوئی تھی، وہ ویسے بھی شینا اور آپ کا، آپ کے پیچھے سے مذاق اڑاتی ہیں، ان لوگوں کیلئے کیوں اپنوں کا دل دکھا کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتی ہیں۔" میں نے ان کو سمجھایا۔

"آپ صبا کو جانتی نہیں ہیں، وہ یہاں پر آگئی تو ہر جگہ وہ چھا جائے گی، پھر میں کیا کروں گی۔" انہوں نے اپنا خدشہ بیان کیا۔

"مسز باجوہ، آپ پہلے سے بدگمانی کیوں شروع کردیتی ہیں، ضروری نہیں ہے جو آپ سوچ رہی ہیں، ویسا ہی ہو، یہ خوف پچھلے کئی سالوں سے آپ نے اپنے اوپر سوار کرلیا ہے، اچھا یہ بتایئے، اس کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا ہے، دوستانہ یا پھر؟" میں نے پوچھا۔

"دوستانہ...... ہاں...... میں تو اس سے ملنا بھی گوارا نہیں کرتی، اس نے میرے شوہر کو مجھ سے چھین لیا، میں نے اس کی شادی کے بعد سے بات ہی نہیں کی، وہ سلام کرتی ہے تو جواب دیتی ہوں بس، اس کے علاوہ میں اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی، وہ بھی اتفاقاً سامنا ہوجائے تو سلام کرلیتی ہے، ورنہ وہ بھی میرے سامنے نہیں آتی۔" وہ حاسدانہ لہجے میں بولیں۔

"آپ جی کیسے رہی ہیں مسز باجوہ؟" میں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"آپ نے تو ایسا نفسیاتی روگ پالا ہے، جس نے آپ کو تنہا کردیا ہے، نہ شوہر، نہ ماں، نہ ساس، نہ بھائی، نہ بہن، آپ نے کسی کو، کسی قابل نہیں سمجھا، انسانی معاشرے میں انسان کو، انسان کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ کائنات کے خالق نے میاں بیوی کا رشتہ ایسا بنایا ہے، جن کے درمیان برداشت سب سے زیادہ ہوتی ہے اور انسانی زندگی میں اعتدال اور توازن قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں صبر، شکر اور برداشت کی تعلیم دی ہے، اگر ان چیزوں کو آپ زندگی سے نکال دیں گی تو زندگی میں کیا بچے گا۔" میں نے ان کو دیکھا اور آگے کہنے لگی۔

ہیں، وہ کون سی سہیلی ہے آپ کی فضیلہ، کیا وہ آپ کی گہری سہیلی ہے۔" میں نے دریافت کیا۔

"جی ہاں، وہ میری بہت اچھی سہیلی ہے۔" وہ حیرت سے بولیں۔

"وہ اپنے دکھ سکھ آپ سے شیئر کرتی ہے۔" میں نے دریافت کیا۔

"ہاں جی، اس بے چاری کے ساتھ بڑے مسئلے ہیں، اس کی ساس ایک جلاد عورت ہے جبکہ اس کی نندیں ہیں کنواری، بے چاری پر اتنی روک ٹوک ہے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، آنے جانے، ہر چیز پر پابندی ہے۔" اب مسز باجوہ فضیلہ کے غم میں مبتلا نظر آئیں۔

"آپ کے اردگرد جیسے آپ کے گھر میں کام کرنے والی جو ملازمائیں ہیں، پورا دن محنت کرتی ہیں، پھر بھی پریشان ہیں ناں؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں، ہاں، بالکل صحیح کہہ رہی ہیں آپ، کسی کو تو اس کا شوہر اتنا مارتا ہے کہ دو دفعہ تو مرتے مرتے بچی ہے، کوئی طلاق یافتہ ہے، تو کسی کا بچہ نشئی ہے اور اکثر تو کرتے کراتے کچھ نہیں، بس دو دو شادیاں کر لیتے ہیں، دونوں کمائیں اور شوہر کو کھلائیں۔" وہ اپنی سادگی میں بولتی چلی گئیں۔ "تو پھر آپ بھی......" میں اتنا کہہ کر رک گئیں۔

"نہیں، نہیں، اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ہے۔" اب وہ میری بات سمجھ کر بولیں۔

"مسز باجوہ، آپ اب جب علاج کروا رہی ہیں تو اب میری باتوں پر عمل درآمد کرنے کی کوشش کریں، کہاں، کہاں آپ کی کمی کوتاہیاں ہیں، جو آپ کی زندگی پر اثر انداز ہو رہی ہیں اور یہ صرف آپ کی ناسمجھی کی وجہ سے ہے، ورنہ اس طرح کی باتیں تو کم و بیش ہر جگہ ہوتی رہتی ہیں، اس کو زندگی کا آزار نہیں بنانا چاہئے، جو ایسا کرتے ہیں، وہ ہمیشہ رنج و الم میں رہتے ہیں، جو ان کی اپنی پیدا کردہ ہوتی ہے، جس کی وجہ سے پورا گھر اور خاندان انتشار کا شکار رہتا ہے، آپ کے گھر والوں کو آپ سے محبت ہے، بدلے میں آپ ان کو کیا دے رہی ہیں، اس بات کا اندازہ، اس بات سے لگائیں کہ باجوہ صاحب کے والدین، باجوہ صاحب کی شادی عائشہ سے کر سکتے تھے، مگر انہوں نے صرف آپ کی جذباتی وابستگی کی وجہ سے اپنے بیٹے کی بات کو قابل اعتنا نہ جانا، ورنہ ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ عدیل کو سمجھا کر رشتے بدل دیئے جاتے، اسی طرح صبا کی شادی بھی باجوہ صاحب سے کروائی، تو اس میں بھی سراسر آپ کا فائدہ تھا، اگر کسی شہری لڑکی سے باجوہ صاحب شادی کر لیتے تو کیا پھر وہ آپ کو یہاں پر برداشت کرتی، ہرگز نہیں، مسز باجوہ ہرگز نہیں، بچے آپ کے اور ہو نہیں سکتے، والدین آپ کے ناراض ہیں، جتنے بھی طور طریقے سیکھ جائیں، آگے تعلیم آپ حاصل کر نہیں سکیں، مسز باجوہ لوگوں کے احسانات کو مانیں، تو آپ کو اندازہ ہوگا، لوگ آپ سے کتنی محبت کرتے ہیں، کیوں، آپ کی زندگی میں ناشکری کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے، گھر میں دنیا کی ہر آسائش میسر ہے، مگر پھر بھی قسمت سے نالاں ہیں، میں آپ کو آج صرف ایک چھوٹی سی چیز سکھا رہی ہوں، جس کا استعمال ہم نے چھوڑ دیا ہے، اس سے شروعات کریں اور پھر اس کے اثرات دیکھیں، آپ اپنی غلطی پر سوری کریں گی اور جہاں شکریہ ادا کرنا ہوگا، وہاں جزاک اللہ یعنی Thank you کہیں گی۔" میں نے بات مکمل کی۔

"میں سمجھی نہیں۔" مسز باجوہ تشویش سے مجھے دیکھنے لگیں۔

"آپ سے کبھی کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے، کوئی بات غصے میں کہہ دیتی ہیں، جس کا آپ کو علم ہوتا ہے، آپ غلط ہیں، آپ کے شوہر کے ساتھ، والدین کے ساتھ، یا شینا ہی کے ساتھ، تو کبھی آپ نے سوری کی ہے، معافی مانگی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں، کبھی نہیں۔" وہ بولیں۔

"کیا آپ کے شوہر نے، آپ کو ضروریات زندگی کی سہولتیں نہیں دیں اور کیا کبھی ان چیزوں کے لئے آپ کو کبھی پریشان ہونا پڑا؟"

"نہیں، کبھی نہیں، بلکہ ہر طرح کی آسائش مہیا کی ہے۔" وہ فوراً بولیں۔

"آپ نے بدلے میں کیا دیا؟" میں نے پھر سوال کیا۔

"میں بھی ان کی ہر چیز کا مکمل خیال کرتی ہوں، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، میں نے کبھی بھی کسی چیز کی پریشانی نہیں ہونے دی، کبھی ان کے کھانے پینے، ان کے کپڑوں، جوتوں کا خیال رکھنا، گھر کا انتظام میں کبھی کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔" وہ جواباً بولیں۔

"گڈ، بہت اچھی بات ہے۔" میں نے ان کو سراہا اور پھر مسکرا کر کہا۔

"صرف محبت اور ذہنی سکون کی کمی ہے۔"

"ہاں، یہ چیز کبھی بڑھ نہیں پائی، ہوتی ہے، مگر پھر ختم ہو جاتی ہے، مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ مجھے ان سے اتنی شدید محبت تھی کہ میں ان کا پہلا جھٹکا ہی نہیں برداشت کر سکی، ایسی جگہ سے گری کہ کچھ بھی نہ بچ سکا۔" انہوں نے اب اپنا تجزیہ کر ڈالا۔

"ابھی بھی وقت آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ کے گھر میں یقیناً بہت گنجائش ہے، اب آپ اپنے دل میں بھی کر کے دیکھئے، سارے مسئلے حل ہو جائیں گے، جن سے فی الوقت آپ دوچار ہیں، میں پھر وہی بات دہراؤں گی کہ وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"وقت، پر وقت کی بات نہ مانی ہم نے
وقت، پھر وقت نہیں دے گا ہمیں پچھتانے کا"

"میں نے مسکرا کر شعر پڑھا۔"

"وقت ہے، ٹھیک ہے، مگر صبا اور پھر اس کے بیٹے، وہ بیٹوں کی ماں ہے، وہ یہاں پر آئی تو میں کہاں رہوں گی؟" انہوں نے اپنا خدشہ پھر دہرایا۔

"مسز باجوہ، مسٹر باجوہ آپ سے یقیناً بہت محبت کرتے ہیں، آپ اس بات کو مان لیں، ورنہ ان کے لئے آپ سے علیحدہ ہونا ناممکن ہی نہیں، آسان بھی تھا، اس بات کو آپ ذہن نشین کر لیں، باقی میں آپ کو سمجھاؤں گی کہ آپ کا کیا ہوگا، صرف اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اسباب اور لوگوں سے ڈرنا چھوڑ دیں، پھر دیکھیں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق، آپ سے کس طرح پیش آتی ہے۔" میں نے نرمی سے ان کو سمجھایا۔

"مجھے اور کیا کیا کرنا ہوگا؟" انہوں نے گھبرا کر سوال کیا۔

"کچھ خاص نہیں، آپ کو کچھ مشکل نہیں لگے گا، بےفکر رہیں، ان شاء اللہ۔" میں نے بات کو ہلکے پھلکے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"ویسے میں یہ بات نہیں مانتی کہ باجوہ صاحب کو مجھ سے محبت ہے، مجھ سے محبت ہوتی تو وہ صبا سے ہرگز شادی نہیں کرتے۔" انہوں نے نیا نکتہ اٹھایا۔

"یہ بھی سمجھاؤں گی میں آپ کو آہستہ آہستہ، سب سمجھ میں آ جائے گا اور جب سب آپ کی سمجھ میں آنے لگے گا تو بدگمانیاں اور خدشات کا تدارک ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔ صبا کو اور بچوں کو آنے دیں، اب چونکہ بچے بڑے ہو رہے ہیں تو انہیں تو وہ لازماً شہر لائیں گے، الگ رہنے سے بہتر ہے، آپ ساتھ رہیں، ورنہ سب سے زیادہ نقصان آپ ہی کو ہوگا۔" میں نے پھر سمجھایا۔

"سارا نقصان میرا ہی تو ہوا ہے، باجوہ صاحب کو دوسری بیوی بیٹے مل گئے، صبا کو بھی شوہر اور بچے مل گئے، مجھے، مجھے کیا ملا۔" وہ ناشکری کے کلمات ادا کرنے لگیں۔

"مسز باجوہ، آپ نے اپنی ذات کو عذاب میں مبتلا کر دیا ہے، آپ کے پاس ماشاء اللہ، بے شمار نعمتیں ہیں، ہر طرح کی آسائش، گھر، بچے، والدین، شوہر، ورنہ معاشرے کے گرد نظر دوڑائیں تو ہر کوئی، کہیں نہ کہیں پریشان ہے جبکہ آپ کی پریشانیاں، آپ کی خود ساختہ

''یہی تو آپ کی انا ہے، جس نے آپ کو اتنی شدت تک پہنچایا ہے، اوّل تو آپ اپنی غلطی کو، غلطی نہیں سمجھتیں اور اگر یہ احساس ہو بھی جائے تو اس کی معذرت نہیں کرتیں، پہلے تو آپ کو خاص اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ کوئی غلط بات، جس سے کسی کی دل آزاری ہو، یا بدتمیزی ہو، وہ منہ سے نہ نکالیں، اور اگر ایسا ہو جاتا ہے تو فوراً یا بعد میں اس بات کی معافی مانگ لیں، معافی مانگنے سے کافی حد تک کدورتیں ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ آپ نے بتایا کہ آپ کی مسٹر باجوہ سے لڑائی ہوئی ہے، اور میرا خیال ہے آپ کو اس بات کا افسوس ہے، جو کہ بہت اچھی پیش رفت ہے۔'' تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ سوری کر لیتیں، یا کم از کم اتنا کہہ دیتیں کہ میرے لئے صبا کے ساتھ رہنا مشکل ہوگا اور اپنی بدتمیزی پر معافی مانگ لیتیں، تو نہ آپ اس قدر پریشان ہوتیں اور مسٹر باجوہ بھی اس پر غور کرتے، آپ کے علاج کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ اپنی غلطی کو ماننا ہے اور سوری کرنی ہے اور ہاں سب سے اہم بات، آپ نے سب کو سلام کرنا ہے، چاہے وہ شوہر ہو یا بیٹی، کام کرنے والی ہو یا سہیلی، سب سے سلام میں پہل کرنی ہے اور تیسری اور اہم بات یہ کہ جب کوئی آپ کا کام کر دیتا ہے تو اس کا شکریہ ادا کرنا ہے، جیسے مسٹر باجوہ گھر کے لئے، یا آپ کے لئے کچھ لاتے ہیں، چاہے وہ پھل ہو یا کاغذ کا ٹکڑا، آپ نے شکریہ ادا کرنا ہے۔''

''یہ تو میں کرتی ہی نہیں۔'' وہ بولیں۔

''بس اب کرنا ہے، تھوڑی سی کوشش ضرور کریں، اگر آپ نے ایسا کر لیا تو آپ کے کئی ایک مسائل ختم ہو جائیں گے اور یہ آپ کا ہوم ورک ہے۔'' میں نے مسکرا کر سمجھایا۔

''تو اس بات پر مسز باجوہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔''

☆......☆......☆

''کیسا محسوس کر رہی ہیں اب آپ؟'' اگلی دفعہ مسز باجوہ آئیں تو میں نے بات کا آغاز کیا۔

''آپ کی باتوں پر عمل ہو رہا ہے، بہت پُرسکون بھی ہوں، مگر کچھ چیزیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں، سوری اور شکریہ صرف میں ہی کیوں کروں، باجوہ صاحب کو بھی تو کبھی اپنی غلطی پر شرمندہ ہونا چاہئے۔'' انہوں نے اپنا مؤقف پیش کیا۔

''آہستہ آہستہ آپ کے رویوں کی بہتری دیکھ کر ان میں بھی احساس پیدا ہوگا، یہ تو آپ کی تبدیلی پر منحصر ہے کہ آپ کا طرزِ عمل ہی ان کی پیش رفت کا سبب بنے گا، صبا کے معاملے میں کوئی مزید بات چیت ہوئی۔'' میں نے پوچھا۔

''ابھی اس موضوع پر دوبارہ بات نہیں ہوئی۔'' وہ بولیں۔

''آپ نے سوچا اس بارے میں کچھ۔'' میں نے پوچھا۔

''میں آپ کی باتوں پر غور کر رہی ہوں کہ ساتھ رہنے میں میرا فائدہ ہے۔'' وہ کہنے لگیں۔

''صرف آپ کا ہی نہیں، شینا کا بھی، شینا کو بھی لوگوں کی ضرورت ہے۔ گاؤں میں ہر وقت تو وہ نہیں رہ سکتی اور پھر کل شینا کی شادی ہو جائے گی، پھر آپ اکیلی ہو جائیں گی۔''

''ہاں اس بات کا مجھے بھی احساس ہو رہا ہے، آج 18 دن ہو گئے ہیں، اسے گئے ہوئے، گھر میں سناٹا چھایا ہوا ہے جبکہ وہ زیادہ تر کمرے میں ہوتی تھی، مگر آپ سے علاج شروع کروانے کے بعد تو میرا اچھا خاصا وقت شینا کے ساتھ گزرتا تھا، وہ چہل قدمی کے دوران مجھ سے کتنی ہی باتیں کرنے لگی تھی۔'' انہوں نے اپنی کیفیت بیان کی۔

''مسز باجوہ، اب آپ شیئر کرنا سیکھیں، اللہ تعالیٰ نے نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ ہم شیئرنگ کے بغیر چل نہیں سکتے، شیئرنگ رشتے کو جوڑتا ہے، جیسے کہ کمہار مٹی کو جوڑ کر کوزہ بناتا ہے، بالکل اسی طرح ہے، میاں بیوی کا تو خاص طور پر شیئرنگ کا بہت عجیب رشتہ ہے، نہ بھی پسند ہو

تو تعلق رکھنا پڑتا ہے، اور جب تک انسانوں کے درمیان شیئرنگ کا رشتہ قائم رہے گا، یہ دنیا خوش اسلوبی کے ساتھ چلتی رہے گی، آپ اپنے شوہر کے مسائل کو سمجھیں گی اور اس کو شیئر کریں گی تو ان کے لئے آسانی ہوگی، شینا کا مسئلہ بھی آپ لوگوں نے مل کر شیئر کیا، دونوں کے تعاون سے شینا کی بہتری کی طرف پیش رفت ہوئی۔ اسی طرح اب صبا کا معاملہ ہے اور آپ کے شوہر نہ صرف آپ سے شیئر کر رہے ہیں بلکہ آپ کی مدد بھی چاہتے ہیں اور آپ ان کے ساتھ تعاون کرنے کے بجائے، نئے مسائل پیدا کر رہی ہیں۔ یہ لیجئے۔'' میں نے ایک کتاب ''جنتی عورت'' جو مولانا مفتی ارشاد صاحب القاسمی کی، ان کی طرف بڑھائی۔ ''اس کو پڑھیں ان شاء اللہ، بہت نفع ہوگا۔'' اس کے بعد میں نے مسز باجوہ کو عید کے بعد بلوایا۔ شینا کے ساتھ ساتھ وہ بھی اپنے لئے وقت لے کر الگ سے آیا کرتیں۔ جہاں شینا میں بہتری آئی، وہاں مسز باجوہ میں بھی نمایاں تبدیلی ہوئی اور پھر تقریباً چھ مہینے بعد مسز باجوہ مجھ سے شکایت کرنے لگیں۔

''ڈاکٹر جی، آپ نے مجھے کس عذاب میں ڈال دیا ہے۔''

''کیا ہوا، خیریت تو ہے مسز باجوہ۔'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''اس صبا کی بچی کو گھر میں کیا جگہ دی ہے، یہ تو ہر جگہ چھا رہی ہے، شینا بھی چھوٹی امی، چھوٹی امی، کہہ کر اس کے پاس گھسی رہتی ہے، وہ فضیلہ بے مروت بھی صبا، صبا، کرتی رہتی ہے، وہ مسز حارث، حد ہو گئی ہے میرے ساتھ ساتھ اس نے صبا کو بھی اپنے گھر میں دعوت دی ہے۔'' وہ گویا ہوئیں۔

''میرا خیال ہے مبشر اور مدثر بھی بڑی امی کے پاس زیادہ ہوتے ہیں، اسی طرح صبا کی والدہ بھی ہر بات میں صبا سے پہلے آپ سے مشورہ کرتی ہیں، آپ نے مجھے بتایا تھا۔'' میں بولی۔

''تو ٹھیک ہے ناں، میں بڑی ہوں تو میرا حق ہے اور مبشر اور مدثر میں تو میری جان ہے، کوئی یقین نہیں کرتا کہ وہ صبا کے بیٹے ہیں، وہ فخریہ بولیں۔

''پھر مسئلہ کیا ہے؟'' میں نے بغور ان کو دیکھا۔

''اب صبا سمجھتی ہے کہ اس کا گھر ہو گیا ہے، اس نے ہر چیز میں دخل اندازی شروع کر دی ہے، وہ میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں، کچن میں بھی عمل دخل دینے لگی ہے، اس طرح دوسرے گھریلو معاملات میں بھی وہ اپنی مرضی کرنے لگی ہے، اس طرح تو میں ایک طرف ہو جاؤں گی۔'' اور وہ، وہ...... وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

''مسز باجوہ، صرف آپ مجھے اتنا بتا دیں کہ کیا آپ اس کو مہمان بنا کر لائیں تھیں۔'' میں نے نرمی سے سوال کیا۔

''مہمان، نہیں، مہمان تو نہیں بنا کر لائی تھی۔''

''یعنی گھر کا فرد بن کر آئی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''جی'' وہ مختصراً بولیں۔

''دیکھئے مسز باجوہ، ہم لوگوں کے درمیان کدورتیں اس انداز میں بڑھ جاتی ہیں جو حقیقت میں نفرت اور کدورت کا درجہ رکھتی ہیں، بس ایک بات آپ کے دل میں بیٹھ گئی ہے، جس پر آپ ایمان لے آئی ہیں اور اسی لکیر کو پیٹنا شروع کر دیا ہے، اب یہ بات آپ کے اندر Feed ہو گئی ہے کہ دوسری بیوی پہلے والی کی جگہ لے کر، پہلی والی بیوی کی اہمیت ختم کر دیتی ہے، جب تک باجوہ صاحب اور آپ نہ چاہیں، ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' میں نے بات مکمل کی۔

''میں ایسا کیوں چاہوں گی؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ بار بار انہیں اس چیز کا احساس دلائیں گی، یا میرے علاوہ آپ اپنے سوشل سرکل Social Circle میں اس طرح صبا کے متعلق اپنے خدشات بیان کریں گی، تو یہ خود بخود لوگوں کے اور صبا کے ذہنوں میں آنا شروع ہو جائے گا، جو پھر ہو سکتا ہے، حقیقت کا روپ دھار لے، اسی طرح باجوہ صاحب کو بھی آپ باور

کروادیں گی تو ہوگا، ورنہ سب کچھ اگر باجوہ صاحب جیسے ابھی ہینڈل کررہے ہیں، آگے بھی کرتے رہے تو ان شاء اللہ بہتر ہی ہوگا، بس آپ وسعت قلبی پیدا کریں، یہ آپ کی انفرادی مشکلات ہیں، اس کو اپنے تک محدود کرکے ختم کرنے کی کوشش کریں، جو آپ کے نفسیاتی مشکلات اور ڈپریشن کا سبب بن رہی ہیں، آپ کو اپنے اندر شفقت اور بڑا پن پیدا کرنا ہے کہ صبا خود کو آپ کے بغیر ادھورا محسوس کرے، ہر کام میں آپ سے صلاح مشورہ کرے، آپ کو اپنے مزاج میں نرمی لانی ہوگی، غصے سے تو بنے بنائے کام بگڑ جاتے ہیں، آپ نے نرمی، محبت اور دوسروں کی عزت کا پاس کرنے سے دل جیتنے ہیں، صرف بڑا ہونا ہی کافی نہیں، اپنے بڑے پن کا مظاہرہ بھی کرنا ہوگا، جب تک چھوٹے آپ کی مرضی کے مطابق چلتے رہیں، آپ ان سے خوش رہیں اور اگر کبھی ان سے کوئی کمی کوتاہی ہوجائے تو ان کو درگزر کرنا ہے، نہ کہ اپنی انا کا مسئلہ بنا کر سب کی زندگیوں کو دشوار کریں، لوگوں کو آسانیاں فراہم کریں، یہی انسانیت کی معراج ہے۔'' میں نے مسکرا کر بات ختم کی۔

''ڈاکٹر صاحب، یہ سب کرنا اتنا مشکل کیوں ہے؟ وہ آہستگی سے بولیں۔

''مشکل ہمیں وہی لگتا ہے، جسے ہم مشکل سمجھتے ہیں، شینا ہی کی مثال سے لیجئے، اس کے لئے وزن گھٹانا آپ کو مشکل لگا۔''

''نہیں، کچھ خاص نہیں۔'' وہ بولیں۔

''کیوں؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' انہوں نے کندھے اچکائے۔

''اس لئے آپ نے اس کو مشکل نہیں سمجھا، ورنہ عام طور پر جس طرح شینا کے ساتھ آپ نے محنت کر کے اس کی صحت کا خیال کیا، وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اکثر لوگ وزن کم کرنے کے سلسلے میں بہت جلدی ہمت ہار جاتے ہیں، مگر آپ نے شینا کے ساتھ لگ کر قوت ارادی کے ساتھ اور پھر جو بھی اس راستے میں بن پڑا، وہ کیا، حتیٰ کہ عام حالات میں آپ اسے کبھی مہینہ، دن گاؤں رہنے کے لئے نہ بھیجتیں، مگر اس کی صحت کی خاطر آپ نے اتنا بڑا قدم اٹھایا، اس مشکل کام کو آسان بنایا ناں، آپ نے۔'' میں نے اب ان کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میں سمجھ گئی آپ کی بات۔'' وہ بولیں۔

''مجھے نہیں سمجھائیں گی۔'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرلیں تو وہ ہم کرسکتے ہیں اور جسے ہم مشکل سمجھیں اور اس کو کرنے کی ہمت ہی نہ کریں تو وہ کام کبھی بھی نہیں ہوگا۔'' انہوں نے مجھے سمجھایا۔

''اور ہاں، ان شاء اللہ، ضرور کہنا ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرادیں۔

☆......☆......☆

کچھ عرصے بعد پھر مسز باجوہ نے مجھ سے اپائنمنٹ لیا۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں آپ۔'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں۔'' وہ بھی جواباً مسکرائیں۔

''گھر میں سب ٹھیک ہے، شینا بھی کافی دن سے نہیں آئی۔'' میں نے بات آگے بڑھائی۔

''وہ انتظار کررہی ہے رزلٹ کا، تاکہ رپورٹ کارڈ لے کر آئے۔'' پھر وہ میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''مسز باجوہ، کچھ کہنا چاہتی ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''باجوہ صاحب چاہتے ہیں کہ میں صبا کی طرح۔'' وہ پھر اتنا کہہ کر خاموش ہوگئیں۔

''انہوں نے صبا ہی کا نام لے کر کہا تھا۔'' میں نے سوال کیا، کیوں کہ میرا اتنے عرصے سے مشاہدہ تھا کہ باجوہ صاحب انتہائی سمجھ دار شخصیت تھیں، جن کے حد ممکن تعاون سے شینا اور مسز باجوہ کی شخصیتوں میں

تبدیلی آئی اور اب تک کبھی انہوں نے مسز باجوہ، صبا کی طرح کا کیا، کسی اور کی طرح کا حوالہ نہیں دیا تھا، بہر حال ایک اندازہ تھا۔

''ایک ہی بات ہے، صبا ہو یا اماں، عائشہ ہو یا کوئی اور، سب ہی پہنتے ہیں تو وہ کہتے ہیں، میں بھی پہنوں۔'' وہ زچ ہو کر بولیں۔

''مسز باجوہ، غصہ کم کیا کریں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''آپ بتائیے، اب اگر میں برقع پہنوں گی تو میرا کس طرح مذاق اڑایا جائے گا۔'' انہوں نے آخر کار بات مکمل کرلی۔

''بس اسی چیز کی کمی تھی مسز باجوہ آپ میں۔''

''بقا بحر فنا میں غرق ہو کر ہم نے حل کی
یہ کتنی بھی عجب ہے ڈوب کر ہی پار اترتی ہے''

میں نے برجستہ شعر پڑھا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' وہ الجھن زدہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

''شوہر کو راضی کرلیا، والدین کو راضی کرالیا، بیٹی کے لئے قربانیاں دیں اور صبا کو بھی قبول کرلیا، اب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو راضی کرنے کا وقت آیا ہے، جس نے آپ کے لئے سارے راستے آسان کردیئے، آپ کو اب اپنی کشتی کو پار لگانے کے لئے ڈوبنا ہی پڑے گا، اس کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنی ہوگی، اس فانی دنیا کی فکروں کو چھوڑ کر آخرت کی فکر کے دیکھئے، لوگوں کو راضی کرنے کی فکر میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خیال نہ کیا، اب......

''فکر دنیا کر کے دیکھی فکر عقبیٰ کر کے دیکھ
چھوڑ کر اب فکر سارے ذکرِ مولیٰ کر کے دیکھ
کون کس کے کام آیا ہے کون کس کا ہے بنا
سب کو اپنا کر کے دیکھا اب رب کو اپنا کر کے دیکھ''

''غنیمت جانیئے، موت سے پہلے زندگی کو اور پھر زندگی کو، اگر زندگی دینے والے کے کہنے کے مطابق نہ گزار سکیں تو آخرت میں کیا جواب دیں گی، مسز باجوہ میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ باجوہ صاحب آپ سے بہت محبت کرتے ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی آپ کو پردے کے لئے نہ کہتے، بے پردہ عورت جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گی اور جنت کی خوشبو لاکھوں میل دور سے آئے گی اور یہ اللہ کے نبی کا فرمان ہے۔'' میں نے سمجھایا۔

''پردہ کرنا اتنا مشکل ہے، نقاب سے گرمی لگتی ہے اور دم بھی گھٹتا ہے۔'' انہوں نے تاویل دی۔

''مسز باجوہ، میں اس دن بھی سمجھایا تھا، مشکل ہمیں وہی لگتا ہے، جو کام ہمارا کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور جہنم کی گرمی سے یہاں کی گرمی بہتر ہے۔''

''یہ تو ہے، ان شاء اللہ اب میں شرعی پردہ کروں گی۔'' وہ پرامید لہجے میں بولیں۔

(مسز باجوہ اور شینا گاہے بگاہے آتی رہیں، اکثر وہی شکایتیں، پھر در پیش آجاتیں، جو زندگی کے ساتھ چلتی رہتی ہیں، میرے پاس آکر صلاح مشورہ کرتی رہیں، بہر حال زندگی شک و شبہات کی نظر کرکے کہیں ہم اپنے پیاروں کی زندگیاں مشکل میں تو نہیں ڈال رہے، ویسے بھی ہم بہت جلد لوگوں کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہوجاتے ہیں، حالانکہ اس کی ممانعت ہے، زندگی کو صاف ستھری عینک سے دیکھئے، دھندلی عینک سے سب کچھ دھندلا دکھائی دیتا ہے۔)

بدگمانی نہ رکھئے کسی سے کبھی
مفت میں اپنے رب کی رضا لیجئے

اس کہانی کے کسی بھی کردار سے مشابہت محض اتفاقیہ ہوگی، کیونکہ یہ معاشرے کے عمومی، منفی رویوں کو زیر بحث لاکر ان کی اصلاح کے طریقوں کو اجاگر کرنے کی ایک مخلصانہ کوشش کی گئی ہے، بہر حال و بہر صورت لکھنے والی اپنے حق میں دعائے خیر و مغفرت کی درخواست پر پڑھنے والے سے یہ منت و لجاحت کررہی ہے، دعا فرمائیے اور اپنا اجر اپنے رب سے پائیے۔ آپ کی باجی فردوس!

اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے



عفرا محمد

ڈاکٹر صاحبہ! جلدی سے آئیے، ایک ایمرجنسی کیس ہے، ایک عورت نے اپنا جسم بری طرح جلالیا ہے، ڈاکٹر ماریہ نے فون پر کہا، میں ایک منٹ میں ابھی آتی ہوں۔ ڈاکٹر زوباریہ نے فوراً کہا اور جلدی سے عبایا پہن کر اپنی کوٹھی کے عقب میں بنے ہوئے اسپتال میں داخل ہوگئیں۔

یا اللہ! رحم مریضہ کی حالت دیکھ کر ڈاکٹر زوباریہ کے منہ سے نکلا، کیوں جلایا ہے آپ نے اپنا جسم؟ انہوں نے مریضہ کے اوپر جھکتے ہوئے کہا۔

مریضہ نے بھی پھٹی پھٹی نظروں سے ڈاکٹر زوباریہ کے چہرے کو دیکھا اور مدھم آواز میں بولی۔

زوبی تم! مریضہ کے منہ سے اپنا نام سن کر مرہم پٹی کرتے ہوئے ڈاکٹر زوباریہ کے تیزی سے چلتے ہوئے ہاتھ ایک لمحے کے لئے رکے، انہوں نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا، چھم سے ایک خوبصورت لڑکی ان کے سامنے تصور میں آکھڑی ہوئی اور ماضی کی یادیں ان کے اردگرد رقص کرنے لگیں۔

وہ موسم بہار کا ایک خوبصورت دن تھا، زوبی کالج کے ایک پرسکون گوشے میں بیٹھی اپنی کتابوں میں گم تھی کہ وانیہ دھپ سے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

ارے بھئی کیا ہورہا ہے، جواب میں زوبی نے اسے گھور کر دیکھا اور طنز بھرے انداز میں بولی۔ وہ سامنے ڈاکٹر علی کا کلینک ہے، جائیے، چارسو روپے فیس دیجئے اور اپنی خوبصورت آنکھوں کا علاج کروائیے، اس نے خوب صورت پرزور دیتے ہوئے کہا۔

وانیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اپنا منہ زوبی کے کان کے قریب کرتے ہوئے بولی۔

پتہ ہے زوبی! وہ بھی مجھے یہی کہتا ہے کہ آپ کی آنکھیں بڑی خوبصورت ہیں، جن پر میں مرمٹا ہوں، وانیہ کی بات سن کر زوبی کو سو والٹ کا کرنٹ لگا، وہ اپنی جگہ سے اچھلتے ہوئے بولی، کون ہے وہ کمینہ!

خبردار! جو تم نے اسے کمینہ کہا تو، وانیہ نے ایک دم غصے میں آتے ہوئے کہا اور بولی۔ وہ کمینہ نہیں، بلکہ وہ تو موسم بہار کی طرح ہے جس طرح موسم بہار آتا ہے تو رنگ بہ رنگ پھول اپنی خوبصورتی کا احساس دلاتے ہیں، اسی طرح جب سے وہ میری زندگی میں آیا ہے، میری زندگی کا ہر دن اور ہر رات خوبصورت زندگی کا احساس دلاتے ہیں۔

زوبی حیرت سے منہ کھولے وانیہ کو دیکھنے لگی جو ارد گرد سے بے نیاز اپنے محبوب کی شان میں قصیدے پڑھ رہی تھی، زوبی نے غصے سے اپنی کتابیں اٹھائیں اور کالج میں بنی ہوئی کینٹین کی طرف بڑھ گئی، وہ سموسے کی پلیٹ لے کر بیٹھی ہی تھی کہ وانیہ پھر آدھمکی، زوبی پلیز! میرا ایک کام کردو، اس نے منت بھرے انداز میں کہا، کیا کام؟ زوبی نے بے رخی سے پوچھا۔

مجھے آج شام اس نے ایک ہوٹل میں دعوت دی ہے، میری مما کا فون آئے تو کہہ دینا کہ میں تمہارے گھر پر ہی ہوں، پلیز زوبی! وانیہ نے تقریباً ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا، زوبی نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا اور بولی۔

مستقبل کی ڈاکٹر وانیہ کو یہ بے ہودہ کام زیب نہیں دیتے، اپنا نہیں تو کم از کم اپنے سفید پوش باپ کی عزت کا خیال کرلو جو اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر تمہیں میڈیکل کی تعلیم دلوا رہے ہیں، کون بے وقوف ڈاکٹر بن رہا ہے، وانیہ نے اپنی خوبصورت سی ناک سیکڑتے ہوئے کہا، نت، تو کیا تم، زوبی کے بے ربط جملے منہ میں ہی رہ گئے، وانیہ نے دائیں سے بائیں گردن ہلا کر یہ بتادیا کہ وہ ڈاکٹر بننے کا خواب بھول چکی ہے۔

رات گیارہ بجے فون کی گھنٹی بجی، زوبی نے ریسیور اٹھایا، ارے بیٹا! وانیہ ابھی تک گھر نہیں پہنچی، کیا اس کا تمہارے گھر سونے کا پروگرام ہے، وانیہ کی امی کی فکر میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی، جج، جی آنٹی! زوبی نے گھبرا کر کہا۔

انہوں نے اچھا کہہ کر فون بند کردیا، بڑھتے ہوئے دنوں کے ساتھ وانیہ کا مزاج بدل گیا، پڑھائی سے بالکل بیزار نظر آنے لگی۔

ایک دن زوبی دو ہفتے کی غیر حاضری کے بعد کالج پہنچی تو ایک بری خبر اس کی منتظر تھی، وانیہ گھر سے بھاگ گئی اور اس نے کورٹ میرج کرلی، زوبی کو ڈاکٹر بننے کا جنون کی حد تک شوق تھا، اس کی خواہش پر اس کے بابا نے ایک چھوٹا سا اسپتال بنوا کر دیا تھا، زندگی کی ہر آسائش میسر تھی، مگر ڈاکٹر زوبی کا دل ایک انجانی بے چینی سے بے سکون رہتا تھا۔

ایک شام وہ اپنے وارڈ میں بیٹھی مریضوں کو چیک کرنے میں مصروف تھی کہ ایک بزرگ خاتون اندر داخل ہوئیں، بزرگ خاتون کو سانس کی تکلیف کی بیماری تھی، ماں جی! آپ یہ دوائی پابندی سے کھائیے گا، ان شاء اللہ آپ کو آرام آجائے گا، اس نے پیشہ وارانہ انداز میں کہا، بزرگ خاتون کے چہرے پر تبسم پھیل گیا اور وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں، ماں جی آپ میرے لئے دعا کرنا کہ مجھے سکون کی دولت مل جائے، اس نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

اگر آپ کو سکون کی ضرورت ہے تو ہمارے کلینک پر آجانا، سکون کی دولت نہیں، خزانے ملیں گے، بزرگ خاتون نے اپنا پتہ دیتے ہوئے کہا۔ مدرسہ خیر النساء اس نے پتہ زیر لب دہرایا اور اپنے آنے کا وعدہ کرلیا۔

سکون پانے کی طلب اس کو مدرسہ خیر النساء میں لے آئی اور زندگی سکون کے خزانے سے مالا مال ہوگئی۔ بے شک دلوں کو سکون ملتا ہے اللہ کے ذکر سے۔

وہ پہلا سبق تھا جو اس کو بزرگ خاتون نے دیا تھا، غفلت میں گزارے ہوئے زندگی کے ماہ و سال اس کو

مایوسی کے اندھیرے میں لے جانے کی کوشش کرتے تو وہ مہربان خاتون اس کو دلاسا دیتے ہوئے کہتیں۔ اگر گنہگار بندہ توبہ کی نیت سے اسی سال کی عمر میں بھی آئے گا تو اپنے رب کو استقبال میں پائے گا۔

نقش قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

بڑے جذب میں پڑھی گئی وہ نعت اس کے دل کے تاروں کو ہلا گئی اور اس کو اللہ تک پہنچنے کا سب سے آسان راستہ مل گیا۔

ہائے، ہائے، میں مری، محترمہ آپ نے گھریلو جھگڑے سے تنگ آ کر اپنا جسم جلا ڈالا، خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو؟ ڈاکٹر ماریہ کی جھنجھلاتی ہوئی آواز ڈاکٹر زوباریہ کو سوچوں کے سمندر سے باہر نکال لائی، وہ وانیہ کے ہائے ہائے کرنے پر ڈانٹ رہی تھیں۔ اچھا ہے کچھ ہو جاتا، کم از کم اس ذلیل شخص سے تو نجات مل جاتی جب سے میری زندگی میں آیا ہے، رات دن عذاب میں گزر رہے ہیں۔

وانیہ نے بری طرح چلاتے ہوئے کہا، ڈاکٹر زوباریہ کا منہ حیرت کے مارے کھلے کا کھلا رہ گیا، عشق مجازی پر مر مٹنے والی وانیہ کی بری حالت عشق کا بھوت اترنے کا پتہ دے رہی تھی، اب اس کو عشق حقیقی کے رنگ میں رنگنا ڈاکٹر زوباریہ کا فرض بھی تھا اور بزرگ خاتون کا دیا ہوا قرض بھی۔

وہ بزرگ خاتون جو ڈاکٹر زوباریہ کے لئے ایک غیبی فرشتہ بن کر آئی تھیں، اگرچہ اب دنیا میں نہیں تھیں، مگر ڈاکٹر زوباریہ کو ان کی دعائیں اپنے اردگرد محسوس ہوتی تھیں، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے مریضوں کا جسمانی علاج کے ساتھ ساتھ روحانی علاج بھی خلوص کے ساتھ کرتی تھیں۔

وانیہ کو سکون کا انجکشن لگا کر ڈاکٹر زوباریہ اس کے سرہانے رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں اور اپنے عشق کا اظہار اپنے پسندیدہ اشعار میں کرنے لگیں۔

کوئی مجھ سے پوچھے میں کیا مانگتی ہوں
میں اپنے خدا سے خدا مانگتی ہوں
وہ ہو جائے میرا، میں ہو جاؤں اس کی
میں رات دن بس یہ دعا مانگتی ہوں۔

زوبی! میرے لئے بھی دعا کرنا کہ اللہ مجھے بھی اپنے رنگ میں رنگ لے، وانیہ نے ذرا سی آنکھیں کھول کر کہا اور ڈاکٹر زوباریہ کے چہرے پر ایک آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆......☆......☆

تم سب سے پوچھ ہوگی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ بے شک تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھ ہوگی۔ بس بادشاہ لوگوں پر نگہبان ہے اس سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے بس اس سے اس بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد پر نگہبان ہے۔ اس سے اس بارے میں سوال ہوگا۔ پس تم اپنی رعیت کے بارے میں نگہبان ہو تم سب سے رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

☆......☆......☆

دین سراسر نصیحت کا نام ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دین سراسر نصیحت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، کس کے لئے؟ اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے مقتداؤں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔ (مسلم)

☆......☆......☆

ہار



سعیدہ اقبال

بلند قہقہوں کی آوازیں سن کر میمونہ ڈر سے کانپنے لگی، یہاں پھر کسی بے بس کا خون چوس کر آئے ہیں، وہ خوفزدہ ہو کر بڑبڑائی، امی بھی تو ہنس رہی ہیں......اور بھیا بھی ......خدایا تو رحم کر، انہیں ہدایت دے، مجھے ہمت دے کہ میں ان کی برائیوں کو دور کر سکوں، اس نے سوچا، میرے ابا مجھے کتنا پیار کرتے ہیں، اگر میں انہیں ایک بار منع کر دوں، تو شاید وہ کبھی بھی رشوت نہ لیا کریں، مگر میں انہیں کہوں کیا؟...... مجھے تو ڈر لگتا ہے......نہ جانے ان کا یہ رویہ کیا رنگ لائے، غریبوں کے دلوں سے نکلی ہوئی بددعائیں نہ جانے ہمیں کس طرح ذلیل کریں، اس نے اپنے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے۔

''میمونہ'' ابا نے پکارا۔ ''جی اباجی۔'' وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی، سامنے شیشے میں اسے اپنا چہرہ نظر آیا، جو ڈر سے بہت بگڑ چکا تھا۔

''ادھر آؤ بیٹی! دیکھو میں تمہارے لئے کتنی اچھی چیز لایا ہوں۔'' باپ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ ''اچھی چیز؟'' اس نے نفرت سے دہرایا۔ ''اچھی چیز؟'' وہ چیخ اٹھی، میں ایسی چیز کو آگ لگاؤں گی، جو کسی بے بس غریب کا خون چوس کر حاصل کی گئی ہو...... میرے ابا کتنے ظالم ہیں، اس نے دل میں سوچا۔ انہیں غریبوں پر بھی تو ترس نہیں آتا...... رشوت ......گناہ...... اتنا بڑا گناہ......اور پھر اتنے خوش...... بھیا......امی......سب ہی تو ہنس رہے ہیں...... وہ اپنے دل سے باتیں کرتی رہی، یہاں تک کہ پاؤں کی چاپوں نے اسے چونکا دیا، ابا، امی، بھیا اکٹھے اندر داخل ہوئے، میمونہ سہم کر بولی۔ ''جی ابا میاں! کیا بات ہے؟'' آج تک کبھی بھی وہ اپنے ابا کے سامنے اتنی اداس نہ ہوئی تھی۔

''تم اتنی پریشان کیوں ہو بیٹی!'' ابا نے متفکر ہو کر کہا۔ کیا طبیعت خراب ہے؟'' ''پریشان؟'' بھیا نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ابا کچھ دنوں سے اس کے سر پر بھوت سوار ہو گیا ہے، مجھ سے روز کہتی ہے ابا میاں رشوت لیتے ہیں، بھیا! یہ بڑا برا کام ہے، بھیا! آپ منع کیوں نہیں کرتے انہیں، میں کہتا ہوں بھلا یہ بھی کوئی رشوت ہے، اگر کوئی کسی کا کچھ کام کر دے تو اس کے عوض کچھ لے لینے میں آخر کیا برائی ہے؟ قرآن میں لکھا ہے کہ کام کر کے اپنا حق نہ لو؟ شاید تم نے قرآن میں کسی اور آیت کا اضافہ کیا ہوگا؟ وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کر گیا۔

میمونہ کا چہرہ ڈر اور غصے سے ڈراؤنا سا ہو گیا۔ ''بھیا

خدا سے ڈرو۔" اس نے سوکھے ہوئے حلق میں سے اٹکی ہوئی آواز نکالی۔ "خدا، خدا" امی چلائیں۔ "نہ جانے اس لڑکی کو کیا ہوگیا ہے دیوانی کہیں کی کیا تو اکیلی خدا کو مانتی ہے، ہمارا بھی تو خدا ہے، ہم بھی تو اسے مانتے ہیں، آئی ہے بڑی نصیحت کرنے والی۔"

باپ نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ "کیوں خواہ مخواہ جھگڑتے ہو، دیکھو بیٹی، میں تمہارے لئے کتنا خوبصورت ہار لایا ہوں۔" میمونہ بچی ہی تو تھی، ہار کی چمک دیکھ کر جلدی سے اسے اٹھالیا، ہائے کتنا پیارا۔ وہ بے ساختہ بول اٹھی، امی اور بھیا کے چہرے پر کامیابی کی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ "بھیا ابا میاں! یہ کتنے تولے میں بنا ہوگا؟" اس نے معصومانہ لہجے میں کہا۔ "بڑا مہنگا ہوگا یہ تو؟" وہ باپ کی طرف دیکھنے لگی، جو بچی کو دیکھ کر نہال ہو رہا تھا۔ "مفت ہی سمجھو۔" وہ بڑی ڈھٹائی سے بولا۔

"مفت" ہار، میمونہ کے ہاتھوں سے گر پڑا، کیوں؟ کیا ہوا!؟ بیٹی تم ڈر کیوں گئیں؟" باپ نے پیار سے پوچھا۔ ابا میاں مفت کیسے؟" اس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔

"بیٹی اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟" ابا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں کوئی چوری کرکے تو لایا نہیں۔" وہ مسکرا رہے تھے۔ "آؤ تم سب کو میں آج کا دلچسپ واقعہ سناؤں۔"

بھیا اور امی شوق سے ابا کا منہ دیکھنے لگے اور انہوں نے یوں کہنا شروع کیا، آج میرے دفتر میں ایک غریب سا آدمی آیا اور آتے ہی میرے پاؤں پڑ کر کہنے لگا۔ بابو مجھے ملازم رکھ لیجئے، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور میں مہاجر ہوں، سنا ہے آپ کے یہاں کلرک کے لئے جگہ ہے، میں نے اسے پاؤں کی ٹھوکر سے سیدھا بٹھایا......"اف" بے ساختہ میمونہ کے منہ سے نکل گیا، مگر یہ اف بھیا اور امی کے قہقہوں میں گم ہو کر رہ گیا، کمرے پر شیطان کا پورا قبضہ ہو چکا تھا، ابا نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ "ہاں" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس شخص کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی، اس نے امیدوں بھری نظر سے مجھے دیکھا، میں نے مسکرا کر کہا، پہلے تمہیں میرے افسر کے پاس جانا ہوگا، وہ بڑا سخت آدمی ہے، اگر مان گیا تو پھر تمہیں نوکر رکھ لیا جائے گا، ورنہ مشکل ہے، وہ گڑگڑا کر کہنے لگا، بابو جی بہت ٹھوکریں کھا چکا ہوں، اب رحم کیجئے، آپ خود ہی ان سے اجازت لیجئے میں آپ کے بچوں کو دعائیں دوں گا۔"

بھیا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہاں تو سکے کام آتے ہیں، بھلا دعاؤں کو لے کر کیا کوئی چاٹے گا۔" اور کمرہ منحوس قہقہوں سے گونجنے لگا، میمونہ کو یوں محسوس ہوا، جیسے ناپاک روحوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔

ابا ہنستے ہوئے بولے۔ "میں نے کہا، کچھ جیب سے نکالو تو شاید کام بن جائے، وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ کر کہنے لگا۔ رشوت؟ میں نے ہنستے ہوئے کہا، نہیں منافع اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔"

"پاگل آدمی۔" امی بڑبڑائیں۔

"وہ زار و قطار رونے لگا۔" ابا نے پھر کہنا شروع کیا۔ "بھئی! اس طرح رونے سے تو کچھ فائدہ نہیں، اگر تم کچھ دے دلا نہیں سکتے تو پھر نوکری کا خیال چھوڑ دو، اسی دوران میں اس کی لڑکی اندر داخل ہوئی، جو میمونہ کی ہم عمر ہوگی، اس کے گلے میں یہ ہار تھا، میں نے ہار کو دیکھ کر اس شخص سے کہا، یہ ہار میرے پاس گروی رکھ کر پچاس روپے لے لو اور جا کر افسر کی جیب میں ڈال دو، امید ہے تمہارا کام بن جائے گا، پھر قسط وار رقم ادا کر دینا، وہ رضامند ہوگیا اور بچی کو سمجھا سمجھا کر ہار اتارنے لگا، مگر اس نے انکار کر دیا اور روتے ہوئے بولی، یہ تو میری دادی اماں کی نشانی ہے، اس شخص کو بہت غصہ آیا، اس نے لڑکی کو بری طرح پیٹا اور ہار چھین کر میرے حوالے کر دیا، میں نے اسے پچاس روپے دیئے اور اپنی میمونہ کے پاس آگیا۔"

"ابا جان آپ کو اللہ میاں سے ڈر نہ لگا؟"

"اللہ میاں اللہ میاں۔" امی نے چڑ کر کہا۔

"بھلا اس میں اللہ میاں کا کیا ذکر ہے؟ ہار پہن کر دکھاؤ، امی نے اسے ہار دیتے ہوئے کہا۔" انہیں یقین تھا کہ شاید ہار کی چمک اسے اپنی طرف راغب کرلے گی۔

"میں اسے نہیں پہن سکتی۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔ خلاف امید یہ جملہ سن کر کمرے میں سناٹا چھا گیا، جس میں میمونہ کی سسکیوں کی آواز برابر سنائی دے رہی تھی، باپ نے پہلی دفعہ اپنی پیاری بچی کو اس طرح بلکتے ہوئے دیکھا تھا، وہ بیتاب ہو کر بولا، تمہیں یہ پسند نہیں ہے بیٹی! اس نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"مت روؤ میری جان! مجھ سے آنسو نہیں دیکھے جاتے، آخر کچھ بتا بھی کہ ہوا کیا ہے؟"

"ابا میاں" وہ بولی، اس......لڑکی......کے باپ......کو بھی......اپنی بچی کو......روتے دیکھ کر......اسی طرح......تکلیف ہوئی ہوگی......ہم مسلمان تو......آپس میں بھائی بھائی ہیں......پھر کیا......اپنے ایک بھائی سے......اسی طرح......سلوک کیا جاتا ہے؟......ابا جان!......میرے آنسوؤں نے......آپ کو پریشان کر دیا......کیا اس بے بس کے آنسوؤں نے......اور ننھی بچی کے چیخ و پکار نے......آپ پر کچھ اثر نہ کیا؟......آپ کو قیامت سے......ڈر نہیں لگتا؟......آخر آپ......غریبوں کا خون چوس کر اللہ میاں کو......کیا جواب دیں گے؟......ڈریئے اس خدا سے......جس کی نظر میں......نہ جانے کون اونچا ہے اور کون نیچا۔" وہ سسکیاں لیتے ہوئے سب کچھ کہہ گئی، اس کے مسلسل آنسوؤں نے باپ کی قمیص کا کالر بھگو دیا تھا اور روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی، بھیا غصہ سے بولے۔ "تجھے ہماری قبروں میں تو جانا نہیں ہے، یہ کیا فضول باتیں کر رہی ہے؟ آئی ہیں بیچاری بڑی ملانی بن کر۔" "خاموش" باپ نے بیٹے کو جھڑکتے ہوئے کہا۔ "میری بچی" وہ میمونہ سے مخاطب ہوئے۔ "تیرے آنسوؤں نے میری آنکھیں کھول دیں، بے شک میں نے غریبوں پر بہت ظلم کیا، ان کی بے بسی سے فائدہ اٹھا کر ان کے مال پر ناجائز قبضہ کیا، مگر اب میری بچی......میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں کہ اب ایسا نہیں کروں گا......اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کہہ سکے ان کی آواز بھرا گئی اور آنکھیں بھر آئیں۔ میمونہ کی آنکھیں ایک دم چمک اٹھیں، جواب بھی آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی تھیں، مگر یہ آنسو؟......کیا غم کے تھے؟......نہیں خوشی کے......اس نے امید بھری نظروں سے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور یہ ہار۔"

نوکری کی خوشخبری لے کر اپنے مالک کے پاس جائے گا۔ باپ نے پیار سے کہا۔ جس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور آنکھیں بھری ہوئی تھیں، میمونہ نے ابا کہہ کر اپنا سر باپ کے سینے پر رکھ دیا، ابا محبت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اور......ان کی آنکھیں میمونہ کے سنہرے بالوں میں موتی پرونے لگیں۔

☆......☆......☆

بہت ہی اہم نصیحت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور ایک خاص اثر آپ کے چہرۂ مبارک پر تھا، میں نے دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کوئی بات نہ کی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے، میں حجرہ کی دیوار سے لگ کر کھڑی ہوگئی کہ آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

"لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع کرتے رہو، مبادا اور وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو، تم سوال کرو، وہ پورا نہ کیا جائے، تم اپنے دشمن کے خلاف مجھ سے مدد مانگو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔"

بس یہی باتیں فرما کر آپ منبر سے نیچے تشریف لے آئے......(ابن ماجہ، ابن حبان)

انبیاء کے دیس میں

قسط نمبر:6

بنت حضرت مولانا عبدالمجیدؒ

دنیا کی زندگی ایک سفر ہے، ہر انسان اپنے اپنے سفر پر رواں دواں ہے، اس سفری زندگی میں چھوٹے بڑے سفر ہوتے رہتے ہیں، جو انسان کو بہت کچھ سکھا جاتے ہیں اور اس کے ذہن میں انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ ذیل میں "حیا" کی مشہور رائٹر بنت عبدالمجید صاحبہ کا سفر نامہ پیش ہے، جو دلچسپ معلومات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

(۸)...... "الملک رمسیس التاسع" کا جسد بھی یہاں موجود تھا، اس کے بارے میں گمان یہ ہی ہے کہ یہ رمسیس الثالث کا خلیفہ تھا اور اس کے بعد ۱۹ سال تک حکومت کی، اس لاش کی ناک ٹوٹ چکی تھی اور جسم حد درجہ اکڑا ہوا تھا، ناک کے ٹوٹنے کی وجہ یہ ہی بتائی گئی کہ جب لاش دریافت ہوئی تو یہ ہی حالت تھی، اس کا دور ۱۱۰۷ سے ۱۱۲۵ ق م تک کا ہے۔

(۹)......ایک لاش "الملک رمسیس الخامس" کی تھی، یہ الملک رمسیس الرابع کا بیٹا تھا اور اس نے پانچ سال سے کچھ کم عرصہ تک کرسی اقتدار پر قبضہ رکھا اور تیس سال کی عمر میں اس کے چہرے، گردن اور سینے پر بہت بری خارش اور دانے ہوئے، جس میں ہی وفات ہوگئی، اس کی لاش وادی الملوک میں مقبرہ امنحوتب الثانی سے ملی، اس کا دور ۱۱۴۲ سے ۱۱۴۵ ق م کا ہے۔

(۱۰)......ایک لاش "الملک رمسیس الرابع" کی تھی، یہ جسم بھی تازیانہ عبرت ہے، بظاہر دیکھنے میں میت کی آنکھیں بند تھیں، لیکن جب اس لاش کی دریافت ہوئی تو بعض وجوہ کی بناء پر اس کے سر کے بائیں جانب کان کے اوپر سے سوراخ کیا گیا اور اندرونی حصے کو نکال کر وہاں گھاس بھر دی گئی اور آنکھوں کے اندر سے ڈھیلے نکال کر پیاز بھر دی گئی، جب ہم نے نیچے جھک کر دیکھا تو سر کا سوراخ واضح دیکھا، جہاں خشک گھاس بھری ہوئی تھی۔

(۱۱)......استغفار پڑھتے ہوگے آگے بڑھے تو "الملک رمسیس الثالث" کا جسم رکھا تھا، یہ فراعین مصر کا سب سے آخری فرعون تھا، جس نے مصر میں بحری بیڑہ سنبھال رکھا تھا، گمان کیا جاتا ہے کہ اسے ۶۰ سال کی عمر میں اس کی بیویوں میں سے کسی ایک نے زہر دے کر مار ڈالا اور یوں وہ واصل جہنم ہوا، اس کا دور ۱۱۵۲ سے ۱۱۸۳ قبل مسیح کا ہے۔

ان لاشوں کے متعلق پڑھنے والے ہر ذہن میں یہ سوال ضرور اٹھے گا کہ یہ لاشیں کہاں سے آئیں؟ اور ابھی تک محفوظ کیوں ہیں؟

اس راز کو جاننے کے لئے تاریخ کے اوراق میں جھانکا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مصر کی سرزمین اپنے اندر اس قدر خزانے چھپائے ہوئے تھی کہ جس سے ساری دنیا کو خریدا جا سکتا تھا، مگر ان خزانوں تک پہنچنا آسمان سے ستارے توڑ لانے کے برابر تھا، یہ خزانے فرعونوں کے مدفنوں میں محفوظ تھے، تاریخ فرعونوں کی اس رسم سے کبھی بھی بے خبر نہیں رہی کہ جب کوئی فرعون مرتا تھا تو اس کے ساتھ شاہیانہ ضروریات کا تمام سامان اس کے ساتھ دفن کیا جاتا تھا، مرے ہوئے فرعون کی قبر چند گز چوڑی نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ زیر زمین ایک محل تعمیر کیا جاتا، جو فرعون اپنی زندگی میں ہی تیار کروالیا کرتے اور جگہ ایسی منتخب کرتے جس تک اس کی موت کے بعد کوئی رسائی حاصل نہیں کرسکے، مرنے کے بعد اس طرح بند کردیا جاتا کہ معماروں سوا کسی کے علم میں نہ ہوتا کہ اسے کھولا کس طرح جاتا ہے، مرنے والے کے لواحقین معماروں کو قتل کردیا کرتے۔

ان فرعونوں کا ایک عقیدہ تو یہ تھا کہ وہ خدا ہیں، دوسرا یہ کہ مرنے کے بعد انہیں یہ ہی جاہ و حشمت حاصل ہوگی، چنانچہ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر اور پھر پہاڑ کے نیچے کھدائی کرکے محل جیسے ہال اور دیگر کمرے بنوا کر اس محل میں زیادہ سے زیادہ ہیرے جواہرات رکھوا دیئے جاتے، اس کے علاوہ بگھیاں بمع گھوڑوں اور بگھی بانوں کے اور کشتیاں بمع ملاحوں کے اندر رکھ دی جاتیں، خدمت کے لئے کنیزیں، غلام اور بیویاں ساتھ ہوتی تھیں، اس طرح صورت حال یہ بن جاتی کہ ایک انسان کی لاش کے ساتھ جہاں بے انداز مال و دولت دفن ہو جاتا تھا، وہاں بہت سے انسان زندہ اندر بھیج کر باہر سے مدفن کا منہ بند کردیا جاتا تھا، تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ دم گھٹنے سے کس طرح مرتے ہوں گے، البتہ فرعونوں کی لاشوں کو حنوط (ایک مرکب خوشبودار مصالحے کو کہا جاتا ہے) کیا جاتا تھا، سو ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی آج تک ان کی لاشیں محفوظ ہیں۔" یہی تاریخ اہرام مصر کی بھی ہے جس کا ذکر آپ نے پیچھے پڑھا۔"

فرعون کا دور ختم ہوا تو مصر کی حکومت، جس کے بھی ہاتھ میں آئی، اس نے مدفنوں کی تلاش کی کوشش کی، اس دور میں یہ مہم ناممکن حد تک مشکل ثابت ہوئی۔

مصر نے تاریخ میں بہت سی بادشاہیاں دیکھیں، ہر بادشاہ نے اپنے طور پر مدفن تلاش کئے، جسے جو ہاتھ لگا، لے اڑا، لیکن سب سے زیادہ حصہ انگریزوں کے ہاتھ آیا، کیونکہ انگریزوں نے وہاں موجودہ دور میں اپنا اثر قائم کیا جبکہ سائنس ترقی کر چکی تھی، سائنس نے اور کھدائی کے مشینی طریقوں نے انگریزوں کی بہت مدد کی، پھر بھی کہتے ہیں کہ زمین مصر فرعونوں کے خزانوں سے ابھی تک مالا مال ہے۔

پھر فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی جب مصر میں آیا تو صلیبی دنیا پر لرزہ طاری ہوگیا، سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور سے قبل ہی صلیبیوں کو معلوم تھا کہ مصر خزانوں کی زمین ہے، یہ ہی وجہ تھی کہ وہ مصر پر قابض ہونا چاہتے تھے، مگر ایوبی کو شکست دینا آسان نظر نہ آیا، پھر انہوں نے کسی طرح ایوبی فوج کے اعلیٰ کمانڈر احمر درویش کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور اس کے ذریعے حکومتی کاغذات کی ایسی تحریریں اور نقشے چوری کروائے جن میں بعض مدفنوں کے متعلق درج تھا، جن دنوں مصر میں یہ سازشیں اور بغاوتیں ہو رہی تھیں، ان دنوں سلطان ایوبی شوبک اور کرک کے محاذ پر تھا، ایک طرف صلیبی مدفنوں کی تلاش میں تھے تو دوسری طرف ایوبی اپنی فوج سے کہہ رہا تھا، میں اپنی قوم میں یہ جذبہ پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو اور خدا کو سمجھنے کی کوشش کریں، میں جانتا ہوں کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب کفر کا خنجر سلطنت اسلامیہ کے سینے میں اتر جائے گا، اگر اپنی تاریخ کو اس ذلت سے بچانا چاہتے ہو تو آج ہی پیش بندی کرلو، اپنی قوم کے قریب جاؤ، اپنے آپ کو حاکم اور قوم کو محکوم سمجھنا چھوڑ دو، ان میں اتنا وقار پیدا کرو کہ یہ قومی وقار پر جانیں قربان کردیں، مجھے صرف تمہارے

ایمان کی مضبوطی کی ضرورت ہے۔

سلطان کی بات سن کر ایک اعلیٰ کمانڈر نے کہا: امیر محترم! اس کے ساتھ ساتھ ہمیں دولت کی بھی ضرورت ہے، اخراجات پورے کرنے میں مشکلات پیش آرہی ہیں۔

سلطان ایوبی نے کہا کہ تمہیں یہ حقیقت ہمیشہ کے لئے قبول کرنی پڑے گی کہ مسلمانوں کے پاس دولت اور فوج کی کمی رہی ہے اور رہے گی۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی جنگ تین سو تیرہ مجاہدین سے لڑی تھی اور اس کے بعد بھی مسلمان اسی تناسب سے لڑے، ہمارے پاس دولت کی کمی نہیں رہی بلکہ دولت چند ایک گھروں میں چلی گئی ہے، چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے مفاد پرست مالکوں کے گھروں میں دولت کے ڈھیر پڑے ہیں۔

دولت کے ڈھیر یہاں بھی پڑے ہیں، سالار اعظم! ایوبی کے کوتوال غیاث بلبیس نے کہا: اگر آپ اجازت دیں تو ہم ایک نئی مہم شروع کرسکتے ہیں، ہم فرعونوں کے زمین بوس مقبروں اور مدفنوں کی تلاش شروع کریں اور خزانے ملک وقوم کی خاطر استعمال کریں۔

غیاث کی تجویز پر مجلس میں ہنگامہ سا برپا ہوگیا، ہر کوئی اسی کی تائید کر رہا تھا، لیکن سلطان ایوبی نے اس تجویز کو رد کردیا اور کہا: میں نہیں چاہتا تھا کہ تاریخ مجھے مقبروں کا چور اور ڈاکو کہے، تاریخ نے مجھے ذلیل کیا تو تم بھی ذلیل ہوجاؤ گے، صلیبی اس الزام کو خوب اچھالیں گے، تمہاری قربانیوں اور جذبہ اسلام کو ڈکیتی اور رہزنی کا نام دے کر تمہیں تمہاری نسلوں میں رسوا کردیں گے۔

یہ سن کر ایوبی کے نائب علی بن سفیان نے کہا کہ گستاخی معاف! امیر محترم غیاث بلبیس ٹھیک کہتا ہے کہ وہ خزانے ان فرعونوں کے نہیں، بلکہ غریب مخلوق کی دولت ہے، میں یہ مشورہ پیش کرنے کی جرأت ضرور کروں گا کہ یہ خزانے نکال کر انسان کی فلاح و بہبود اور وقار کے لئے استعمال کئے جائیں۔

اور میں تمہیں یہ بھی بتادوں کہ یہ خزانے تمہارے سامنے آئے تو تم بھی فرعون بن جاؤ گے، انسان کو یہ جرأت کس نے دی کہ وہ اپنے کو خدا سمجھے؟ دولت اور دولت کی ہوس نے انسان کو انسان کے آگے سجدہ کس نے کروایا؟ مفلسی اور بھوک یاد رکھو! جب پہلے فرعون کی لاش تمام تر خزانوں کے ساتھ زمین میں دبائی گئی تھی، قبر چوری اسی وقت ہوگئی تھی، انسان وحشیوں اور درندوں کی طرح پہلے فرعون کے مدفن پر ٹوٹ پڑتے تھے، ان کا دین اور ایمان صرف دولت بن گیا تھا، فرعون مرتے رہے اور قبر چوری باقاعدہ پیشہ بن گئی، میرے رفیقو! صلاح الدین ایوبی کو اس قطار میں کھڑا نہ کرو۔

مگر امیر محترم! ہم ان خزانوں کی تلاش ذاتی لالچ کے لئے نہیں کرنا چاہتے، قومی ضروریات کے پیش نظر یہ مہم شروع کرنا چاہتے ہیں۔

میں جانتا ہوں، میرا انکار تم میں سے کسی کو پسند نہیں، سلطان ایوبی نے کہا: قومی ضروریات کے لئے آئی ہوئی دولت حاکموں کے ایمان کو متزلزل کردیا کرتی ہے، دولت لعنت ہے، اگر میرے پاس گھوڑا خریدنے کیلئے رقم نہیں ہوگی تو میں فوج کے ساتھ پیدل بیت المقدس جاؤں گا، گھوڑا خریدنے کے لئے مردوں کے کفن اتار کر نہیں بیچوں گا، مصر میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب یہ خزانے تمہارے سامنے آئیں گے تو تم ایک دوسرے کو شک کی نگاہوں سے دیکھو گے، جہاں خزانے آجاتے ہیں، وہاں انسانی محبت ختم ہوجاتی ہے، میں ایک نئے جرم کی بنیاد نہیں ڈالنا چاہتا، ان خزانوں سے بچو، ان ہی کی بدولت تمہاری صفوں میں غدار موجود ہیں، اپنی تقدیر اپنی تدبیر سے بناؤ، تم مسلمان ہو، اپنی قسمت کفار کے ہاتھوں میں نہ دو، ورنہ سب غدار ہوجاؤ گے، فرعون مرچکے ہیں، انہیں زمین کے تہوں میں دبا رہنے دو۔

مرد حق صلاح الدین ایوبی نے اپنی فراست کی بدولت مسلمانوں کو اس کام سے باز رکھا، لیکن جن

خزانوں سے وہ نفرت کرتا تھا، اس تک صلیبی جماعت کے پچاس افراد پہنچ گئے تھے۔

وہ جماعت مارکونی کی کمان میں صحرا میں پہنچی، یاد رہے کہ مارکونی کے ہمراہ ایک رقاصہ قدوسی اور اس کا خادم اسماعیل بھی تھا، قصہ مختصر یہ کہ بہت دقت سے یہ لوگ پہاڑی چٹانوں میں داخل ہوگئے، جن میں سے کچھ راستے میں ہی پتھروں سے لڑھک کر گرے اور مر گئے، یہ جماعت فرعون ریمینس کے مدفن کی تلاش میں تھی، آخر کار بہت جدوجہد اور تھکن کے بعد انہیں ایک مخروطی چٹان ملی، اندازہ کیا گیا کہ اگر اسے ہٹایا جائے تو اندر داخل ہوا جاسکتا ہے، چٹان بلندی پر تھی، مارکونی نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ڈور کو چٹان کی ابھری ہوئی چوٹی پر بندھوائے اور کہا کہ رسہ پوری طاقت سے کھینچو، سب نے زور لگایا حتیٰ کہ شام ہوگئی، کچھ دیر ستانے کے بعد وہ پھر زور لگاتے رہے، وزنی چٹان دھیرے دھیرے سرکنا شروع ہوئی، جب چٹان کا اگلا حصہ جھکتا اور سرکتا نظر آیا تو ان کا جوش وخروش اور بڑھ گیا، یکایک چٹان ایک مہیب آواز کے ساتھ سرکی اور الٹ کر نیچے کو لڑھک گئی، جہاں مارکونی کے آدمی تھے، اوپر سے چٹان اتنی تیزی سے آئی کہ نیچے سے ایک آدمی بھی بھاگ نہیں سکا، چٹانوں میں گھری ہوئی دنیا بیک وقت چیخوں سے لرز اٹھی اور سکوت طاری ہوگیا، گری ہوئی چٹان کے نیچے سے خون بہہ رہا تھا، کسی کا ہاتھ نظر آرہا تھا، کسی کی ٹانگ اور کسی کا سر اور کچھ ایسے بھی تھے جو درمیان میں نیچے آگئے تھے اور جو بچ گئے وہ بھاگ گئے تھے، البتہ قدوسی اور اسماعیل ایک کونے میں کھڑے خوف سے کانپ رہے تھے۔

اگلے دن وہ تینوں چٹان پر چڑھ گئے، جہاں مدفن کی اندر جانے کا دہانہ تھا، مارکونی نے کھولا تو وہ سرنگ بن کر ایک طرف چلی گئی، کچھ دور آگے جاکر سرنگ بند ہوگئی، مارکونی نے وہاں الٹی کدال ماردی تو ایسی آوازیں آئیں، جیسے اس کے پیچھے جگہ کھوکھلی ہے، یہ پتھر کا چوکور دروازہ تھا، اسی پر ضربیں لگائیں تو کناروں سے خلا نظر آنے لگا، سلاخوں اور ہتھوڑوں کی مدد سے اس تراشے ہوئے پتھر کو ہلا لیا گیا اور بہت سی محنت ومشقت کے بعد اس پتھر نے اسی طرح راستہ دیا کہ پیچھے کو گرا، اس کے وزن کا یہ عالم تھا کہ اس کے گرنے سے زلزلے کا جھٹکا محسوس ہوا، اندر سیڑھیاں جاتی تھیں، جہاں جابجا انسانی کھوپڑیوں اور ہڈیوں کے پنجر پڑے تھے، ان کے ساتھ برچھیاں اور ڈھالیں بھی تھیں، سیڑھیاں انہیں دور لے گئیں، اندرونی حصہ صحیح معنوں میں شیش محل تھا، چھتیں اونچی اور دیواروں پر چتر کاری کی گئی تھی، ایک فراخ کمرے میں چبوترے پر تابوت رکھا تھا اور چہرہ ننگا تھا، صرف ریمینس کے علاوہ ہر طرف ہڈیاں انسانی پنجر اور کھوپڑیاں ہی کھوپڑیاں تھیں، ایک کمرے میں بڑے بڑے بکس رکھے تھے، جو کہ سونے کے زیورات اور ہیروں سے پُر تھے، مارکونی بہت خوش تھا، وہ خوشی میں دوسرے کمروں میں بڑھ گیا، البتہ قدوسی اور اسماعیل اسی کمرے میں رہے، اسماعیل نے قدوسی سے کہا: تم بھی انہیں جواہرات کے لئے آئی ہونا، اٹھالو، جو چاہے۔

قدوسی چیختے ہوئے ہٹی، نہیں، میں نے اپنا انجام دیکھ لیا ہے، یہ دیکھو کھوپڑی، جس کے گلے میں ہار ہے، یہ بھی یقیناً میری طرح کی لڑکی ہی ہوگی اور آج مجھے یہاں سے لے چلو، وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔

اسماعیل نے ہنستے ہوئے کہا، چلو، توبہ کرنے کا انعام ہی سہی، یہ کہہ کر اس نے ایک بکس کھولا اور اس میں سے جواہرات نکالنے لگا، دوسری طرف سے مارکونی اس پر جھپٹا اور بولا، یہ خزانہ میرا ہے، وہیں اندر ہی خوب معرکہ ہوا، اسماعیل اور مارکونی کی تلواریں ٹکرا رہی تھیں، عقب سے قدوسی نے چھوٹا خنجر مارکونی کے پہلو پر اس طاقت سے مارا کہ وہ گر گیا، اسماعیل نے ایک اور وار کیا تو وہ وہیں ختم ہوگیا، وہ دونوں وہاں سے جب نکلے تو سارے گناہ اندر ہی پھینک آئے اور قاہرہ جاکر غیاث

بلبیس کو ساری داستان سنائی، اس نے آہ بھری اور کہا: مجھے صلاح الدین ایوبی کی باتوں کی حقیقت اب معلوم ہو رہی ہے۔

پھر انہی دونوں کی بدولت احمر درویش کو گرفتار کرلیا گیا اور اگلے دن فوج کے ایک بڑے دستے کو اسماعیل کی رہنمائی میں اس مدفن کی طرف بھیجا گیا، ثبوت وغیرہ دیکھ کر فوج کی مدد سے مدفن کے دہانے کو اس طرح بند کردیا گیا، چٹان جو نیچے پڑی تھی، اسے فوج کی ایک بڑی جمعیت نے رسوں اور زنجیروں سے اوپر کیا اور فرعون ایک بار پھر نظروں سے اوجھل ہوگیا، مگر اب وہ اپنے جیسے ایک گناہ گار کی لاش بھی اپنے مدفن میں لے گیا تھا۔

اس واقعے کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد ثبوت کے طور پر تھا، اسی واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ فرعون کی دولت سرزمین مصر کے نیچے دبی ہے، جسے جدید آلات کے ذریعے نکالا گیا تھا اور نکالا بھی جا رہا ہے اور یہ تمام لاشیں بھی انہی مدفنوں سے نکالی گئی ہیں۔

یہاں سے نکلتے ہوئے ابو نے کہا: اب واپس چلتے ہیں، تاکہ کسی مسجد میں ظہر کی نماز ادا کرسکیں، لیکن ہم انجان مسافر تھے، اندر ہی اندر اپنے اندازے سے گھومتے رہے، تقریباً ایک گھنٹہ ہمیں باہر کا راستہ ڈھونڈتے ہوئے لگ گیا، جو دروازہ دیکھتے، اس میں داخل ہوجاتے، لیکن وہاں کچھ اور عجائبات نظر آتی، یہ عمارت بنائی بھی اسی طرز پر گئی ہے کہ اندر داخل ہوجائے بندہ تو اندر کا ہوکر رہ جائے، ہم نے ایک بڑے سے ہال میں سوتک اور لاشیں دیکھی، جو تابوت میں بند تھیں، وہ لاشیں ہیں، جن کا معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کون لوگ ہیں، کچھ تابوت خالی بھی رکھے تھے، سب تابوتوں کے اوپر بڑے بڑے بت اور شکلیں بنی ہوئی تھیں، راستہ کی تلاش کرتے کرتے ہمیں دروازہ مل گیا اور ہم وہاں سے باہر نکلے اور ٹیکسی میں مسجد الحسین پہنچے، کیونکہ والد صاحب کا ارادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نوادرات دیکھنے کا تھا، روڈ کراس کر کے مسجد الحسین آتی ہے اور اس کے سامنے جامعہ الازہر کی مسجد ہے، جماعت ہوچکی تھی، اس لئے ہم نے سوچا کہ مسجد الازہر میں نماز ادا کرلیں، صحن عبور کر کے ہم مسجد کے دوسرے کنارے پر پہنچے، یہاں سے باہر نکل کر دور دورات المیاہ (وضو خانہ) بنا ہوا ہے، وہاں سے ہم وضو کر کے آئے اور مسجد میں نماز ادا کی، ہر ستون کے پاس طالب علم تھے، کوئی سر پر کتاب رکھے ہوئے سو رہا تھا اور کوئی بس صفحے پلٹ رہا تھا، یہاں تو مزے ہی مزے سے آرام کرو، تصویریں کھینچو، کھاؤ، پیو اور ڈگری حاصل کر کے علامہ جی بن کر گھر لوٹ جاؤ، مسجد کے اندر ایک طالب علم نے زمین پر کوئی کتاب رکھی ہوئی تھی اور خود الٹا لیٹ کر پاؤں ہلا ہلا کر یاد کر رہا تھا، واہ کیا خوب طریقہ ہے یاد کرنے کا، یہاں سے ہم مسجد کے اندرونی حصے کی طرف گئے، اندر صرف ایک جماعت مجتہدین کی بیٹھی نظر آئی، باقی سیاحین لگ رہے تھے، ایک دیوار کے ساتھ بڑی سی کتابوں کی الماری رکھی ہوئی ہے، جامعہ الازہر میں جو انگریز آتے ہیں، انہیں ایک شخص اسلامی کتابیں دکھا رہا تھا اور دین کے بارے میں بتا رہا تھا، برآمدے میں سے گزرتے ہوئے ابو جی تھائی لینڈ کے طالب علم سے بات چیت کرنے لگے اور ہم چلتے ہوئے تیسرے برآمدے میں پہنچ گئے، ہم نے اندر کمروں میں جھانکا تو ایک نیا منظر نظر آیا، ایک استاد بیٹھے پڑھا رہے تھے اور ان کے سامنے کچھ طالبات برقعے میں اور کچھ بغیر کسی پردے کے پڑھ رہی تھیں، اس طرح تمام کمروں میں مرد اساتذہ بغیر کسی حجاب کے خواتین کو پڑھا رہے تھے، ایک طالبہ نے بتایا کہ اس وقت یعنی دوپہر کے اوقات میں ہم ٹیوشن پڑھتے ہیں جو صبح درسگاہ میں سمجھ نہیں آتا، وہ یہاں دوپہر میں سمجھ لیتے ہیں، گیٹ کے قریب ہم نے ایک اور منظر دیکھا، وہ یہ کہ ایک شخص الماری کے پاس کھڑا تھا، انگریز بھی اس

یونیورسٹی کی مسجد دیکھنے آتے ہیں جو بھی انگریز عورت آتی، الماری سے ایک جبہ نکال کر انہیں دیتا اور زبردستی پہننے پر مجبور کرتا، اس کے بغیر انہیں اندر جانے کی اجازت نہیں ہے، جبہ اور دوپٹے سے ان کا عریاں بدن مکمل ڈھک جاتا، پھر اندر الماریوں کے پاس انہیں دینی کتابوں سے متعارف کروایا جا رہا تھا، یہ دعوت دین کا ایک موثر طریقہ ہے، عجب نہیں کہ اللہ اس کے ذریعے کسی ایک کو بھی ہدایات دے دے تو ان کی آخرت سنور جائے، یہاں سے نکل کر ہم نے انڈر گراؤنڈ کراسنگ کے ذریعے روڈ کراس کیا اور اس پار پہنچ گئے، سامنے مسجد الحسین جگمگا رہی تھی، درمیان میں ایک بڑا سا پارک تھا، جس کے اردگرد بینچ لگے ہوئے تھے، ابو نے ہم تینوں کو باہر بینچ پر بیٹھنے کا کہا اور مرد حضرات مسجد میں چلے گئے، ہم سے قریبی بینچ پر کچھ لڑکے بیٹھے تھے اور عربی میں بات چیت کر رہے تھے، لیکن ان کی آواز ہم تک آرہی تھی، کسی نے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں، دوسرے نے کہا، یہ شاید مہمان ہیں اور غالباً افغانستان سے آئے ہوں گے، کیونکہ ان کا لباس ایسا ہے، لو جی ہم یہاں بھی طالبان اور افغانستان، ہم ہنسنے لگے، کافی دیر گزر گئی، بھائی نے آکر بتایا کہ جن صاحب کے پاس نوادرات کے کمرے کی چابی ہے، وہ ابھی تک نہیں آئے، اس لئے ہم آج نہیں دیکھ سکتے اور مسجد کے امام صاحب نے ہمیں چائے کے لئے روک لیا ہے، لہٰذا آپ لوگ کچھ دیر اور انتظار کریں، عصر کی اذان میں 20 منٹ تھے، جب والد صاحب باہر تشریف لائے، طے یہ ہوا کہ یہیں سے کھانا خرید کر کھالیا جائے اور نماز عصر یہاں ادا کر کے ہوٹل روانہ ہوں، والد صاحب خان الخلیل کی مارکیٹ سے پکوڑے، آلو کی چپس اور آلو کی ہی کوئی ڈش خرید کر لے آئے، مصر میں روٹیوں کی دکان تو ہم نے کوئی نہیں دیکھی، البتہ یہاں روٹیاں جگہ جگہ ٹھیلوں پر بکتی ہیں، جیسے ہمارے یہاں پھل بکتے ہیں، کہیں لوگ سر پر روٹیاں اٹھائے بیچتے ہیں اور کہیں روڈ پر چادر ڈالے روٹیوں کا ڈھیر لئے بیٹھے ہوتے ہیں اور یہ کسی مخصوص جگہ پکائی جاتی ہیں، جہاں سے یہ حضرات خرید کر لے آتے ہیں۔

مسجد الحسین کے سامنے بھی ایک شخص سر پر تھال اٹھائے روٹیاں بیچ رہا تھا، ہم نے یہیں سے روٹیاں خریدی، گلاس ہمارے پاس تھا اور پانی کی منرل واٹر خرید کر اور مسجد کے صحن میں ایک کونے میں بیٹھ کر کھانا کھایا، یہ روٹیاں بغیر چھنے ہوئے آٹے کی تھی اور پھولی پھولی کڑک سے تھی، لیکن ٹھنڈی ہونے کی وجہ سے زیادہ مزہ نہ آیا، ہمیں اس طرح کھانا کھاتے دیکھ کر عبدالواجد کے منہ سے بے اختیار نکل پڑا کہ سبحان اللہ، سفر بھی کیا چیز ہے، کہیں تو آدمی بادشاہ ہوتا ہے اور کہیں فقیر، ہم نے اس کی بات سے اتفاق کیا، ابو نے کہا کہ جی بیٹا، سفر میں انسان کو بہت سے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور بہت سے تجربات حاصل ہوتے ہیں، ابو نے ایک دلچسپ بات بتائی کہ امام مسجد نے ہمیں چائے پلائی، تو ہم خوش ہوئے کہ بہت خوش اخلاق انسان ہے اور جب ہم جاتے وقت ان سے ملاقات کر رہے تھے تو انہوں نے دھیرے سے میرے کان میں کہا، شویا بخشش، ابو کے بتانے پر ہم حیران ہوئے کہ اب تو خلوص بھی پیسوں کا ملتا ہے، اسی اثنا میں عصر کی اذان ہوگئی، لیکن اذان کے بعد موذن نے دو جملے کہے، اس پر والد صاحب کو ان کے عقیدے پر شک ہوا، لہٰذا ابو نے کہا کہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم اپنی نماز پڑھ لیں اور ان کی اقتداء میں نماز ادا نہ کریں، لہٰذا ہم نے ایسا ہی کیا، پھر وہاں سے ٹیکسی میں سوار ہوکر اپنے ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے، ہوٹل کی شارع پر ہی ایک مارکیٹ پڑتی تھی، لہٰذا ہم نے گاڑی ہوٹل سے کچھ دور رکوائی اور مارکیٹ میں چلے گئے۔

☆......☆......☆

نماز کی بدولت

قیصر جبیں

بس فراٹے بھرتی ہوئی منزل کی طرف رواں دواں تھی، سحر اپنی سیٹ پر براجمان کسی گہری سوچ میں گم تھی، موسم بہار کی دوپہر نے ہر طرف خوش رنگ دھوپ بکھیر رکھی تھی، سڑک کے دونوں طرف انتہائی خوبصورت مناظر دکھائی دے رہے تھے مگر سحر منظر سے بے گانہ اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی تھی۔

صرف چھ مہینے پہلے وہ زندگی کے ہر غم سے بے پرواہ تھی، باپ ایک بڑے میڈیکل اسٹور کا مالک تھا، اچھی گزر بسر ہو رہی تھی، سحر کو ماں کا پیار، باپ کی شفقت، سہیلیوں کی محبتیں، تعلیم کی دولت، خوشحالی اور دینداری، سب ہی کچھ تو ملا تھا، وہ سوچتی تھی کہ شاید خوشیوں، محبتوں اور برکتوں کے آنگن میں جھولنا ہی میرا مقدر ہے، مگر پھر اچانک سب کچھ لٹ گیا۔ باپ ایک ٹریفک حادثے کا شکار ہو گیا اور ماں بستر پر ایسی پڑی کہ کسی کام کے قابل نہ رہی۔ باقی بہن بھائی ابھی چھوٹے تھے، موقعے سے فائدہ اٹھا کر خود غرض چچاؤں نے مرحوم بھائی کی جائیداد اور میراث فوراً تقسیم کر لی اور یہ چھوٹا سا خاندان بالکل بے آسرا رہ گیا۔ سحر پڑھی لکھی تھی۔ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا اسے گوارا نہ تھا، اس نے اخبار میں لاہور کے ایک گرلز اسکول کے لئے اسٹاف کی ضرورت کا اشتہار پڑھا تو اپنی اسناد کی نقول کے ساتھ کوائف نامہ بھیج دیا، چند ہی دنوں میں ادارے کی طرف سے خط آ گیا کہ آپ دس مارچ کو صبح نو بجے اسکول پہنچ کر پرنسپل کو انٹرویو دے دیں۔

سحر کے چھوٹے ماموں لاہور میں رہتے تھے، اس لئے یہ نوکری اس کے لئے کچھ تحفظ کا ماحول لئے ہوئے تھی۔ آخر ماں کو بڑے ماموں کے گھر چھوڑ کر اپنے لئے نئے مستقبل کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی، ماں نے اسے رخصت کرتے ہوئے آخری نصیحت یہ کی تھی: ”بٹیا، نماز کی پابندی کرتی رہنا، اذان ہوتے ہی نماز پڑھ لیا کرنا۔“

ماں کی تربیت کا اثر تھا کہ سحر نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اس کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی تھی، اب سفر کے دوران وہ سوچ رہی تھی، نا معلوم اس تعلیمی ادارے کا ماحول واقعی اسلامی ہوگا بھی یا نہیں، بہت سے اداروں میں اسلام کا صرف نام ہی ہوتا ہے، ماحول کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہوتا، وہ خود کو اس کے مطابق ڈھال پائے گی یا نہیں۔

اچانک ایک جھٹکے کے ساتھ بس رک گئی۔

”کیا ہوا، بس کیوں روک دی!!“ ایک مسافر نے آواز لگا کر پوچھا۔

”کچھ نہیں، شاید گاڑی کا انجن خراب ہو گیا ہے۔“ ڈرائیور یہ کہتے ہوئے نیچے اتر گیا، اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی بس سے باہر آ گئے۔

گرمی سے گھبرا کر سحر بھی باہر نکل آئی اور دوسری عورتوں کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئی، وہ مکمل طور پر برقعے میں ملبوس تھی، اس کے گھر میں پردے کا پورا اہتمام ہوتا تھا، پردے کی وجہ سے ضرورت کے تحت باہر نکلتے ہوئے پورے تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔

اچانک فضا میں ظہر کی اذان کی آواز گونجی اور سحر کو نماز خیال آ گیا، یہ پہلا موقع تھا کہ اسے سفر میں نماز کی نوبت آ رہی تھی۔

”خالہ گاڑی چلنے میں کتنی دیر ہے؟“ اس نے ہمت

کر کے ایک بڑی بی سے پوچھا۔

”ہے ابھی تھوڑی دیر، صبر کرو نا؟“

”میں نے نماز پڑھنی ہے، کہیں بس چلی تو نہیں جائے گی۔“

”نماز! اے ہے، سفر میں تو مرد بھی کوئی کوئی نماز پڑھتا ہے، تم عورت ہو کر اتنی فکر کیوں کر رہی ہو، بس آرام سے بیٹھو، گھر جا کر قضا کر لینا۔“

”قضا کیسے کر دوں، نماز تو اللہ کا حکم ہے، ہر مسلمان پر فرض ہے، گھر ہو یا سفر!“ اس نے ترش لہجے میں کہا۔

”اچھا تو پھر جو مرضی کرو، پڑھنی ہے تو پڑھ لو۔“

سحر کو نماز کے لئے چادر بچھانی تھی، وہ بس کے اندر جا کر اپنا بیگ نکال لائی، مگر اس سے پہلے اسے وضو بھی کرنا تھا، اس کے لئے پانی کی ضرورت تھی، اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں، سڑک سے ذرا نیچے ایک عورت اپنے گھر کے سامنے جانوروں کو چارہ ڈالتے نظر آئی، وہ ہمت کر کے نیچے اتر گئی۔

”سنئے، میں نے نماز پڑھنی ہے، پانی مل جائے گا۔“ اس نے قریب جا کر کہا۔

”ہاں کیوں نہیں۔“ اس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ ”اندر آ جاؤ، یہاں کوئی مرد نہیں ہے، نماز کی جگہ بھی بنی ہوئی ہے۔“ گھر کی چہار دیواری مٹی کی بنی ہوئی تھی اور اونچی نہیں تھی، سحر کو اندر داخل ہونے کے بعد بھی سڑک پر کھڑی ہوئی بس دکھائی دے رہی تھی، دیہاتی عورت نے سحر کو ایک لوٹے میں پانی لا دیا، سحر نے وضو کیا تو بڑا اطمینان محسوس ہوا۔

”یہ جائے نماز ہے، یہاں نماز پڑھ لو، قبلہ اسی طرف ہے۔“ عورت نے لکڑی کے ایک تخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ سحر نماز کے لئے کھڑی ہو گئی۔ اس سے پہلے اس کے دل میں ایک اضطراب کی کیفیت تھی مگر نماز کی نیت باندھتے ہی اس کی ہر الجھن دور ہو گئی، اس نے اپنے سارے معاملات اللہ کے حوالے کر دیئے، اسے لگا کہ اب وہی اس کے سارے کاموں کا کفیل ہے۔

سحر نے اتنی یکسوئی سے نماز مکمل کی کہ اسے آس پاس کا کوئی خیال نہ رہا، سلام پھیر کر وہ تسبیحات پڑھنے لگی، تب وہ دیہاتی عورت اس کے پاس آ بیٹھی۔

”کون سے گاؤں جانا ہے؟ میں ساتھ چلی جاتی ہوں۔“ وہ بڑے غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

”میں نے تو لاہور جانا ہے؟“ سحر نے اس کے سوال کو عجیب سا محسوس کیا۔

”لاہور، تو کیا تم نے بس پر جانا تھا۔“

”کک کیا مطلب، کیا بس چلی گئی۔“ سحر بھونچکا رہ گئی۔

”ہاں وہ تو چلی گئی، جب تم نماز پڑھ رہی تھیں ناں تو بس روانہ ہو گئی۔“

”تت تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں، بس کو رکوایا کیوں نہیں۔“ وہ روہانسی ہو گئی۔

”بی بی میں تو یہی سمجھی کہ آپ یہیں اتری ہیں، آپ کو آگے کسی گاؤں جانا ہے، آپ نے بیگ بھی تو اپنے ساتھ اتار لیا تھا ناں۔“

عورت نے اپنی صفائی پیش کی، سحر نے سوچا، سڑک پر اتنی بسیں گزر رہی ہیں، اسی لئے بس کے اسٹارٹ ہونے کی آواز پہچانی نہیں گئی، یا شاید میں گرد و پیش سے کچھ زیادہ ہی بے پروا ہو گئی تھی، آخر سحر، انا للہ وانا الیہ راجعون، پڑھ کر خاموش ہو گئی، اس نے سوچا جو کچھ ہوا، اللہ کے حکم سے ہوا، اللہ کا حکم پورا کرنے کی خاطر ہوا، اگرچہ میری بھی غفلت کا دخل ضرور ہے، مگر اللہ خیر ہی کرے گا۔

”اب بی بی تم کیا کرو گی۔“ وہ عورت سحر سے بھی زیادہ پریشان لگ رہی تھی۔

”کرنا کیا ہے، سڑک پر کھڑی ہوتی ہوں، کوئی نہ کوئی بس رک ہی جائے گی۔“

سحر دوبارہ سڑک پر آ گئی، اس نے دو تین بسوں کو روکنا چاہا مگر ناکام رہی، گھنٹہ بھر کھڑی رہی، تب ایک بس

جس پر لاہور لکھا تھا، دور سے آتی دکھائی دی، سحر نے اشارہ دیا، بس رک گئی، سحر سوار ہوگئی، اندر سامنے کوئی خالی سیٹ دکھائی نہیں دے رہی تھی، تب ایک برقعہ پوش عورت نے جو ایک مرد کے ساتھ بیٹھی تھیں، مرد کو کچھ کہا، وہ اٹھ کر پیچھے کسی سیٹ پر چلا گیا، عورت نے سحر کو اپنے ساتھ بٹھالیا، باتوں باتوں میں اس نے سحر سے معلوم کرلیا کہ وہ لاہور جارہی ہے، اس نے پوچھا: ''کیا تم اس گاؤں میں رہتی ہو، بات چیت سے تو دیہاتی نہیں لگتی ہو۔''

سحر نے اسے پوری تفصیل سنائی کہ کس طرح راستے میں بس خراب ہوئی اور وہ نماز پڑھنے لگی تو اس دوران بس نکل گئی۔

''لاہور کسی سے ملنے جارہی ہو؟ کیا وہاں تمہارے رشتہ دار ہیں؟''

''ہاں ہیں مگر میں ان سے ملنے نہیں جارہی، وہاں ایک گرلز اسکول میں نوکری کے لئے انٹرویو دینا ہے۔''

''کون سے اسکول میں؟'' عورت نے بڑے اشتیاق سے پوچھا، جیسے وہاں کے ہر اسکول کو جانتی ہو۔ سحر نے اسکول کا نام بتایا تو عورت سرہلانے لگی۔

☆......☆......☆

اگلے دن سحر صبح نو بجے فاطمہ گرلز اسلامک اسکول پہنچی، اسکول کی شاندار عمارت دیکھ کر وہ حیران رہ گئی، یہاں کا بہترین ماحول دیکھ کر اسے خوشی ہوئی، ساتھ ہی یہ دیکھ کر کچھ فکر ہونے لگی کہ انٹرویو دینے کے لئے ایک جم غفیر موجود ہے جبکہ سیٹیں صرف چار تھیں، یہ بتادیا گیا تھا کہ چناؤ کا اعلان انٹرویو کے چند گھنٹوں بعد کردیا جائے گا، سحر سوچنے لگی، پتا نہیں میرا اسلیکشن ہوگا بھی یا نہیں۔

اندر پرنسپل صاحبہ دو معاون سینئر استانیوں کے ساتھ سوالات کررہی تھیں، خاصی دیر میں سحر کا نمبر آیا، وہ دھڑکتے دل سے اللہ کو یاد کرتے ہوئے اندر داخل ہوئی، سوالات کا سلسلہ شروع ہوا، سحر جواب دیتی گئی۔

''میں نے آپ کی اسناد دیکھی ہیں، کارکردگی اچھی ہے، بہرکیف آپ باہر انتظار کریں، آپ کو آپ کے سیل فون پر جلد آگاہ کردیا جائے گا۔''

پرنسپل نے کہا اور سحر شکریہ کہتے ہوئے باہر نکل آئی، ایک گھنٹے بعد سحر کو فون موصول ہوا، دوسری طرف سے آواز آئی:

''مس سحر! میں پرنسپل کی پرسنل سیکریٹری بات کررہی ہوں، آپ کو مبارک باد دی جاتی ہے کہ آپ انٹرویو میں کامیاب ہیں، آپ اندر آکر پرنسپل صاحبہ سے مل لیں۔''

''یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' سحر کے دل سے آواز نکلی اور وہ ایک بار پھر پرنسپل کے کمرے میں داخل ہوگئی۔

''سحر آپ کو مبارک ہو! آپ ہفتے کے دن سے اسکول میں بحیثیت ٹیچر اپنی سروس کا آغاز کرسکتی ہیں، آپ کی سیلری بارہ ہزار ماہوار ہوگی۔'' پرنسپل صاحبہ مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھیں۔

''بہت بہت شکریہ۔'' سحر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''سحر! میں آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتی ہوں کہ آپ کا انتخاب صرف سی وی اور انٹرویو کی بنا پر نہیں ہوا، اگرچہ ان دونوں میں بھی آپ کی کارکردگی نہایت اطمینان بخش ہے، مگر آپ کی جس اضافی خوبی نے مجھے چونتیس لڑکیوں میں سے آپ کو منتخب کرنے پر مجبور کیا وہ یہ ہے کہ آپ سفر کے دوران بھی نماز کی پابندی کرتی ہیں، جو بہت ہی کم خواتین کرپاتی ہیں، میں امید کرتی ہوں کہ آپ دین کے دیگر معاملات میں بھی ایسی ہی استقامت کا مظاہرہ کرتی ہوں گی، مجھے اپنے اسکول میں صحیح اسلامی تربیت کے لئے ایسی ہی باعمل ٹیچرز کی ضرورت ہے۔''

''تو وہ بس میں برقعے والی خاتون آپ......'' سحر کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔

''جی ہاں آپ بالکل درست سمجھیں، اللہ نے ہمیں اسی دن پہلی بار ملادیا تھا۔'' سحر سوچنے لگی: ''اگر میں اس دن نماز پڑھنے نہ رکتی تو میڈم سے ملاقات کہاں ہوتی، نماز ہی کی بدولت اللہ نے کام کیسے بنادیا۔ اسلام کے ایک حکم کی پابندی کی اتنی برکتیں ہیں، اگر لوگ پورے دین پر عمل کرنے لگیں تو ساری دنیا کا نقشہ ہی بدل جائے۔''

☆......☆......☆

قرآن کی برکت



مریم حسن

ایک مسلمان امریکہ کی کسی کمپنی میں ملازم تھا، دفتر میں کام کرنے والوں میں ایک عیسائی لڑکی بھی تھی، اس کا اس عیسائی امریکی لڑکی سے تعلق بن گیا اور محبت کا یہ تعلق بڑھا کہ اس لڑکے نے یہ محسوس کرلیا کہ اب میں اس عیسائی لڑکی کے بغیر نہیں رہ سکتا، چنانچہ لڑکے نے لڑکی کے والدین کو پیغام بھیجا اور نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا کہ ہم عیسائی ہیں اور تمہیں ہماری لڑکی اس قدر پسند ہے تو تمہیں بھی قربانی دینی ہوں گی کہ اسلام اور اپنے مسلمان عزیز و اقارب حتیٰ کہ دوست، ماں باپ کو بھی خیرباد کہنا پڑے گا، یہ مسلمان نوجوان اپنے جذبات میں اس قدر مغلوب تھا کہ اس نے تمام شرائط قبول کرتے ہوئے عیسائیت کو قبول کرلیا اور اس عیسائی لڑکی سے شادی کرلی، اب امریکہ میں مقیم اس کے عزیز و اقارب اور دوست احباب جو کہ مسلمان تھے، بڑے پریشان کہ ہمارا مسلمان بھائی ایک لڑکی کی خاطر مرتد ہوگیا تو انہوں نے اس کی اصلاح کی کوشش کی، لیکن بے سود، اس حالت میں تین چار سال گزر گئے، لیکن ایک دن کمیونٹی کی مسجد کے امام صاحب نے نماز فجر کے لئے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی نوجوان آیا، اس نے وضو کیا اور سنتوں کے بعد نماز کے لئے بیٹھ گیا۔ امام صاحب اس کی اس چانک تبدیلی سے بڑے مسرور بھی ہوئے اور حیران بھی، نماز کے بعد اس

نوجوان نے اپنی آپ بیتی سنائی کہ میں نے عیسائی لڑکی کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور ضائع کر دیا۔ میرے گھر میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تھا، عیسائیت قبول کر لینے کے باوجود میں کبھی کبھی اس کی زیارت کر لیا کرتا تھا کہ یہ میرے مولیٰ میرے اللہ کا کلام ہے اور اندر ہی اندر خود کو ملامت بھی کرتا، ایک دن میں گھر آیا اور میں نے وہ جگہ دیکھی، جہاں قرآن کریم رکھا ہوا تھا، لیکن اس دن مجھے قرآن کریم نظر نہ آیا تو میں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ یہاں ایک کتاب ہوا کرتی تھی وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا، میں نے گھر کی صفائی کی ہے اور غیر ضروری چیزوں کو نکال دیا ہے، میں نے پوچھا، کیا اس کتاب کو بھی؟ اس نے کہا، ہاں، میں وہاں سے پلٹا اور اسٹور سے قرآن کریم نکال لیا، لڑکی نے جب دیکھا کہ خاوند کو اس عربی کتاب سے اس قدر والہانہ عقیدت ہے تو وہ بولی۔ ''اس گھر میں یہ کتاب رہے گی یا میں رہوں گی، یہ لمحہ میری زندگی کا عجب وقت تھا، میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ تو نے خواہشات کی تکمیل کے لئے وہ کچھ کر لیا ہے جو تجھے نہیں کرنا چاہئے تھا، آج تیرا رشتہ پروردگار سے ہمیشہ ٹوٹ جائے گا، اب تو فیصلہ کر لے کہ اس لڑکی کے ساتھ رہنا ہے یا اپنے پروردگار کو فوقیت دینی ہے، جب میں نے سوچا تو دل نے یہی پکارا کہ نہیں، اپنے پروردگار سے کبھی نہیں کٹ سکتا، سو میں نے اس عیسائی لڑکی کو طلاق دے دی اور خود دوبارہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

سچ ہے کہ قرآن کریم کی صرف زیارت کس قدر مفید ہے تو سوچئے، اس عظیم کتاب کو پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا کس قدر مبارک اور پرتاثیر کام ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی اور اپنی کتاب قرآن کریم کی محبت کا وہ حصہ عطا فرما دے جو ہماری زندگی میں دینی انقلاب کا ذریعہ بنا دے۔ آمین۔

☆......☆......☆

شوہر کو گناہ سے بچایئے

مسلمان عورتیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے شوہروں کا لباس اور ان کے شوہروں کو ان کا لباس کہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لباس کا ایک اہم مقصد تو ستر پوشی ہے، ایک دوسرا اہم مقصد زینت ہے تو جیسے لباس انسان کو ڈھانپ لیتا ہے، یہ عورتیں بھی خود کو اپنے شوہروں کے لئے مزین کر کے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا کے ان کا لباس بن کر ان کو اپنی محبت والی آغوش میں لے کر شوہروں کے جائز ارمان اور تمنائیں اپنے اندر سمو لیتی ہیں اور جیسے لباس اور پہناوے کے اندر آدمی کھلا رہتا ہے اور اوپر لوگوں کے سامنے ڈھکا ہوا رہتا ہے، اس طرح دنیا والوں کے سامنے شوہر کی عفت اور عصمت محفوظ رہتی ہے تو جب بیوی ہی اس مقصد کے پورا ہونے کا ذریعہ نہ بنے اور گھر میں شوہر کے سامنے بھنگن یا ماسی بن کر ایسی میلی کچیلی رہے کہ شوہر کا اس کی طرف دل نہ جائے اور وہ پھر اپنی نگاہیں جگہ جگہ بھٹکائے اور خدانہ کرے، نگاہوں کے زہر یلی تیر کا اثر پھر کیا کیا رنگ دکھلائے تو کیا اس سارے دکھ کا مداوا یہ نہیں کہ بیویاں ہی ایسی اچھی حالت میں رہیں کہ شوہر کی نگاہ کا مرکز و محور وہی بن جائیں تو مسلمان بہنوں سے ہماری گزارش یہی ہے کہ آپ اپنی ذات، اپنا وجود، اپنا لباس اور جائز بناؤ سنگھار ایسا رکھیں کہ شوہر کی نگاہ و دل کی دنیا میں آپ ہی راج کریں، ورنہ بغیر جائز بناؤ سنگھار کے اپنے سے نفرت دلا کر آپ خود سے دوری کے بیج بو رہی ہیں جو کہ دانش مندی نہیں، یاد رکھئے آپ کی تھوڑی سی توجہ، آپ کی تھوڑی سی زینت شوہر کو بڑے بڑے گناہوں سے بچا دے گی، آپ کی طرف ہو، شوہر کو مائل کر دے گی آپ کی بڑی بڑی پریشانیاں دور کر دے گی۔ بیوی کا گھر میں صاف ستھرا نہ رہنا اپنے آپ کو شوہر کے لئے نہ سجانا، اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ شوہر کی نگاہ میں خوبصورت نہ بنانا، اس کو خوبصورت اداؤں سے اپنی طرف مائل نہ کرنا، دونوں میاں بیوی کو بہت ہی زیادہ پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے، لہٰذا آپ اس کا تجربہ کر کے دیکھیں، آپ ان کو دلہن ہی معلوم ہوں، اس سے ان شاء اللہ آپ کی بہت سی پریشانیاں، بہت سی جائز شکایتیں دور ہو جائیں گی، اللہ تعالیٰ آپ کو اور ساری مسلمان بہنوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (تحفہ دلہن)

(انتخاب:......امامہ زینب، کمالیہ)

کیا آپ کی ماں زندہ ہے؟

عبدالرشید شاہد

صبح کے دس بجے ہوں گے، نیند مکمل ہو چکی تھی۔ اب پورا دن تھا اور روزمرہ کے مسائل کے انبار۔ جن سے ہر شخص پورا دن نبرد آزما رہتا ہے۔ کھڑکی سے ایک روشن دن جھانک رہا تھا کہ دفعتاً ایک آواز نے توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔ آواز نہایت بلند اور بے حد سریلی تھی، وہ بار بار ایک پیغام دنیا کو یاد دلا رہی تھی۔ جسے حاصل دنیا و آخرت کہا جا سکتا ہے۔ ہر گزرنے والا شخص اسے سنتا اور فوراً ہی چہرے پر اس کا ردعمل ظاہر ہو جاتا۔ کئی مورکھ چہرے سنی ان سنی کر کے آگے بڑھ جاتے اور کچھ ایسے بھی تھے جن کے قدم رک جاتے اور آنکھوں میں نمی تیرنے لگتی۔ وہ پُرسوز آواز کہہ رہی تھی۔

اپنی جنت کو دنیا ہی میں دوزخ نہ بنا
اپنے ماں باپ کا دل نہ دُکھا دل نہ دُکھا

وہ ایک ہی شعر بار بار دُہرا رہا تھا اور قرآن حکیم کا ارشاد سنا رہا تھا کہ لوگو! اپنے ماں باپ کی اطاعت کرو۔ ان کا دل نہ دکھاؤ۔ کیونکہ اللہ نے جنت ماں کے قدموں کی نیچے رکھ دی ہے۔ ان کی تابعداری اور خدمت کر کے ہی تم اسے حاصل کر سکو گے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 23 میں ارشاد خداوندی ہے:

''اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں ایک یا وہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اُف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو جھکائے رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر رحم فرما، جیسے انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔''

وہ آواز اسی پیغام ابدیت کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ لوگو! اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو اور انہیں اپنی

خدمت سے خوش رکھ کر جنت کے حقدار بن جاؤ۔

ماں کی خدمت کی ایک ایسی شاندار مثال سعودی عرب کے شہر قسیم کی شرعی عدالت میں اس وقت سامنے آئی، جب عدالت اپنی نوعیت کے انوکھے مقدمے کا فیصلہ سنانے جارہی تھی۔

کمرۂ عدالت فریقین کے علاوہ صحافیوں، ذرائع ابلاغ کے نمائندوں اور اس عجیب وغریب مقدمے میں دلچسپی لینے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ جیسے ہی عدالت نے مدعا علیہ کے خلاف فیصلہ سنایا تو کمرۂ عدالت مدعا علیہ کی دردناک چیخوں سے گونج اٹھا۔ مقدمے نے حاضر لوگوں کے دل کے تار چھیڑ دیئے تھے۔ عدالتوں میں بہت کم ایسے مواقع آتے ہیں جب ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کی آنکھوں میں آنسو جھلملا اٹھتے ہیں اور تو اور خود قاضی صاحب بھی فیصلہ سناتے وقت جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔ اس واقعہ کو سعودی اخبارات اور عربی ویب سائٹس پر بہت اہمیت ملی اور علمائے کرام نے جمعہ کے خطبات میں اس کا تذکرہ تواتر کے ساتھ کیا۔

"یہ واقعہ "حیزان الفھیدی الحربی" سے متعلق ہے جو "بریدہ" سے 90 کلومیٹر دور ایک گاؤں "اسیاح" کا رہنے والا ہے۔ حیزان اپنی ماں کا بڑا بیٹا ہے اور تنگی وترشی سے گزراوقات کرتا ہے۔ وہ پرانی اقدار کا مالک ہے۔ حیزان کو اپنے گاؤں، تھوڑی سی بنجر زمین، بکریوں اور اونٹوں سے اس قدر لگاؤ ہے کہ وہ کسی قیمت پر انہیں چھوڑ کر شہر میں جا بسنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ حیزان اب سفید پوش بوڑھا ہے اور اس کی ماں کی عمر 90 برس سے تجاوز کرچکی ہے۔ حیزان کی کل کائنات اس کی ماں ہے جس کی وہ دن رات بچوں کی طرح نگہداشت کرتا تھا اور اس بوڑھی ماں کو بھی اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت تھی۔ اور وہ صبح شام اس کے لئے دعائیں کرتے نہیں تھکتی تھی۔ حیزان کی سب سے بڑی مشغولیت بھی اس کی ماں تھی اور اس کی خدمت کرکے وہ دنیا میں پُرسکون اور آخرت میں لامتناہی اجر کا امیدوار تھا۔

سب کچھ ٹھیک جارہا تھا کہ اچانک حیزان کی پُرسکون زندگی میں بھونچال آگیا، جس سے اس کی زندگی کا نظام تہہ وبالا ہوکر رہ گیا۔ حالات نے کچھ اس طرح کروٹ لی کہ اس کا چھوٹا بھائی جو کافی عرصے سے شہر میں مقیم تھا اور خاصا خوشحال تھا اس نے اسے اپنے پاس رکھا، اب وہ اپنے حق خدمت کا مطالبہ کرتا ہے، لہٰذا اب وہ ماں کو اپنے ساتھ شہر لے جائے گا اور جتنی مدت ماں حیزان کے ساتھ رہی ہے، اتنی ہی مدت میرے ساتھ رہے گی۔

حیزان کو اپنی دنیا اندھیر اور لٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے بھائی کو سمجھایا کہ وہ ماں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرے بڑھاپے پر رحم کھاؤ، مگر چھوٹا بھائی ٹس سے مس نہ ہوا۔ گاؤں کے بڑوں اور پنچایت نے صلح صفائی کی ہر ممکن کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر مقدمہ شرعی عدالت میں لے جایا گیا، جہاں قاضی صاحب نے بھی ان دونوں کے درمیان مصالحت کی کوشش کی، مگر کوئی صورت نہ بن سکی۔

مقدمے کی طوالت اور فریقین کے بے لچک رویے سے تنگ آکر قاضی صاحب نے اگلی پیشی پر بوڑھی ماں کو طلب کرلیا تاکہ عدالت خود اس سے استفسار کرسکے کہ وہ کس کے ساتھ رہنا پسند کرے گی۔ چنانچہ اگلی پیشی پر دونوں بیٹے ماں کو اٹھا کر لے آئے، تو لوگوں نے عجب منظر دیکھا۔ سن رسیدہ نوے سالہ بڑھیا ہڈیوں کا ایک ڈھانچا تھی، جس کا وزن بمشکل 20 کلو ہوگا۔ قاضی صاحب نے بڑھیا سے پوچھا کہ کیا وہ جانتی ہے کہ اس کے دونوں بیٹوں کے درمیان اس کی خدمت اور نگہداشت کے سلسلے میں مقدمہ چل رہا ہے۔ بڑھیا نے اثبات میں جواب دیا کہ وہ اس مقدمہ سے باخبر ہے۔

قاضی صاحب نے بڑھیا سے پوچھا کہ وہ بتائے کہ وہ کس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ بڑھیا نے اپنے پلو سے دونوں آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہا: "میرے لئے یہ فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے۔ حیزان میری ایک آنکھ اور اس کا چھوٹا بھائی میری دوسری آنکھ ہے۔ ماں ایک بچے کے حق میں اور دوسرے کے خلاف کیسے فیصلہ کرسکتی ہے۔ میرے لئے دونوں برابر ہیں۔"

چنانچہ بڑھیا نے گیند دوبارہ قاضی صاحب کے کورٹ میں پھینک دی۔ قاضی صاحب نے حیزان کی کمزور مالی حالت، جسمانی کمزوری اور اس کے بھائی کی مالی خوشحالی اور اسباب خدمت اور فراوانی کو دیکھتے ہوئے چھوٹے بھائی کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔

قاضی صاحب کا فیصلہ سنانا تھا کہ کمرۂ عدالت حیزان کی دردناک چیخوں اور دھاڑیں مار مار کر رونے سے گونج اٹھا۔ حیزان کے بلک بلک کر رونے نے قاضی صاحب اور کمرۂ عدالت میں موجود تمام افراد کو اشکبار کردیا۔ قاضی صاحب آنکھیں پونچھتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئے اور صحافی اور ذرائع ابلاغ کے لوگ حیزان کے گلے لگ کر رونے لگے۔ کمرۂ عدالت میں جب حیزان نے ماں کے پاؤں چھو کر رخصت ہونے کی اجازت چاہی تو چھوٹے بھائی کی بھی چیخیں نکل گئیں۔"

اس واقعہ کو پڑھ کر میں دیر تک یہ سوچتا رہا گیا کہ اولڈ ہاؤس میں اپنے بیٹوں کے گھروں سے دھتکاری ہوئی ماؤں نے اگر یہ پڑھ لیا تو ان کی کیا کیفیت ہوگی۔

چیخ چیخ کر ماؤں کو جواب دینے والے، ان کی خدمت سے لاپروائی اور ان کی نگہداشت سے غفلت برتنے والے، بیویوں کے ہر حکم کی فرماں برداری کرنے والے اور ماؤں کو یکسر نظر انداز کرنے والے "حیزان" کے اس واقعہ کو غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ماں کی شکل میں کتنی بڑی نعمت دے رکھی ہے، جس کی وہ قدر نہیں کررہے۔

"یقیناً دنیا کا سب سے مالدار اور خوشحال ہے وہ شخص، جس کی ماں زندہ ہے۔"

☆......☆......☆

سنہری باتیں

(۱)......مسکراہٹ دلوں کو جیتنے کا واحد ذریعہ ہے۔

(۲)......مسکراہٹ غموں کے پہاڑوں میں حوصلے کی چٹان ہے۔

(۳)......بیکار ہے ان کی زندگی جو صرف اپنے لئے جیتے ہیں۔

(۴)......انسان کا حسن اس کی زبان میں پوشیدہ ہے۔

(۵)......اپنی خوشی کیلئے دوسروں کی مسرت کو خاک میں نہ ملاؤ۔

(۶)......یادیں جنہیں انسان محسوس تو کرسکتا ہے مگر دیکھ نہیں سکتا۔

(۷)......لمبی زبان انسان کو چھوٹا بنا دیتی ہے۔

(۸)......صبر ایسی سواری ہے جو انسان کو کبھی گرنے نہیں دیتی۔

(۹)......انسان خود اپنے خیالات سے اپنی زندگی خراب کرتا ہے۔

(۱۰)......مرحومین کے عیب بیان کرنے سے زبان بند رکھو۔

(۱۱)......اپنے سے کمتر کو مدنظر رکھو اور اپنے سے بلند کو نظر انداز کردو۔

(۱۲)......استاد کا ادب کرو، دنیا تمہارا ادب کرے گی۔

(۱۳)......سادگی کو انتہا تک لے جانے سے ہی خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔

(۱۴)......آواز انسان کو دوسروں سے متعلق کرواتی ہے لیکن خاموشی انسان کو اپنے آپ سے متعارف کرواتی ہے۔

(۱۵)......اپنا زخم اس کو مت دکھاؤ جس کے پاس مرہم نہ ہو۔

(انتخاب:......سدرہ بنت محمد احمد)

ہم بھابی لائے



زینب منور

لائقہ کیا تم نے اپنے بھائی کی منگنی کرلی جونہی میں کلاس روم سے نکلی تو عائشہ نے سوالیہ انداز میں پوچھا، ارے نہیں بھلا ایسی بات بھی تمہیں بتائے بغیر طے ہوسکتی ہے، میں نے مسکراتے ہوئے کہا، ویسے جو شرائط تم لوگوں نے لگا رکھی ہیں کہ لڑکی خوبصورت ہو، عالمہ حافظہ ہو، شرعی پردہ کرنے والی ہو، بھلا آج کے دور میں شرعی پردہ کرنے والیاں کہاں؟ چراغ لے کر بھی ڈھونڈو تو نہ ملیں، اس نے طنزیہ لہجہ اپناتے ہوئے کہا، بس بس چپ کرو، ان شاء اللہ اسی زمانہ میں سب کچھ ملے گا پھر تم بھی دیکھ کر خوش ہونا، میں نے پرامید ہوتے ہوئے کہا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا گیا اور ہماری مہم برابر جاری رہی، آخر ہمارے بھائی بھی تو قاری عالم فاضل اور گریجویٹ حسین وجمیل خوبرو تھے، رشتے پر رشتے آرہے تھے، حتیٰ کہ ایک ایک دن میں تین جگہ بات چلتی اور ہر مہمان کو پوری گرم جوشی کے ساتھ اٹینڈ کیا جاتا، گریجویٹ ایم اے پاس لڑکیوں کے رشتے کی بھی بات چلی، مگر یہ رجیکٹ ہوتے چلے گئے چونکہ ہمیں عالمہ حافظہ درکار تھی چاہے کتنی ہی غریب کیوں نہ ہو اور چاہے جہیز میں چار چیتھڑے ٹھیکرے ہی کیوں نہ لائے چند حافظہ عالمہ لڑکیوں کے رشتے کی بھی بات چلی مگر کسی کو شہزادہ جیسا بھائی تو پسند تھا مگر آٹھ مرلے میں بنا ہوا غریب خانہ نا پسند، کسی عالمہ حافظہ کے والدین کو ہماری بڑی فیملی (9 بہن بھائی) پر اعتراض تھا اور ایک شرعی پردہ کرنے والی عالمہ کی والدہ (جس کا تعلق متوسط طبقہ سے تھا) کو لڑکا سمیت سب کچھ پسند تھا مگر مال ودولت کی کمی محسوس ہوئی کہ ہم ہر ماہ اس کی بیٹی کو میکے والوں سے ملوانے نہیں لے جاسکتے، اس کے علاوہ ان پڑھ خوبرو حسین وجمیل سلیقہ مند کم عمر لڑکیوں کے رشتے بھی آرہے تھے، بہر حال یہ مہم برابر جاری تھی کہ (اور تادم تحریر اب بھی رشتے آرہے ہیں) ہمیں اپنی خالہ کے ذریعے سے یہ پیغام ملا کہ ایک خوبصورت عالمہ حافظہ فاضلہ لڑکی کے لئے رشتہ مطلوب ہے، آپ آجائیں یہ سننا تھا کہ یوں لگا جیسے گوہر مقصود ہاتھ آگیا ہو ہم نے جلدی سے ٹکٹیں منگوائیں اور امی جان کو کراچی روانہ کردیا کیونکہ لڑکا پہلے ہی پسند کروایا جاچکا تھا، امی نے ایک نظر لڑکی دیکھی اور لڑکی والوں نے آکر ایک نظر ہمارا گھر دیکھا اور اگلے ہی لمحے جھٹ پٹ تاریخ کا تعین ہوگیا کیونکہ لڑکی والوں کو کہنا تھا کہ آٹھ دن میں تیاری کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کمال ہے پھر بھلا ہمیں کیا اعتراض؟

خدا خدا کرکے آٹھ دن گزرے اور ۱۰ ستمبر ۲۰۰۴ء جمعۃ المبارک کی اداس شام کو الفلاح مسجد فیڈرل بی ایریا کراچی میں مہر فاطمی مقرر کرکے نکاح مسنونہ ہوگیا اور رات ڈنر کے بعد خالہ کے گھر رخصتی ہوگئی، وہ منظر ہی قابل دید تھا جب کزنیں دلہن کے کمرے کے دروازے کو بلاک کیے ہوئے تھیں، جونہی دولہا بھائی تشریف لائے تو عجب وغریب بازگشت سنائی دی کہ خوشی کے اس موقع پر بھلا آپ ٹپ دیئے بغیر کیسے گزر سکتے ہیں، ہزار ہزار کے دو نوٹ نکالے گئے اور ان کی خوشی کو دوبالا کیا گیا اور ساتھ ہی انٹری ہوگئی مگر یہ کیا۔

کالے برقعہ والی کی طرف دیکھ کر آہ نکلی
نقاب اٹھا کر دیکھا تو کالی سیاہ نکلی

کے مصداق پہلی ہی نظر میں دل صد پارہ پارہ ہوگیا، تک تک کیا معلوم تھا گورے چٹے خوبرو پڑھے لکھے بیٹے کے لئے ایسا انتخاب کیا جائے گا؟ تن بدن میں شعلے سے بھڑک اٹھے، شدت جذبات سے آنکھوں سے نکلنے والے آنسو ان شعلوں پر جا گرے اور یہ آگ بجھتی چلی گئی، گرتے مرتے وجود کو سنبھالا دیا گیا اور گھر جانے کے لئے تیاری شروع کردی، کیونکہ صبح پہلی گاڑی سے اگلے دن ولیمہ کے لئے گھر پہنچنا تھا۔

گھر میں تیاریاں پہلے ہی زور وشور سے جاری تھیں اور ان میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب دلہن والوں کی طرف سے فون پر یہ اطلاع ملی کہ کم وبیش ۵۰ مرد وخواتین ولیمہ میں شرکت کے لئے آرہے ہیں، ۱۱ ستمبر کی شام کو اسپیشلی صفائی کی گئی، ہلکے پھلکے انداز میں فضول خرچی سے دامن بچاتے ہوئے دلہن کے کمرے کو سجایا گیا اور اعزازی طور پر مہمانوں کو لانے کے لئے دو گاڑیاں وقت سے پہلے ہی اسٹیشن جا پہنچیں، خدا خدا کرکے ساڑھے گیارہ بجے گاڑی ملتان پہنچی اور رات ۱۲ بجے پورا گھر دلہن اور مہمانوں کی خوشبو سے معطر ہوگیا۔ امی جان نے پکڑ کر دلہن کو گاڑی سے اتارا اور اپنے جلو میں لئے کمرے میں داخل ہوئیں۔ سب کی آنکھیں مارے خوشی کے چمک رہی تھیں اور چہرے کھلے ہوئے تھے۔ مصافحے اور معانقے ہونے لگے۔ اب برقعہ اتارنے کی باری تھی۔ برقعہ اتارا گیا، نقاب اٹھایا گیا، مگر یہ کیا؟ سین بدل گیا، خوشی کی جگہ غمی نے لے لی، چمک کی جگہ آنسوؤں نے لے لی، جو جہاں کھڑا تھا، وہیں سکتے میں آگیا، دل کی باقی تمنائیں اور ارمان بھی اس وقت آنسو بن کر بہہ نکلے، جب پنکھے نے جلتی پر تیل کا کام دکھایا اور آنچل اڑادیا۔ گنجے سر پر چھوٹے چھوٹے اکلوتے بال دلہن کی خوبصورتی کا ماتم کررہے تھے، معاً آواز گونجی کہ دلہن کے منہ میں مٹھائی ڈالی جائے، بڑی باجی نے جلدی سے مٹھائی کاٹ کر پلیٹ میں رکھی اور تاریخ ساز کردار ادا کرنے کے لئے چل پڑیں، انہوں نے مٹھائی ڈالنے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن جونہی دلہن نے مٹھائی کھانے کے لئے منہ کھولا تو ہاتھ کانپ گیا، دلہن کے منہ میں پائے جانے والے اکلوتے دانت بھی قدرتی نہ تھے، بلکہ مصنوعی بتیسی تھی، ایک بار پھر آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

شاید اسی منظر کو دیکھ کر کسی شاعر نے یوں کہا ہے۔

روتے ہیں پھول اور سسکتے ہیں موتیے
اس مرتبہ تو آگ لگادی بہار نے

یہ ۱۲ ستمبر کی روشن صبح تھی، صبح کے اجالے کے ساتھ ہی مہمانوں کا تانتا سا بندھ گیا، جلدی سے گوٹے والا عروسی جوڑا استری کرکے دلہن کو پہنایا، چوڑیاں پہنچائی گئیں، پھولوں کے گجرے اور مصنوعی پلکوں کا آڈر دے دیا گیا اور میک اپ کی مہم شروع ہوگئی۔

مہمان خواتین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دلہن کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب تھا، مگر بے سود ڈھائی تین گھنٹے کی طویل وانتھک محنت وکوشش کے بعد دلہن اسٹیج پر جلوہ افروز ہوگئی، چونکہ اس وقت بھی نتیجہ ڈھاک کے تین پات تھا، اس لئے ہم ہوشیار باش اینڈ

تیار باش ہوگئے، مختلف قسم کے ڈائی لاگز کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔

جب پسند کی گئی تو آنکھوں میں مرچیں ڈالی ہوئی تھیں، کوئی کہہ رہا تھا ارے یہ تو مطلقہ لگتی ہے، زیور کی آرائش وزیبائش کو دیکھ کر کسی کا کہنا تھا شکل پر نہیں میل کچیل (مال ودولت) پر گرے ہیں۔ کسی نے جل بھن کر یوں بھی کہا، ارے تمہاری دلہن دیکھ کر تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی، کہہ رہے تھے کہ دلہن کا رنگ سانولہ ہے، مگر یہ کیسا سانولہ رنگ ہے، نہ نہ بھئی میں نہیں ٹھہرتی، میں تو جا رہی ہوں۔

جھریاں بھرا چہرہ دیکھ کر کسی نے یہ کہہ ڈالا، یہ تو آپ کی امی (کی عمر) سے بھی بڑی لگتی ہیں، یہ لائی ہیں بہو آپ کی امی۔

ہم نے جلدی سے ایمان مفصل کا ورد شروع کردیا، تاکہ کچھ سنائی نہ دے، وقت کا پتہ ہی نہ چلا اور ظہر کی اذان شروع ہوگئی، جلدی سے جائے نماز بچھانے اور مہمان خواتین رب تعالیٰ کی کبریائی کے لئے خدا کے حضور سربسجود ہوگئیں اور دلہن بدستور دلہن بنی بیٹھی رہی، نماز کے بعد کھانا چن دیا گیا۔ ابھی کھانے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ گلی میں ایک شوروغلغلہ سا اٹھا، بچوں کی گشتی پارٹی کے ذریعہ پتہ چلا کہ دلہن کے میکے والے تشریف لا رہے ہیں، یوں لگ رہا تھا جیسے گلی میں ہر طرف رنگ برنگے آنچلوں کی بہار آگئی ہو، ہر طرف بھڑکیلے زرق برق لباس، سرخی وپاؤڈر سے لپی، زیورات سے لدی اور شوخی ونزاکت سے بھرپور خواتین کی چہل پہل تھی، حیا منہ چھپا کر بھاگ چکی تھی، فحاشی وعریانی کا یہ عالم تھا کہ نگاہوں کو جائے پناہ اور تصور کو راہ فرار نہیں مل رہی تھی۔ ہر کوئی پناہ خدا الامان والحفیظ کی صدائیں بلند کرتا دور چلا جارہا تھا۔

استقبال کے بعد کھانا پیش کیا گیا، پھر رات کا ڈنر اور رہائش اور اگلی صبح ناشتہ کے بعد مہمانوں کی روانگی ہوئی، بھائیوں نے پلیٹ فارم پر کھڑے ہوکر مہمانوں کو فی امان اللہ کہا اور دلہن نے چلتی گاڑی کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے اشکبار آنکھوں سے الوداع کہا اور پھر دولہا بھائی روتی رلاتی دلہن کو بڑی مشکل سے گھسیٹ گھساٹ کر گھر لائے اور کل کے مصروف ترین دن کی طرح آج کا یہ مشکل ترین دن بھی گزر گیا اور یوں دن پر دن گزرتے چلے گئے اور راز افشا ہوتے چلے گئے، دلہن کے میکے والوں کی جانب سے پہنایا جانے والا سارا زیور مصنوعی نکلا اور وہ بھابھی جسے ہم خوبصورت عالمہ حافظہ سمجھ کر گھر لائے تھے۔ "آنکھوں سے اندھی نام نور بی بی" کے مصداق ان پڑھ بڑھیا نکلی، جو قرآن بھی مجہول لہجے میں پڑھتی ہے، گھریلو زندگی میں بالکل صفر کام کاج سے عاری نابلد اور پھوہڑ عورت اور عمومی زندگی میں "فیشن بی بی" جس کی مرغوب ترین غذا میک اپ ہے۔ لیکن پھر بھی بھابھی تو آخر بھابھی ہوتی ہے اس لئے تو ہم ان دنوں کو بھلا کر "جب یہ انمول نعمت میسر نہ تھی" آج بھی مارے خوشی کے یوں گنگناتے ہیں۔

ہم بھابھی لائے بے مثال
کردار تھا اس کا لاجواب
بہنوں اور بھابھیوں کی راج دلاری
اس لئے تھی ہر گھریلو کام سے عاری
شرعی پردہ سے تھی وہ بیزار
غراروں اور ساڑھیوں پہ تھی نثار
میاں کو "چھوٹا" سمجھ کر کام کروانا
کان نہ کرنے کے لئے کمزوری کا بہانا بنانا
اسے تھی دھن یہی کام کرتے رہنا
پانی پر دم کرنا اور میاں کو پلاتے رہنا
ہر ماہ میکے کا چکر لگانا ورنہ
"جان چلی جارہی ہے میری" یہ ڈرامہ رچانا

☆......☆......☆



ماحول کا اثر

ہادیہ رحمان

"رملہ تمہیں پتا ہے کہ باجی رضوانہ کی شادی ہو رہی ہے۔" شیزل کی چہکتی ہوئی آواز جونہی رملہ کے کانوں میں پڑی، وہ حیران رہ گئی۔ "کیا واقعی...... مجھے تو نہیں پتا۔" رملہ نے لاعلمی ظاہر کی۔

"جی ہاں...... جناب عالیہ، باجی رضوانہ کی شادی اگلے ہفتے ہو رہی ہے اور باجی نے ہمیں بھی مدعو کیا ہے، اس لئے اگلے ہفتے تک اپنی تیاریاں مکمل رکھنا، پھر نہ کہنا کہ خبر نہ ہوئی۔" یہ کہہ کر شیزل جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھو تو سہی شیزل......" رملہ نے شیزل کا بازو پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"بھئی، اگر بیٹھ گئے تو شادی کی تیاریاں کیسے کریں گے۔" اپنا بازو چھڑاتے ہوئے یہ کہہ کر ہنستی ہوئی وہ چلی گئی۔

رملہ اور شیزل دونوں آپس میں کزنیں تھیں، کزنیں ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک دوسرے کی ہم عمر اور کلاس فیلو تھیں، باجی رضوانہ مدرسے کی باجی تھی، جس سے ان دونوں نے قرآن پاک پڑھا تھا۔

"ٹرن...... ٹرن......" رملہ بھاگتی ہوئی آئی اور فون ریسیو کیا، دوسری طرف شیزل تھی۔

"ہاں، بھئی تیاریاں مکمل ہیں۔" شیزل نے بارعب انداز سے پوچھا تو رملہ ہنس پڑی۔ "جی ہاں...... شہزادی صاحبہ...... خادمہ حاضر ہے۔" رملہ نے بھی اسی انداز سے کہا۔

"خادمہ کی بچی...... مجھے خادمہ نہیں چاہئے، بلکہ مکمل تیاریوں کی خبر چاہئے۔" شیزل نے پھر پہلے والے انداز سے کہا تو رملہ نے جھینپتے ہوئے دھمکی دی۔

"تیاریوں کی خادمہ...... اب اپنی اصلی حالت میں آجاؤ، ورنہ میں فون رکھ رہی ہوں۔" رملہ کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی اور شیزل نرم پڑ گئی۔ "بھئی رملہ میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ آج ہفتہ ہے اور باجی کی شادی پر جانا ہے، اسی لئے تمہاری تیاریوں کا پوچھ رہی تھی۔"

"میری تیاریاں تو بالکل مکمل ہیں، بس تمہاری طرف سے اجازت کی دیر ہے۔"

"تو اچھا جناب، اپنی تیاریاں بالکل مکمل رکھو، میں آرہی ہوں۔" یہ کہہ کر شیزل نے فون رکھ دیا۔

☆......☆......☆

"شیزل دیکھو تو سہی باجی رضوانہ کتنی پیاری لگ رہی ہیں دلہن بن کر۔" سہیلیوں سے باتوں میں مصروف شیزل کو رملہ نے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"آں...... ہاں...... او، کہاں ہیں باجی؟" شیزل نے آنکھیں گھماتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

"بھئی تمہیں باتوں سے فرصت ہو تو پتا چلے کہ کیا

ہورہا ہے؟" رملہ نے شیزل سے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔" باجی ساتھ والے کمرے میں ہیں، میں وہاں دیکھ کرآئی ہوں۔" رملہ کے یہ کہنے پر وہ بھی اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی آئی۔

"واقعی رملہ...... باجی تو بہت پیاری لگ رہی ہیں۔" شیزل نے رملہ کے کان میں کہا اور پھر وہ دونوں باجی سے ملنے لگیں اور اپنے اپنے گفٹس باجی کو پیش کئے۔ چونکہ باجی کے ساتھ ان کے بھائی کی بھی شادی تھی، اس لئے ان کی تصویریں بنانے کے لئے مووی والے آگئے، اس لئے باجی رضوانہ کو دوسرے کمرے میں بٹھادیا گیا، کیونکہ تصویر بنانے سے انہوں نے پہلے ہی انکار کردیا تھا۔

"باجی کتنی نیک ہیں، مووی نہیں بنائی۔" رملہ بولی۔

"واقعی، آج کل کے زمانے میں ایسے لوگ کہاں ہوتے ہیں۔" ایک لڑکی بولی تو ساری لڑکیاں اس کی تائید میں سرہلانے لگیں۔

☆......☆......☆

"السلام علیکم!" رملہ کی چہکتی ہوئی آواز سے وہ اچھلی۔

"وعلیکم السلام!" کیا حال ہے رملہ!! شیزل نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔"الحمدللہ!" رملہ نے مختصر سا جواب دیا۔"پورے چھ ماہ بعد تمہیں دیکھ رہی ہوں۔" شیزل نے اسے کمرے میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

"بھئی، امتحان کی تیاریوں میں جو مصروف تھی، تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ F.S.C کے امتحان کس قدر مشکل ہوتے ہیں۔" رملہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں...... جی ہاں! اتنے مشکل ہوتے ہیں کہ بندہ اپنوں کو ہی بھول جائے، ہے نا......!" شیزل نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔"بدتمیز...... بندہ نہیں بندی کہو......" رملہ نے ٹوکا تو شیزل ہنس پڑی۔

"ویسے رملہ...... F.S.C کے امتحان نے تو میری بھی کمر توڑ دی ہے پڑھتے پڑھتے۔" شیزل نے شربت گلاس میں ڈالتے ہوئے کہا۔"تو پھر زبان کہو نا، کمر کیوں کہہ رہی ہو...... F.S.C کرلی ہے اور موصوفہ کو اتنا نہیں پتا کہ پڑھتے پڑھتے زبان تھکتی ہے کمر نہیں......" رملہ نے گلاس پکڑتے ہوئے کہا۔

"اوہ...... بس زبان پھسل گئی......" شیزل نے تھوڑی شرمندگی کا اظہار کیا۔" اور ایسے موقعوں پر تو تمہاری زبان اکثر پھسل جاتی ہے۔" رملہ نے ہنستے ہوئے کہا تو شیزل بھی ہنس پڑی۔"او، ہاں...... باجی رضوانہ کا کیا حال ہے تمہیں تو ان کے بارے میں پتہ ہی ہوگا، کیونکہ تمہارا گھر ان کے قریب ہی ہے۔" رملہ نے گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہیں الحمدللہ...... میری تین ماہ پہلے ان سے ملاقات ہوئی تھی...... ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ ڈور بیل بج اٹھی۔ شیزل نے دروازہ کھولا تو نازش تھی، اسے دیکھ کر وہ کھل اٹھی، وہ اس کی تایازاد بہن تھی۔

"میں تمہیں ایک پارٹی کی دعوت دینے آئی ہوں، اس لئے آج شام تیار رہنا۔"

"نازش تم...... کیسی ہو؟" نازش کی آواز سن کر رملہ بھی کمرے سے باہر آگئی تھی۔"واؤ...... رملہ آئی ہوئی ہے...... کیا حال ہے رملہ؟" نازش نے رملہ سے ملتے ہوئے کہا۔"الحمدللہ......" اور وہ تینوں کمرے میں چلی گئیں۔"میں تم دونوں کو یہ دعوت دینے آئی ہوں کہ آج شام ہمارے اسکول میں بچوں کے رزلٹ کے سلسلے میں ایک بڑا فنکشن ہوگا، اس لئے آج شام تم دونوں تیار رہنا...... میں تمہیں لینے آؤں گی۔" یہ کہہ کر نازش اٹھ گئی۔

"بیٹھو تو سہی......" دونوں نے بیک آواز سے کہا۔

"شکریہ...... میں بیٹھ نہیں سکتی، مجھے ابھی فنکشن کی تیاری بھی کرنی ہے۔ پھر ملاقات ہوگی ان شاءاللہ۔"

☆......☆......☆

"واہ...... کتنی زبردست لائٹنگ ہے۔" رملہ نے ہال میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"واقعی، بہت زبردست انتظام ہے۔" شیزل نے ہال میں نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہا۔ رنگ برنگے ہال میں گہما گہمی سی تھی، وہ دونوں اپنے بیٹھنے کے لئے جگہ تلاش کررہی تھی کہ "السلام علیکم" کی میٹھی آواز نے دونوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ دونوں نے جونہی آواز کی سمت دیکھا، انہیں حیرت کا زبردست جھٹکا لگا۔ نیلے لینز سے چمکتی آنکھیں، میک اپ سے فل چہرہ، گلے میں دوپٹہ ڈالے اس وجود نے انہیں حیرت میں ڈال دیا۔ کیونکہ یہ روپ کسی ماڈرن لڑکی کا نہیں، بلکہ ان کی باجی رضوانہ کا تھا۔"باجی آپ......" یہ کہہ کر دونوں باجی سے لپٹ گئیں۔

"کیا حال ہے باجی، آپ ادھر کیسے؟" دونوں نے تجسس سے پوچھا۔"اپنی بھتیجی کے رزلٹ کے سلسلے میں آئی ہوں......" باجی کے اس مختصر سے جواب نے انہیں ساری حقیقت سمجھادی۔"کبھی میرے گھر بھی آؤ نا...... میں آج کل ادھر ہی ہوتی ہوں۔" باجی نے انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔"ان شاءاللہ، باجی آپ کے گھر آئیں گے۔" شیزل نے کہا۔ اتنی دیر میں فنکشن شروع ہوچکا تھا، اس لئے باجی کے قریب سیٹوں پر وہ جلدی سے بیٹھ گئیں۔

☆......☆......☆

"السلام علیکم...... باجی رضوانہ گھر پر ہیں؟" دونوں نے گیٹ کھولتی لڑکی سے پوچھا۔"وعلیکم السلام!" جی ہاں...... آپ چھت پر چلی جائیں...... وہ اس وقت چھت پر ہیں۔" دونوں سیڑھیاں پھلانگتی چھت پر جا پہنچی۔ گلے میں دوپٹہ ڈالے، بال پیچھے باندھے، باجی رضوانہ نے ان کا استقبال کیا، باجی کے اس نئے روپ نے انہیں پھر حیران کردیا، تھوڑی دیر بیٹھ کر وہ دونوں گھر آگئیں۔"رملہ، مجھے تو باجی کے نئے روپ نے بہت حیران کردیا ہے۔" شیزل نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن شیزل...... باجی شادی کے بعد اتنا بدل کیسے گئیں؟" رملہ نے کہا۔"رملہ...... مجھے میری دوستوں نے بتایا تھا کہ باجی کے سسرال والے بہت ماڈرن لوگ ہیں اور باجی کے شوہر بھی بہت آزاد خیال ہیں، اسی ماڈرن پن نے باجی جیسی دین دار لڑکی کو ماڈرن بنادیا ہے۔"

"رملہ...... یہ سارا کرتا دھرتا ماحول کا ہے، باجی پہلے مدرسے میں پڑھاتی تھیں، دین دار تھیں، کیونکہ دین دار لڑکیوں میں اٹھنا بیٹھنا تھا، اب ماڈرن لوگوں میں چلی گئی ہیں، ان کا رنگ باجی میں بھی آگیا ہے۔"

"شیزل...... اگر باجی کی شادی کسی دین دار گھرانے میں ہوتی تو باجی کی دین داری میں مزید اضافہ ہوجاتا۔"

"بالکل...... یہ ماحول ہی تو ہے جو انسان کے اچھا یا برا ہونے میں اہم کردار ادا کرتا ہے...... مثال کے طور پر ہمیں ہی دیکھ لو، ہمارے گھر میں دینی ماحول ہے اور اس ماحول کا اثر ہے کہ کالج کے ماحول میں بھی ہم خراب نہیں ہوئے، لیکن ایک بات بتاؤں رملہ......" شیزل نے اپنی گفتگو اچانک روک لی۔"کیا ہے وہ بات......" رملہ متجسس ہوگئی۔"وہ یہ کہ باجی کے گھر والوں میں صرف باجی ہی زیادہ دین دار تھیں، یہی وجہ ہے کہ سسرال کے ماحول نے ان پر اپنا اثر زیادہ ڈال لیا، کیونکہ ان کے گھر والے اس ماڈرن پن کو برا نہیں سمجھتے، نتیجہ یہ کہ دونوں گھروں کا ماحول ایک جیسا ہوگیا اور باجی کو دین کی طرف لانے والا کوئی نہ رہا۔"

"بھئی تم دونوں کن باتوں میں مصروف ہو یہ تو دیکھو میں کیا لائی ہوں۔" شیزل کی بڑی بہن لطابہ ٹرے میں چکن رول اور فروٹ چاٹ لئے کمرے میں داخل ہوئی۔

"واؤ...... لطابہ آپی، یہ سب آپ نے بنائے ہیں۔" رملہ نے چکن رول اور فروٹ چاٹ کی ٹرے دیکھتے ہوئے کہا۔"جی جناب، یہ سب مابدولت کا کرتا دھرتا ہے، اب جلدی سے کھانا بھی شروع کرو، نماز مغرب کا وقت بھی ہوگیا ہے۔" لطابہ آپی کے یہ کہنے پر وہ جلدی جلدی ٹرے پر ہاتھ صاف کرنے لگیں، کیونکہ کھانے کے بعد نماز پڑھ کر انہیں اپنی باجی رضوانہ کی ہدایت کے لئے بھی دعا کرنی تھی۔

☆......☆......☆

اسلام اور جدید ایجادات



عمارہ جمیل

اس وقت دنیا جدید ایجادات کے دور میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے کوشاں ہے جو قوم اس میدان میں جس قدر آگے بڑھ گئی ہے اسی قدر ترقی یافتہ کہلاتی ہے اور جو قوم اب اس میں قدم رکھ رہی ہے اور ترقی یافتہ کہلانے والوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہی ہے انہیں ترقی پذیر قوم یا ممالک کا نام دیا جارہا ہے۔ یہ تمام دوڑ دنیا کی چند روزہ عیش و عشرت کی خاطر ہے، ان تمام ترقیوں کا حاصل یہی دنیا ہے اس سے آگے کچھ نہیں، اب اگر کوئی ان کے سامنے قرآن وحدیث اسلامی تعلیمات، قبر کی زندگی، آخرت و جنت جہنم کا تذکرہ کرے کہ اس طرف بھی کچھ دھیان کریں، آخرت کو یاد کریں، اس کے لئے تیاری کریں، اللہ تعالیٰ کی قوت وقدرت بہت بڑی ہے، اللہ تعالیٰ آن واحد میں تمام ترقی کے دعوؤں کو خاک میں ملا سکتا ہے، تمام فلک بوس عمارتوں کو زمین بوس کر سکتا ہے، وہی تمام مخلوقات کا خالق و مالک ہے، اس دنیا نے کسی کے ساتھ وفاداری نہیں کی، اپنے آباواجداد کو یاد کرو، ان کی قوت شان وشوکت کو یاد کرو، سکندر رودادا کی سلطنت کو، قیصر وکسریٰ کی بادشاہت کو یاد کرو، ملک الموت کے آگے کسی کو پر مارنے کی ہمت نہ ہوئی، سب کو زمین کے پیٹ میں جانا پڑا، قبر کی زندگی کے بعد قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہے، اس کے لئے ابھی سے تیاری کرنے کا حکم ہے۔ آج کے نوجوان طبقے کے سامنے جب یہ باتیں کہی جاتی ہیں پہلے تو وہ سوچتے ہیں کہ یہ شخص شاید پاگل ہے، اس کا ذہنی توازن خراب ہے، آخر کیا وجہ ہے دنیا کے کاموں اور ترقیوں کو چھوڑ کر بس پانچ وقت مسجد کا چکر کاٹتا ہے، شلوار ٹخنے کے اوپر رکھتا ہے، چہرہ پر داڑھی اور حلال وحرام کی باتیں کرتا ہے، سود، جوا، سٹہ، انعامی بانڈز سے کتراتا ہے، بہت بڑے بڑے نفع کو حرام کہہ کر جوتے کی نوک سے ٹھکرا دیتا ہے، بچوں کو

بھی حفظ قرآن اور دینی تعلیم کے حصول میں لگایا ہوا ہے، بیوی بچوں کو کالج، پارک اور بازار سے دور رکھتا ہے، خود ہی کماتا ہے، خود ہی سودا سلف بھی لاتا ہے، ٹی وی، وی سی آر سے کوسوں دور رہتا ہے، جب کسی تصویر پر یا ٹی وی، وی سی آر یا عورت پر نظر پڑتی ہے تو نظر بچا کر نکل جاتا ہے، چھٹی کے دنوں میں پارکوں کے چکر کے بجائے بزرگوں کے وعظ ونصیحت کی مجلس میں جاکر وقت گزارتا ہے، شادی بیاہ کے پرتکلف کھانوں کو صرف اس لئے چھوڑ دیتا ہے کہ وہاں مرد وزن کا مخلوط ماحول ہے، نظریں بچانا، ایمان کی حفاظت کرنا مشکل ہے، پھر آج کا نوجوان ان ساری باتوں کو سننے دیکھنے کے بعد اس کے نقش قدم پر چلنے، اسلامی تعلیمات کو اپنانے، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور آخرت کی فکر کے بجائے اپنے نفس کو یوں تسلی دیتا ہے کہ یہ تو ملا ہے، دقیانوس ہے، پرانے خیالات کا مالک ہے، چھوڑو اس ملا کو ہمیں تو ترقی چاہئے اور ترقی کرنی ہے، یوں اپنے دل کو تسلی دے دیتا ہے۔

اسلام اور جدید ایجادات تو کیا اسلامی تعلیمات دنیوی ترقی کی راہ میں حائل ہیں، یا اسلام میں ان جدید ایجادات سے فائدہ حاصل کرنا ہوائی جہاز پر سواری کرنا ایٹمی و سائنسی میدان میں ترقی کر کے جدید ایجادات سے کام لینا اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان کفار سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا اور وطن وقوم کو فائدہ پہنچانا ملت اسلامیہ کی خدمت کرنا ممنوع ہے۔

جواب ملتا ہے ہرگز نہیں بلکہ اسلام تو یہ سکھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کی پابندی کرو اور اسلام کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ خوب ہمدردی کرو اور حلال طریقہ پر زراعت و تجارت اور دیگر پیشوں کو اختیار کرو اور ترقی کرو، بس اس میں سود، رشوت، جوا، جھوٹ، دھوکہ، فریب، خیانت، ملاوٹ ان جیسی خرابیوں سے بچو اور اسلام کی خوب خدمت کرو، جب بھی انسانی خدمت کا موقع آئے، خوب لگن، شوق اور جذبے کے ساتھ کرو، کام چوری، سستی، غفلت یہ اسلامی مزاج کے خلاف ہے، اس طرح اسلام کی اشاعت میں ہر طرح سے معین و مددگار بنو، جان کی ضرورت پڑے تو جان، مال کی ضرورت پڑے تو مال پیش کرو، اپنے گفتار و کردار کو مثالی بناؤ، غرض یہ کہ جدید ایجادات سے فائدہ حاصل کرو، فائدہ حاصل کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے، ہاں، البتہ اس میں جو خلاف شرع باتیں ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے، مثلاً اس زمانہ کی نئی ایجادات میں سے ایک کمپیوٹر بھی ہے، اس کے بہت سے فوائد ہیں اس کے ذریعے اشاعت دین کا خوب کام لیا جاسکتا ہے، اسی کا شعبہ انٹرنیٹ بھی ہے، اس کے ذریعہ بھی دین کی تبلیغ کی جاسکتی ہے، لیکن ساتھ اس کے بہت سے نقصانات بھی ہیں، بس آدمی انٹرنیٹ کھول کر بیٹھ جائے، نہ نماز روزہ کی فکر، نہ کھانے کی فکر، نہ ماں باپ کی تابعداری، نہ تعلیم کا شوق، بس صاحب بہادر انٹرنیٹ کا دلدادہ، اس کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا، دنیا بھر کے فحاشی و عریانی کے پروگراموں سے دل بہلا رہا ہے، اب ظاہر بات ہے اس کے حق میں کمپیوٹر کے پروگرام سیکھنا نقصان دہ ہوا، دین سے بھی گیا، دنیا سے بھی گیا، حاصل یہ ہے کہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ استعمال کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے، لیکن اس میں تصویریں دیکھنا، گانے سننا، فحش فلمیں دیکھنا اور ڈرامہ سے دل بہلانے کی اجازت نہیں، کیونکہ تصاویر، گانا وغیرہ و دیگر فواحشات پر قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس لئے ہر مسلمان کو اعتدال کے اندر رہتے ہوئے زندگی گزارنی چاہئے، اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی پابندی کریں، دنیا بھی بقدر ضرورت کمائیں اور آخرت کے لئے بھی تیاری کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین

☆......☆......☆

زلزلہ - زخم اور زندگی

ابھی زلزلہ اکتوبر 2005ء کے زخم تازہ ہیں



ڈاکٹر آصف محمود جاہ

سات سال پہلے آٹھ اکتوبر کو ہفتہ کے دن صبح 8 بج کر 52 منٹ پر اسی لمحے آزاد کشمیر اور صوبہ سرحد کے شہروں میں قیامت برپا ہوئی تھی، چند لمحوں میں ہنستے بستے گھر اجڑ گئے۔ ہزاروں لوگ لقمہ اجل بنے اور لاکھوں بے گھر ہوئے۔ خانماں برباد لوگوں کے درد کا سامان بننے کے لئے خیبر سے لے کر کراچی تک پورا پاکستان نکل کھڑا ہوا۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ جذبے ماند پڑتے تھے اور آج جب کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی پوری ٹیم بشمول راقم، ڈاکٹر عبدالوحید بھٹی، ڈاکٹر رشید ملک، جناب عظیم، محمد اشفاق، محمد شکیل، محمد جمیل، محمد ارشد، حاجی منظور، عابد شاہ، مولانا فضل الرحمان، عبدالخالق انہی لمحوں کی یاد میں اپنے متاثرہ بہن بھائیوں کی دلجوئی کے لئے باغ میں موجود ہیں تو بہت سے لوگوں کو عجیب سا لگ رہا ہے اور لوگ ہمیں حیرت سے تک رہے ہیں کہ پاکستان کے لوگوں کے جذبے ابھی ماند نہیں پڑے۔ سات سال پہلے ایسی ہی صبح تھی۔

جب باغ کے لوگوں نے سحری کی اور فجر کے بعد تھوڑی دیر آرام کر کے اپنے جگر گوشوں کو اسکول اور کالج بھیجا تھا، مگر کسے خبر تھی کہ یہ جگر گوشوں کو تیار کرنے کا آخری موقع ہے۔ سحری سے فارغ ہو کر ہم نے نماز فجر کے بعد زلزلہ 2005ء کے شہدا کے لئے دعائے مغفرت کی، ہماری آمد کی خبر باغ میں پہلے ہی پہنچ چکی تھی، ہوٹل میں لوگ طبی معائنے کے لئے آگئے، ہمارا باغ شہر سے گزرتے ہوئے راولاکوٹ کے نواحی گاؤں ہاڑی گیل جانے کا ارادہ تھا جو باغ سے راولاکوٹ کے راستے میں ایک گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ باغ شہر میں زندگی معمول کے مطابق تھی۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ باغ سے گزرتے ہوئے اکتوبر 2005ء کا باغ یاد آگیا۔ اکتوبر 2005ء کا باغ قبرستان معلوم ہوتا تھا۔ ہر طرف موت کی سی ویرانی تھی، سوگوار فضا، موت کی سی خاموشی، ہو کا عالم، تعفن کی وجہ سے سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا، پورا شہر ملبے سے اٹا پڑا تھا، مگر اللہ نے انسان کو بے پناہ صلاحیتیں دی ہیں، آج ایسا لگ رہا تھا جیسے یہاں کچھ ہوا ہی نہیں۔

باغ اور راولاکوٹ کے درمیان ہاڑی گیل نامی ایک چھوٹا سا خوبصورت گاؤں ہے۔ یہاں زلزلے نے بہت تباہی مچائی، فوجی چھاؤنی مکمل طور پر تباہ ہوگئی اور کئی فوجی جوان شہید ہوئے۔ ساڑھے آٹھ کے قریب ہم گاؤں پہنچ گئے۔ آٹھ بج کر 52 منٹ پر وہی لمحہ آن پہنچا جب سات سال پہلے زلزلے نے تباہی مچائی تھی، موبائل کے الارم بجتے ہی سب ساتھیوں اور گاؤں والوں نے زلزلہ 2005ء کے شہدا کی مغفرت کے لئے اللہ سے دعا کی، علاقے کے مکینوں نے ہماری آمد کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ زلزلہ کے دوران ایثار اور جذبۂ قربانی اور ہمدردی کے لازوال مظاہرے پر پاکستان کے لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور ہماری ٹیم کے جذبہ ایثار پر شکریے کے ساتھ حیرت کا بھی اظہار کیا کہ ابھی تک پاکستان کے لوگ اپنے متاثرہ بہن بھائیوں کو نہیں بھولے۔

دعا سے فارغ ہو کر ٹیم اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔ اس دفعہ ٹیم میں تین ڈاکٹر تھے۔ اس لئے تینوں جگہ مریضوں کا معائنہ شروع کر دیا گیا۔ ہاڑی گیل کے مرد وزن اور بچے اکٹھے ہوگئے اور بڑے منظم طریقے سے طبی معائنہ کروانے لگے۔ سب سے زیادہ خوشی اس بات سے ہوئی کہ یہاں کے سب لوگ خصوصاً عورتیں اور بچے بہت زیادہ مہذب، پڑھے لکھے اور با اخلاق تھے۔ بچے بچیوں کے لئے عید کی مناسبت سے مختلف قسم کے تحائف بھی جمع کئے گئے تھے جنہیں لے کر بچے اور بچیاں بہت خوش ہوئیں۔

یہاں کے لوگ بود و باش اور بول چال سے بہتر لگے۔ ہمارے پاس غریب خاندانوں کے لئے عید راشن پیکیج بھی تھے، جن کے بارے میں یہاں کے لوگوں نے کہا، بہتر ہوگا کہ آپ اسے زیادہ غریب علاقوں میں تقسیم کریں۔

پچھلے سال راولاکوٹ کا چکر لگا تھا، راولاکوٹ (پانیوالا) کے سلیم صاحب کو پتا چلا تو وہ بھی یہاں پہنچ گئے۔ ان کے خاندان کیلئے ادویہ دیں اور عید پیکٹ بھی۔

آٹھ اکتوبر 2005ء کی برسی کے حوالے سے متاثرہ بہن بھائیوں کے تالیف قلب کے لئے کئی دنوں سے آزاد کشمیر جانے کا پروگرام بن رہا تھا۔ اس کے لئے ادویات کا وافر ذخیرہ، بچے بچیوں کے لئے عید کے تحفے اور عید راشن مختلف دوستوں کے تعاون سے جمع ہوگئے، اس دفعہ لاہور سے ڈاکٹر عبدالوحید اور ملتان سے ڈاکٹر رشید احمد ملک بھی ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگئے۔ لاہور ہی سے ہاڑی گیل ضلع باغ کے رہائشی عابد شاہ بھی ہمراہ تھے۔

سب لوگ ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے اسپتال میں جمع ہوئے اور دوپہر ایک بجے کے قریب براستہ اسلام آباد مظفر آباد کے لئے روانہ ہوئے۔

اس دفعہ مظفر آباد داخل ہوتے ہی خلاف معمول

زبردست پولیس معائنے کا سامنا کرنا پڑا، تعارف کرانے پر لوگ حیرانی سے پوچھتے کہ اب زلزلہ کو تو بہت عرصہ ہوگیا اب کیوں آئے ہو، خیر معائنے سے فارغ ہوکر ہم رات گئے مظفر آباد پہنچے، افطاری راستے ہی میں ہوگئی تھی، کھانا رات گیارہ بجے کھایا اور مظفر آباد کے ہوٹل آغا جی میں قیام کیا، سحری کے بعد صبح دو بجے مظفر آباد سے روانہ ہونا تھا، روانہ ہونے سے پہلے اللہ سے دعا کی اور اس کا شکر ادا کیا جس نے بار بار مصیبت زدہ بھائی بہنوں کی خدمت کا موقع دیا۔

آج مظفر آباد شہر سے گزرتے ہوئے کسی قسم کی تباہی کے آثار نظر نہ آرہے تھے، ہر طرف سکون ہی سکون تھا، صبح ہوتے ہی چہل پہل شروع ہوگئی۔ سات سال پہلے 2005ء میں جب یہاں آئے تھے تو ہر طرف ہو کا عالم تھا، مظفر آباد سے ہوتے ہوئے گڑھی دوپٹہ پہنچے، وہاں سے بٹیاں بالا کے ایک گاؤں میں کیمپ لگانے کا ارادہ تھا، علاقے کے لوگوں نے ہمارا بھرپور استقبال کیا اور رمضان شریف کے دوران اتنا لمبا سفر کرکے یہاں آنے پر سب ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس علاقے میں ہمارا پہلے بھی آنا ہوا تھا، اس لئے شناسا چہرے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ویسے بھی اکتوبر 2005ء کے بعد سے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے ڈاکٹروں اور رضا کاروں نے گزشتہ سات سال کے دوران زلزلہ سے متاثرہ علاقوں میں 16 سے زائد مرتبہ طبی اور فلاحی کیمپوں کا انعقاد کیا اور اکتوبر 2005ء سے ستمبر 2012ء تک ان علاقوں سے مسلسل رابطہ قائم رکھا، ہر مہینے مظفر آباد، بالاکوٹ اور کالا ڈھاکہ سے مریض اور متاثرہ لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے لاہور آتے ہیں اور سوسائٹی کے تمام عہدیداران ان کے ساتھ دامے درمے سخنے تعاون کرتے ہیں، اسی وجہ سے شناسا چہروں نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ہم نے فوراً اپنا کام شروع کردیا۔ گڑھی دوپٹہ اور بٹیاں بالا میں زلزلے نے خاصی تباہی مچائی، ہزاروں جانوں کے علاوہ ہزاروں گھر، اسکول اور مساجد زمین بوس ہوئیں۔ بٹیاں بالا کے نواحی قصبہ یونین کونسل کی سلمیہ "مسجد" زلزلہ میں شہید ہوئی۔ یہی یہاں کی بڑی مسجد تھی مگر سات سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود یہاں کے لوگ اپنی غربت کے باعث مسجد تعمیر نہ کرسکے، اس وجہ سے گزشتہ سفر کے دوران اور اس دفعہ وادی سلمیہ کی مسجد کے لئے فنڈز اکٹھے کئے تھے وہ خطیب صاحب کے حوالے کئے۔ جس پر انہوں نے کہا کہ اب مسجد کی تعمیر مکمل ہوسکے گی۔

میڈیکل کیمپ شروع ہوا، تینوں ڈاکٹروں نے اپنا اپنا کام شروع کردیا۔ بچیاں بچے بڑی دلچسپی سے اپنا معائنہ کرواتے رہے اور ساتھ ساتھ عید کے تحفے بھی وصول کرتے رہے۔ زلزلے سے معذور ہونے والی 25 سالہ نسرین آج پہلے سے صحت مند نظر آئی۔ وہ ہمیں دوبارہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی، اس کا معائنہ کرکے ادویہ دیں اور مالی مدد بھی کی، جس کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں اظہار تشکر کے آنسو آگئے۔

ہمارا پورا دن باغ ہاڑی گیل میں گزرا اور شام گئے براستہ راولاکوٹ کہوٹہ واپسی کیلئے روانہ ہوئے۔

تین دن آزاد کشمیر کے متاثرہ علاقوں میں گزارنے کے بعد اس بات کا احساس ہوا کہ ان علاقوں کے لوگ ایک حد تک سنبھل چکے ہیں، کئی جگہوں پر تو مکمل بحالی ہوچکی ہے مگر اکثر ایسے علاقے بھی ہیں جہاں ابھی تک بہت کچھ کرنا باقی ہے، ابھی یہاں بہت زیادہ مدد کی ضرورت ہے، سول سوسائٹی کے افراد اور نمائندہ تنظیموں کو چاہئے کہ ان علاقوں کا دورہ کریں، حالات کا جائزہ لیں اور اپنی بساط کے مطابق ان لوگوں کے ساتھ تعاون کریں، کیونکہ بحالی کا عمل ابھی مکمل نہیں ہوا، زلزلے نے جو زخم لگائے وہ ابھی باقی ہیں، ان کے مکمل طور پر مندمل ہونے میں ابھی وقت لگے گا، یہ زخم مندمل ہونے کے بعد ہی زندگی معمول پر آئے گی۔

☆......☆......☆



خونِ مسلم کے بہنے پر کیوں مچتا کہرام نہیں

اقوام عالم کی دورنگی تو ایک طرف، مسلم حکمرانوں کی بے حسی بھی عروج پر ہے

عدنان رضا



خونِ مسلم کی ارزانی کوئی نئی بات نہیں، کشمیر سے چیچنیا تک اور افغانستان سے فلسطین تک مسلمان ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں اور پھر بھی "دہشت گردی" کا لیبل مسلمانوں ہی پر چسپاں ہے۔ اقوام عالم کی دورنگی اور منافقت تو ایک طرف، خود مسلم حکمرانوں کی بھی بے حسی عروج پر ہے۔ میانمار (برما) میں مسلمانوں کا خون

پانی کی طرح بہہ رہا ہے، مگر انسانی حقوق کے عالمی چیمپئن آنکھیں موندے اور کانوں میں انگلیاں ڈالے خاموش ہیں، برما میں بوزی قبائل کے دہشت گرد گروپ ''ماگ'' کی جانب سے مسلمان آبادی پر مسلط کی گئی جارحیت میں اب تک سیکڑوں مسلمان شہید، ہزاروں زخمی اور لاکھوں بے گھر ہوچکے ہیں، انسانی حقوق کے برمی مندوب، محمد نصر نے عرب ویب سائٹ کو بتایا کہ ''مسلمانوں پر مسلط کی گئی جارحیت میں تین سو افراد تاحال لاپتہ ہیں، جب کہ پڑوسی ملک بنگلہ دیش میں پناہ حاصل کرنے والے ہزاروں افراد بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں، گزشتہ ایک ہفتے کے دوران ماگ ملیشیا کے دہشت گردوں نے برما میں مسلمانوں کے 20 دیہات اور 1600 مکانات نقشے سے مٹا دیئے ہیں، جس کے باعث لاکھوں کی تعداد میں شہری نقل مکانی پر مجبور ہوچکے ہیں۔ مسلمانوں کی جائیدادوں کو کھلے عام پیٹرول چھڑک کر آگ لگادی جاتی ہے۔ ان حملوں سے مسلمان اکثریتی صوبہ، اراکان سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے، جہاں مسلمانوں کے اجتماعی قتل عام کے بعد ہزاروں کی تعداد میں شہری سرحد پار کرکے بنگلہ دیش میں پناہ گزین کیمپوں میں جانے پر مجبور ہوگئے ہیں، تاہم بنگالی حکام کا رویہ بھی معاندانہ ہے، دہشت گردوں سے جان بچا کر بنگلہ دیش جانے والے مسلمانوں کی کشتیوں کو بنگالی پولیس واپس کردیتی ہے، اس کے باوجود تقریباً تین لاکھ افراد بنگلہ دیش کے پناہ گزین کیمپوں میں پہنچ چکے ہیں۔''

خواتین کی نیلسن مینڈیلا، آنگ سان سوچی کے دیس میں مسلمانوں پر ہونے والے حملے اور ہجرت کوئی نئی بات نہیں۔ 1978ء میں بھی مسلمان آبادی پر ہونے والے حملوں کے بعد تین لاکھ مسلمان بنگلہ دیش میں پناہ حاصل کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ 1982ء میں برمی حکومت نے مسلمانوں پر ایک اور بم اس وقت گرایا، جب اس نے ملک میں موجود تمام مسلمانوں کو اپنے شہری تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ برما میں موجود تمام مسلمان تارکینِ وطن ہیں، انہیں یہاں کی شہریت نہیں دی جاسکتی۔ 1992ء میں برما کی حکومت کے حکم پر پولیس نے بنگلہ دیش میں دھکیل دیا۔ اس کے بعد سے مسلمانوں کو کچلنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش میں پناہ حاصل کرنے والے بھی کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں، خیمہ بستیوں میں صفائی کے فقدان کے باعث ملیریا اور دست جیسے وبائی امراض تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ بہرکیف، برما میں گزشتہ کئی ہفتوں سے مسلمانوں کے خلاف دہشت گردوں کی کارروائیوں کے باوجود عالم اسلام کی جانب سے کوئی ٹھوس ردعمل سامنے نہیں آیا۔ تاہم بعض ممالک میں مذہبی جماعتوں اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے برما میں مسلمانوں کے قتل عام کے خلاف احتجاجی مظاہرے کیے ہیں۔

4 جنوری 1948ء کو برما، برطانیہ سے آزاد ہوا، اس کے سات صوبے اور سات ہی ڈویژنز ہیں، شان، کایا، کچھین، اراکان، کرین، مون اور چھین صوبے، جبکہ ڈویژن مانڈلے، مگوے، پیگو، ایراودی، رنگون، تناسرم اور سگائن ہیں۔ تاریخی اعتبار سے سرزمین برما پہلے کئی ممالک پر مشتمل تھی، خاص برمی، جو میانمار قبیلے کے نام سے مشہور ہیں، مانڈلے اور اس کے اطراف میں رہتے ہیں، وہ نویں صدی عیسوی میں تبت، چین سے یہاں پہنچے، گیارہویں صدی میں یہاں بدھ مذہب آیا، جو آج یہاں کا قومی مذہب ہے۔ 1287ء میں جب قبلائی خان نے برما پر حملہ کیا، تو یہ ملک کئی حصوں میں منقسم ہوگیا، جن پر شان قبیلے کے افراد حکومت کرتے تھے، یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی میں ٹنگو خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ اٹھارویں صدی میں الونگ پھیہ نے مون قبیلے کی شورش کو کچل دیا، جس کے بعد الونگ پھیہ نے ہندوستان پر لشکرکشی کرکے اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ 1784ء میں برمی راجہ بودھو پیا نے اراکان پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیا۔ اس سے پہلے اراکان ایک آزاد خودمختار ملک تھا۔ 1826ء میں اراکان اور تناسرم برٹش انڈیا کے ماتحت آگئے اور برما اس سے دست بردار ہوگیا۔ اس کے بعد دوسری اینگلو برمن وار 1852ء میں وسطی برما اور تیسری اینگلو برمن وار 1885ء میں بالائی برما اور 1890ء میں شان اسٹیٹ پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ اراکان 1784ء تک ایک آزاد ملک تھا، بعد میں برمیوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ برما کی فوجی حکومت کے دور میں امتیازی قوانین کے ذریعے مسلمانوں کی زندگی مشکل بنادی گئی، جائیدادیں چھینی گئیں، شہریت ختم ہوگئی اور وہ لاوارث ہوگئے۔ مسلمانوں سے بیگار لی گئی، ایسے حالات میں ان کی بڑی تعداد تھائی لینڈ اور بنگلہ دیش ہجرت کرگئی۔

برما کی آبادی تقریباً چھ کروڑ ہے، جن میں چار فی صد مسلمان ہیں، جو اس وقت محتاط اندازے کے مطابق تقریباً 24 لاکھ کی تعداد میں ہیں، یہ مسلمان کسمپرسی اور بے چارگی کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ برما میں حالیہ خوں ریزی کا سلسلہ تین جون سے جاری ہے۔ اس بارے میں آزاد ذرائع کا کہنا ہے کہ ایک بدھ لڑکی نے اسلام قبول کرلیا تھا، جسے بدھوں نے غصے میں آکر پہلے قتل کیا اور پھر اس کا الزام مسلمانوں پر عائد کیا کہ انہوں نے بدھ لڑکی کو اغوا کرکے اجتماعی عصمت دری کا نشانہ بنایا اور پھر قتل کیا۔ یہ واقعہ 28 مئی کو پیش آیا۔ 3 جون کو بدھوں نے ایک بس روکی اور پھر اس میں سوار تبلیغی جماعت کے ارکان کو اتار کر قتل کردیا۔ ان کے سر اور چہرے مونڈھ کر مشہور کردیا کہ مسلمانوں نے بدھ رہنما کو شاگردوں سمیت قتل کیا ہے۔ بس پھر کیا تھا، ہر طرف سے بدھ، مسلمانوں پر حملہ آور ہوگئے۔ انہوں نے بے بس و بے کس مسلمانوں کا مار مار کر برا حال کردیا۔ 10 جون کو جب دنیا تک خبر پہنچی تو کرفیو نافذ کرکے میڈیا کو بھی علاقہ بدر کردیا گیا۔ یوں اب فوج، پولیس اور بدھ مل کر مسلمانوں کو قتل کررہے ہیں۔ ہزاروں بستیاں جلادی گئی ہیں۔ لاکھوں مسلمان، جو معمولی جھونپڑیوں میں رہتے تھے، وہ بھی خاکستر کردی گئی ہیں، ہزاروں مسلمان جانیں بچانے کے لئے بنگلہ دیش کی طرف بھاگے تو انہیں بنگلہ دیشی بحریہ اور فوج نے واپس دھکیل دیا، واپس پہنچے تو وہ بھی قتل ہوگئے، مقامی حکومت نے پہلے ہی ان مسلمانوں سے شہریت چھین رکھی ہے، مسلمان تعلیم حاصل نہیں کرسکتے، علاج معالجہ نہیں کرواسکتے، سفر نہیں کرسکتے، دوسرے گاؤں تک نہیں جاسکتے، جو 15 سال سے بڑا ہو، اسے فوج اٹھا کر خرکار کیمپ میں لے جاکر جبراً مزدوری کرواتی ہے، برما انہیں بنگالی، جب کہ بنگلہ دیش انہیں برمی قرار دیتا ہے، یوں وہ دونوں طرف سے مار کھا رہے ہیں۔ ساری دنیا ان مظلوموں کا خاموشی سے تماشا دیکھ رہی ہے، کوئی ان کا غمگسار نہیں، اب اقوام متحدہ نے امداد کے لئے اپیل کی ہے تو اس میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں اور بدھوؤں کی لڑائی میں بے گھر ہونے والوں کی امداد کی ضرورت ہے، جن کی تعداد 90 ہزار ہے، اس سے تاثر دیا جارہا ہے کہ یہاں جیسے برابر کی لڑائی جاری ہے، یہ دہرا ظلم ہے، جو ان مسلمانوں پر روا رکھا گیا ہے، مغربی ذرائع ابلاغ بھی یہ ظاہر کررہے ہیں کہ برما میں یہ دو قبیلوں کی جنگ ہے، یہ تاثر بھی دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ راکھین کی بدھ آبادی خاتون کے ساتھ جنسی زیادتی کے بعد برہم ہوئی ہے، لیکن یہ سب کچھ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے، مسلمانوں پر میانمار، خاص طور سے ریاست راکھین میں، جو بنگلہ دیش کی سرحد پر قائم ہے، اس قسم کے حملے وقفے وقفے سے ہوتے رہتے ہیں۔ 2001ء میں اس علاقے میں مسلمانوں اور بدھ مت کے پیروکاروں کے بیچ

ہونے والے سنگین فسادات کے بعد، اس وقت کی فوجی حکومت نے راکھین ریاست کے دارالحکومت شہر ستوئے میں کرفیو نافذ کر دیا تھا۔

ستم ظریفی دیکھئے، برما کی حکومت خود مسلمانوں کے قتل عام میں شریک ہے، ایک امریکی ادارے نے جنوری 2012ء کو جو رپورٹ شائع کی، اس کے مطابق سرکاری ریکارڈ میں روہنگیا مسلمانوں کے 40 ہزار بچوں کا نام تک درج نہیں، ان پر انسانیت سوز پابندیاں عائد ہیں، دو سے زائد بچے پیدا کرنے پر پابندی ہے، ان شرائط کی خلاف ورزی کی سزا دس سال قید بامشقت ہے۔ 1982ء میں جاری شدہ میانمار حکومت کے قانون کے مطابق روہنگیا کے تمام بچے، خواہ ان کا نام نوٹ کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو، برمی نہیں سمجھے جائیں گے، انہیں غذا، خورد و نوش، صحت کی سہولتیں اور تعلیم کے مواقع فراہم نہ ہوں گے اور انہیں فوج کے مفاد والے مشکل کاموں میں استعمال کیا جائے گا، جب ایک اقلیتی آبادی کو کچلنے کے لئے حکومت برسرِپیکار ہو، جس کی 25 فی صد سے زیادہ آبادی ہجرت پر مجبور ہو چکی ہو اور باقی آبادی فوجی سنگینوں کے رحم و کرم پر ہو، تو اسے عصری تاریخ کا سیاہ المیہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

اراکان صوبے اور بنگلہ دیشی کیمپوں میں الم کی داستانیں بکھری پڑی ہیں، برطانوی نشریاتی ادارے سے گفتگو کرتے ہوئے حاجی عبدالمطلب کا، جو میانمار اور بنگلہ دیش کے علاقے میدا میں ایک غیر سرکاری کیمپ میں رہ رہے ہیں، کہنا ہے کہ میانمار کی حکومت مسلم اقلیت سے ملک کو پاک و صاف کرنے کے لئے کوشاں ہے، وہ انہیں بلا معاوضہ مشکل کام انجام دینے کے لئے مجبور کرتی ہے، اس کے ساتھ غصب، اغوا اور قتل و غارت گری کا بازار بھی گرم ہے، اسی طرح محمد نور بھی پناہ گزینی کی زندگی گزار رہے ہیں، وہ کسی طرح تکلیف دہ سفر کر کے انڈونیشیا پہنچے، تو بلاقصور جیل میں ڈال دیئے گئے، پھر وہ کسی طرح بنگلہ دیش بھاگنے پر مجبور ہوئے، محمد نور کہتے ہیں کہ اگر مجھے میانمار بھیجا گیا تو میں یہاں مر جانے کو ترجیح دوں گا، کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ اگر میں وہاں پہنچا تو وہاں کی فوج مجھے قتل کر دے گی، ہیومن رائٹس نے اپنی جنوری 2012ء میں شائع ہونے والی رپورٹ میں اراکانی مسلمانوں کی صورتِ حال کی منظر کشی کی ہے کہ برمی مسلمانوں پر بڑے پیمانے پر بارودی سرنگوں کا استعمال، خواتین کے ساتھ جنسی زیادتی، قتل و غارت گری، مار پیٹ، غذائی سامان کو نشانہ بنانا، زمین و جائیداد کو ہڑپ کرنا اور بچوں سے زبردستی کام لینا جیسے مظالم جاری ہیں، جن کی وجہ سے روہنگیا کے پناہ گزینوں کی تعداد بنگلہ دیش کے سرکاری کیمپوں میں 28 ہزار ہو گئی ہے جبکہ چودہ ہزار لوگ تھائی لینڈ کے غیر سرکاری کیمپوں میں زندگی گزار رہے ہیں اور دو لاکھ لوگ میانمار کے سرحدی علاقوں میں پھنسے ہندوستان یا سنگاپور میں داخل ہونے کے خواہش مند ہیں، اس قدر بدترین حالات میں مسلم ممالک اس مظلوم اقلیت کا کسی طرح کا بھی تعاون کرنے سے قاصر ہیں، حالانکہ امریکا اور یورپی ممالک کے دباؤ کے نتیجے میں برما میں جمہوری عمل پنپ رہا ہے، بہت سے سیاسی قیدیوں کو رہا کیا گیا ہے، مگر دوسری طرف مسلسل اپنے ان شہریوں کا صفایا اور خاتمہ کیا گیا، جن کا صرف اور صرف یہ قصور ہے کہ وہ مسلمان ہیں، کون سا قانون ان کو یہ سزا دینے کا جواز فراہم کرتا ہے، کیا ان حالات میں سیاسی اصلاحات ممکن ہیں؟ مشرقی تیمور اور جنوبی سوڈان کے معاملے پر چیختے چنگھاڑتے عالمی ادارے اراکانی مسلمانوں کی نسل کشی پر خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں، پھر بھی الزام ہے کہ مسلمان دہشت گرد ہیں۔

☆......☆......☆

گھر کہانی

اہلیہ محمد امان اللہ فاروقی



آصف کے ابو، میں سوچ رہی ہوں، ہم اپنے آصف کی شادی کی تیاری کرنی شروع کر دیں، ایک ہی تو بیٹا ہے اور اب شکر ہے رب کا، اس کو نوکری مل گئی ہے۔ فاطمہ نے رات کو شوہر کی مالش کرتے ہوئے کہا، تو اصغر صاحب بھی بیگم کی بات سن کر راضی ہو گئے، اصغر صاحب دو دن سے بخار میں مبتلا تھے تاہم بیٹے کی خوشی کو وہ بھی جلد دیکھنا چاہتے تھے۔

اب آپ کل اپنے بھائی عمران سے بات کریں، کیونکہ وہ بچپن سے آصف کو اپنا بیٹا ہی سمجھتے ہیں، اگر مان گئے تو جلد ہی اگلے ماہ شادی طے ہو جائے گی۔

اچھا ٹھیک ہے بیگم، اب آپ دوا لا کر پلا دیں، مجھے بھی سونے دو اور خود بھی سو جاؤ، آصف بھی آنے والا ہوگا، اس کا کھانا گرم کریں، آصف کے باپ نے کہا تو فاطمہ بیگم دوا کا پانی لانے باہر جانے لگی تو اتنے میں آصف صحن میں موٹر سائیکل لاک کر کے کمرے میں آ رہا تھا۔

السلام علیکم، امی جان! ابو جان کی طبیعت کیسی ہے، ماں نے بیٹے کی پیشانی چوم کر سلام کا جواب دیا اور کہا، ٹھیک ہیں ابو آپ کے، آپ اندر چلو، میں پانی لاتی ہوں اور کھانا بھی، آصف اندر داخل ہوا، باپ کو سلام کر کے ان کے قریب بیٹھ گیا اور خدمت میں مصروف ہو گیا، اتنے میں ماں نے کھانے کا اہتمام بھی کر دیا، بیٹے کو خدمت کرتا دیکھ کر کہا، بیٹا آپ دفتر سے تھکے ہوئے آئے ہو، آرام کرو، مگر آصف نے کہا، امی سارا دن تو باپ سے دور رہتا ہوں، اب تو قریب سے خدمت کرنے کی اجازت دیں۔

باپ نے بیٹا کو خدمت کرتے ہوئے دیکھا تو نرمی سے کہا، میں ٹھیک ہوں، آپ کھانا کھا لیں، ٹھنڈا ہو جائے گا، تو آصف کھانا کھانے لگا اور فاطمہ نے دوا کھلائی اپنے شوہر کو اور پھر آصف کے پاس بیٹھ گئی، اتنے میں آمنہ اندر داخل ہوئی اور سلام کے بعد کہا، آصف بھائی آپ نے آج میری کتاب لانی تھی، لائے یا بھول گئے۔

لایا ہوں بہنا، وہ موٹر سائیکل پر ہی رہ گئی، جاؤ اور شاپر لا کر مجھے دو، آمنہ نے شاپر لا کر آصف کو دے دیا، آصف نے امی سے کہا، آج تنخواہ مل گئی ہے، بقرہ عید قریب ہے، تو اس لئے جلدی تنخواہ دے دی گئی ہے اور کچھ اضافی روپے بھی ملے قربانی کے لئے، تو میں نے یہ سامان خرید لیا ہے، آپ اوپر جا کر سب کو تقسیم کریں، آصف کی چھ بہنیں تھیں اور سب اوپر ہی چھت پر سوتی تھیں تاکہ ابو جان کی طبیعت بہتر رہے، شور نہ ہو ابو کے کمرے میں، اب

ماں نے شاپر کھولا، آمنہ کو کتاب دی اور آمنہ اوپر جانے لگی تو ماں نے سب کو اب صبح کو چیزیں دینی ہیں اور آمنہ تم سب کو سو جانے کا کہنا، میں بھی پھر ابھی آتی ہوں۔

ماں جی ایک انگوٹھی لی ہے، آپ کھول کر دیکھیں، اچھی ہے، آصف نے کہا تو ماں نے پھر شاپر کھولا اور ساری چیزیں نکال کر آصف کے ابو کو بھی دکھا کر بولی، اللہ پاک میرے بیٹے کو خوش رکھے اور آصف بھی آمین کہنا نہ بھولا تھا، امی یہ آمنہ کا سوٹ ہے اور یہ آپ کے لئے لیا ہے، یہ ابو جان کا اور یہ میرا اور باقی سب بہنوں کے ایک کلر کے پانچ سوٹ تھے اور انگوٹھی امی آمنہ کو ہی دینا، اب ہم اکٹھے تو سارے زیور نہیں لے سکتے، مگر تھوڑا تھوڑا ہی جمع ہو کر خرید لیں گے، آصف نے ماں باپ کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ بھی دعا دینے لگے، پھر ماں نے کہا، بیٹا ہم نے سوچا ہے تیری شادی کرتے ہیں، بتا بیٹا تیری پسند ہے کوئی، اس نے معصومانہ انداز میں کہا، امی ابھی جلدی کیا ہے، ابھی تو نوکری ملی ہے اور پہلے کسی بہن کی ہو جائے پھر، باپ نے کہا، بیٹا سب کی اپنی قسمت ہے، ہم تیری خوشی دیکھ لیں، زندگی کا کیا بھروسہ، باپ کی آواز میں تمنا واضح نظر آ رہی تو آصف نے کہا، آپ کی پسند میری بھی پسند ہے، آپ بہتر فیصلہ کریں گے، میں راضی ہوں، آپ خود انتخاب کریں اور پھر جب آصف کے باپ نے اپنے بھائی عمران سے ذکر کیا تو عمران بولا، بھائی میں تو آصف کو ضرور دیتا، مگر تیری بھابھی کا اصرار ہے کہ آصف الگ رہے تو دیتی ہوں، ورنہ آصف کو چھ بہنوں کی موجودگی میں کس طرح دوں، وہ بہنوں کو خرچ دے گا یا میری بیٹی کو، میں تو اسے سمجھا چکا ہوں کہ قسمت ہر نفس کی اپنی ہوتی ہے، مگر عورت کی سمجھ اتنی کہاں ہوتی ہے، اب بھائی جان، آصف کو سب خوشی سے دیں گے، آپ ناراض نہ ہو میرے اوپر، میں آپ کی خوشی میں ضرور شرکت کروں گا، عمران نے یہ کہہ کر اجازت لی، اب فاطمہ بیگم تم اپنے بھائی ارشد کو بھی پیغام دو تا کہ وہ بعد میں ناراض نہ ہو کہ مجھے نہ کہا تھا، پھر کسی اور سے بات کریں گے، دونوں نے مشورہ کر کے کہا اور پھر ارشد سے ملاقات کی، ارشد کی دو بیٹیاں تھی اور چار بیٹے تھے، آصف کا نام سن کر وہ بھی خوش ہوا اور دو دن کا وقت مانگ لیا، تا کہ مشورہ کریں گھر میں اور آصف کے ماں باپ بھی گھر میں سوچنے لگے، اگر ارشد نے بھی عذر کیا، پھر کہاں بات کریں، اب بیگم میرا خیال ہے امیر گھرانوں سے غریب کا گھر تلاش کریں، لیکن دین دار گھرانہ ہو تا کہ دونوں اسلامی طریقہ سے محبت و پیار سے وقت گزاریں اور شوہر بیوی کے حقوق سے واقف جو ہوں گے تو ضرور حقوق ادا بھی کریں گے اور دوسرے دن ارشد نے ہی گھر آ کر کہا کہ آپ اپنی دو بیٹیاں میرے بیٹوں کو دے دیں اور آصف الگ گھر میں رہے تو وہ اپنی بیٹی زرتاشہ آصف کو دینے پر راضی ہیں، ارشد کی بیوی بھی اسی بات پر جمی ہوئی تھی کہ گھر الگ ہو اس کی بیٹی کا، اب آصف سے بات ہوئی تو وہ الگ گھر کے حق میں نہ تھا، اول تو تنخواہ سے وہ الگ گھر کے خرید نہیں سکتا تھا اور پھر وہ اس گھر میں والدین کو اکیلا نہ چھوڑ سکتا تھا، آصف نے کہا، میرا اور بھائی کوئی ہے نہیں جو ماں باپ کو اپنے ساتھ رکھے اور یہ گھر بھی تو دو منزلہ ہے، اوپر وہ رہ لے گا اور نیچے امی ابو رہ لیں گے مگر وہ بات بھی ارشد کے گھر والے نہ مان سکے اور یوں آصف نے ماں سے کہا، اب آپ خاموش ہو جائیں چند ماہ، تا کہ کسی بہن کو پہلے وہ اپنے گھر کا بنا کر پھر خود شادی کرے گا، مگر ماں باپ نے کہا، آپ ایک ہی تو بیٹے ہو، ہم تمہارے گھر کو آباد دیکھنا چاہتے ہیں اور پھر جلد ہی موسیٰ خان کی بیٹی سے منگنی کر دی گئی اور تاریخ طے ہو گئی، اب آخر ماں باپ کی بہنوں کی خوشی کا دن آ پہنچا اور آصف کا نکاح مریم سے ہو گیا، اوپر کا مکان آصف نے اپنے لئے سجایا اور نیچے کا ماں باپ کے لئے خوب سجایا، رنگ وغیرہ کرایا اور سب جگہ شادی مبارک کے بینرز آویزاں کئے، اب مریم کا گھونگھٹ جب آصف نے کھولا تو رب کا شکر کرنے لگا اور اپنی ماں کی پسند کی داد دینے لگا، بڑی خوبصورت تھی اور جب سلام کا جواب سنا تو اور بھی خوش ہوا، نرم لہجہ تھا، مسکراہٹ چہرے پر آصف بہت خوش ہوا اور یوں گھر میں مریم بھابھی کے سب دیوانے ہو گئے، آمنہ، آصفہ اور عابدہ کو بھابھی نے بہت ہی محبت سے سلائی کرنا کڑھائی کرنا سب سکھا دیا اور چھوٹی حمیرا، طاہرہ، صائمہ کو بھی وہ اچھی طرح وقت دیتی تھی، پڑھانے کا اور سب سے بڑھ کر ساس ماں کو خوشی تھی، مریم کے آداب اور اخلاق ہی تھے کہ گھر میں خوشی کا سماں رہتا اور آصف بھی بیوی کی ہر جائز بات پوری کرتا اور بہنوں کی بھی ہر بات وہ مان لیتا، مریم خود بھی آصف کو بہنوں کے تھوڑے، جہیز کے سامان کو جمع کرنے کی ترغیب دیتی تھی، یوں سال گزرتے دیر نہ ہوئی اور آصف کے گھر میں حماد کی پیدائش سے اور بھی خوشی پھیل گئی، سب طرف سے مبارکباد تھی، آصف کی چچی عمران چچا کے گھر والے سب ہی تو آئے اور دیکھ کر حیران رہ گئے، کس طرح مل کر سب رہ رہے ہیں اور آصف کے ماموں بھی فیملی کو لے کر آئے تھے، وہ بھی تعجب سے تھے، کس طرح رہ کر گزارہ کرتے ہیں، مریم سے بھی بعض مرتبہ سوال کرتی تھی کس طرح اتنے بڑے گھرانے میں خوش ہو، مگر مریم کے جواب میں سب ہی تو حیران ہوئے مریم نے کہا، بڑے گھرانے میں برکت ہی تو ہے سب مل کر کام کرتے ہیں تو جلدی کام سے فارغ ہوتے ہیں، پھر سلائی کڑھائی میں وقت گزار لیا اگر بیمار ہو تو پھر دوسرے کام کرنے والے فوراً کام کرتے ہیں، اس طرح کوئی بھی پرابلم نہ ہوئی آج تک، پھر جلد ہی مریم کی دو نندوں کی شادی ہو گئی، جو اپنے گھروں میں مریم بھابھی کی طرح ہی زندگی گزارنا سیکھ چکی تھی، اپنے شوہر کے گھر والوں کو اپنا ہی سمجھ کر خدمت کرتی، وہ بھی سب مل کر ان کے احترام کو مانتے اور آج مریم کی چھوٹی دو نندوں کا رشتہ طے ہوا وہ بھی عملی زندگی سمجھ چکی۔

☆......☆......☆

اہم نصیحتیں

☆......محنت سے گھبرانے والے کبھی ترقی نہیں کرتے۔

☆...... وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو حقیقت کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔

☆......محنت مزدوری کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔

☆...... حقیقی کامیابی اپنی قربانیوں سے حاصل ہوتی ہے۔

☆......وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔

☆......اپنے وطن کو جان سے عزیز رکھو اور ہر وقت اپنے ہم وطنوں کی خدمت میں لگے رہو۔

☆......کوئی ملک اس وقت تک غلام نہیں ہو سکتا جب تک اس کے اپنے لوگ غداری نہ کریں، کیونکہ اکیلا لوہا جنگل سے ایک لکڑی نہیں کاٹ سکتا جب تک کہ لکڑی اس سے مل کر کلہاڑی نہ بنے۔

☆......نیک عمل کرو تمہاری عمر میں برکت ہوگی۔

☆......زبان ایک ایسا درندہ ہے کہ اگر اسے کھلا چھوڑ دیا جائے تو پھاڑ کھائے۔

☆......جس گھر میں تعلیم یافتہ نیک ماں ہوتی ہے وہ گھر تہذیب اور انسانیت کی یونیورسٹی ہے۔

☆......انسانوں میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

☆......دنیا کی عزت مال سے ہے اور آخرت کی عزت اعمال سے ہے۔

☆......خوش کلامی ایسا پھول ہے جو کبھی نہیں مرجھاتا۔

☆......خوش رہنا چاہتے ہو تو دوسروں کو خوش رکھو۔

(۱۵)......اپنا انداز گفتگو نرم رکھو، کیونکہ لہجہ کا اثر الفاظ سے زیادہ ہوتا ہے۔

(۱۶)......کسی سے بدلہ لینے میں جلدی نہ کرو اور کسی سے نیکی کرنے میں تاخیر نہ کرو۔

☆......☆......☆

دھت تیرے کی.......!!

محمد اسامہ سَرسَری

''جمیلہ......! وہ سامنے جو عورت کھڑی ہے نا... سانولی سی، وہی کلثوم ہے۔ جس کے بارے میں، میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ہروقت اپنی بیٹی کے ہی گن گاتی رہتی ہے...... چلو آؤ...... ذرا اس سے حال احوال لیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر میں جمیلہ کو کلثوم کے پاس لے گئی۔ ہم لوگ ابھی ابھی اس تقریب میں پہنچے تھے۔

''السلام علیکم...... کیسی ہو کلثوم؟''

''وعلیکم السلام...... بالکل ٹھیک ہوں اور تم سناؤ زرینہ......! تم کیسی ہو؟'' خیر خیریت کے بعد میں نے ان دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا پھر میں نے مذاق کے طور پر کہا:

''ارے کلثوم......! وہ بچی کتنی پیاری لگ رہی ہے، سچ پوچھو تو...... بالکل تمہاری بیٹی لگ رہی ہے۔''

میری بات سن کر کلثوم چونکی اور اس بچی کی طرف گھور کر دیکھا اور تھوڑی دیر تک دیکھنے کے بعد بولی:

''اونہہ...... اس کا ناک نقشہ اتنا خاص نہیں... میری بیٹی کو اس سے کیا تشبیہ دے رہی ہو...... میری بیٹی تو میری بیٹی ہے...... میری بیٹی کی تو ہرن جیسی آنکھیں ہیں...... چیتے جیسی چال ہے...... لومڑی جیسی چالاکی ہے...... کوئل جیسی آواز ہے...... شیرنی جیسی بہادری ہے...... گھوڑی جیسی ہمت ہے...... گائے جیسی معصومیت ہے اور...... اور......''

''بس بس...... رہنے دو...... مجھے ایک بات پتا چل گئی۔'' میں نے اس کی بات کو درمیان سے کاٹ کر کہا:

''کیا بات پتا چل گئی......؟'' کلثوم نے حیرانی سے پوچھا۔

''یہ کہ تمہاری بیٹی میں ساری جانوروں والی صفات ہیں۔'' میں آگے بھی کچھ بولتی لیکن کلثوم پھٹ پڑی۔

''اے...... اے......! میری بیٹی کے بارے میں اپنی زبان سنبھال کر بات کرنا...... وہ تو گلاب کا پھول ہے...... چمن کی بہار ہے...... صبح کی تروتازہ شبنم ہے...... چودھویں رات کی ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی ہے...... وہ تو...... وہ تو......'' کلثوم نہ جانے اور کیا کیا بولتی کہ جمیلہ نے ٹوک دیا۔

''بس کرو...... معلوم ہو گیا۔''

''کیا معلوم ہو گیا......؟'' کلثوم نے پھر حیران ہو کر پوچھا تو جمیلہ نے کہا:

''یہی کہ تمہاری بیٹی میں ساری بے جان چیزوں کی صفات ہیں۔''

اور پھر اس سے پہلے کہ کلثوم کاٹ کھانے کو دوڑتی ہم دونوں وہاں سے کھسک گئیں۔

☆............☆

دو دن بعد ایک اور تقریب میں میرا جانا ہوا... کافی دیر تک ملنا ملانا ہوتا رہا۔ پھر اچانک میری نظر کلثوم پر پڑی۔ بے اختیار میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ عورت ہی ایسی تھی کہ اپنی سانولی بیٹی کے آگے کسی کو کچھ سمجھتی ہی نہ تھی...... اس وقت وہ کسی سے لڑائی کے انداز میں باتیں کرنے میں مصروف تھی...... میں نے سوچا ذرا میں بھی تو سنوں کیا باتیں کر رہی ہے۔ چناں چہ میں ان کے قریب آ گئی...... کلثوم کہہ رہی تھی:

''تمہاری بیٹی کی تو مستقل ناک بہتی رہتی ہے...... میری بیٹی کو دیکھو...... اس کی تو صفائی ستھرائی دیکھ کر ہی اس پر پیار آ جاتا ہے...... میری بیٹی تو میری بیٹی ہے۔''

''ارے جاؤ......! تمہاری بیٹی کیا آسمان سے اتری ہے......؟ دوسری عورت نے کہا وہ شکل سے تیز لگ رہی تھی۔

''ہاں...... ہاں......! میری بیٹی آسمان سے اتری ہے...... کلثوم نے اکڑ کر کہا۔

اچھا! تو اس کا مطلب ہے کہ وہ تمہاری سگی بیٹی نہیں...... بل کہ منہ بولی بیٹی ہے۔''

''کیا مطلب......! کیا کہنا چاہ رہی ہو......؟ ارے وہ میری سگی بیٹی ہے، جبھی تو اس پر جان دیتی ہوں۔''

تو پھر تم غلط بیانی کر رہی ہو...... کیوں کہ ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ میری بیٹی آسمان سے اتری ہے...... جب آسمان سے اتری ہے تو تمہاری سگی بیٹی تو نہ ہوئی نا......؟

''واہ...... کیوں نہ ہوئی...... ارے میں محاورۃً کہہ رہی تھی۔''

اسی وقت ہمارے سامنے ایک بچہ آ گیا... کپڑے پھٹے ہوئے...... میلا کچیلا...... چہرہ غبار آلود... بڑی بھونڈی آواز میں رو رہا تھا...... شاید اپنی ماں کو تلاش کر رہا تھا...... اچانک میں نے کلثوم کو دیکھا...... مجھے اندازہ تھا کہ یہ اس بچہ کی گندی حالت کو دیکھ کر ضرور تپ رہی ہو گی۔

لیکن اگلا لمحہ انتہائی حیران کن اور چونکا دینے والا تھا۔

میں نے دیکھا کہ کلثوم نے آگے بڑھ کر اس بچے کو گود میں لے لیا اور گلے سے لگا کر اسے چپ کرانے لگی۔

کیا کلثوم ہمارے ساتھ مذاق کرتی تھی کہ اسے صرف اپنی بیٹی ہی اچھی لگتی ہے......؟ کیا ہم اس سے نہیں بل کہ وہ ہم سے تفریح لیتی تھی...... میرے ذہن میں عجیب عجیب خیالات کلبلانے لگے...... دوسری عورت بھی میری طرح حیرانی کے سمندر میں غوطے لگا رہی تھی۔ میں نے ہمت کر کے پوچھا:

''کلثوم......! خیریت تو ہے......؟ کیا یہ بچہ...... تمہاری بیٹی سے اچھا ہے؟''

اونہہ...... کہاں یہ بھنگی...... اور کہاں میری چاند جیسی پری بیٹی...... میں تو صرف اس لیے اسے پیار کر رہی ہوں کہ یہ میری بیٹی کی طرح روتا ہے...... اور یہ رونا مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

''دھت تیرے کی......'' میرے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

☆......☆......☆

ایک بچی کی اپنے مرحوم باپ کی یاد میں

میرے پیارے ابو جان، میرے پیارے ابو جان
آپ کیوں چلے گئے آپ تو بھول گئے
مجھے ہر وقت آپ کی آتی ہے یاد
ہر وقت ستاتی ہے یاد
8 اکتوبر کی صبح ہمیں یتیم کر گئی
کاش میرے دادا تو ہوتے
جو ہمیں حوصلہ تو دیتے
میں حوصلہ کرتی رہوں گی
قرآن پڑھ کر بخشتی رہوں گی۔

(انتخاب:...... ہادیہ حبیب الرحمان)



دو ماؤں کا جگر پارہ

ڈاکٹر فیاض حسین

میں جب بھی کبھی کسی طویل سفر پر جاتا ہوں، اپنا فسٹ ایڈ بیگ اپنے سامان میں ضرور شامل کر لیتا ہوں، تاکہ ہنگامی حالت میں کام آسکے، کچھ عرصے قبل لاہور اسٹیشن سے اٹک کے لئے ریل گاڑی پر سوار ہوا۔ اس دن زیادہ رش نہ تھا۔ میری سیٹ تو ریزرو تھی، اس لئے مجھے کوئی پریشانی لاحق نہ تھی۔ جس فسٹ کلاس سلیپر میں میری سیٹ تھی اس میں میرے علاوہ تین مسافر اور تھے، ایک بوڑھی عورت اوپر والی سیٹ پر لیٹی ہوئی تھی اور دوسرے اور تیسرے مسافر نیچے والی سیٹوں پر بیٹھے تھے، میں نے انہیں سلام کیا اور اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا اور گاڑی چل پڑی۔

ابھی گاڑی نے شاہدہ جنکشن ہی کراس کیا تھا کہ اوپر والی سیٹ سے عورت کی کراہنے کی آوازیں آنے لگیں۔ دونوں مسافروں میں ایک مسافر جو غالباً اس کا رشتہ دار تھا، فوراً اٹھا اور اس عورت سے پوچھنے لگا۔ ”آپا جی کیا بات ہے؟“

”مجھے نیچے اتارو جرأت بیگ!“ عورت نے اس آدمی سے کہا۔ ”میرے پیٹ میں بائیں جانب شدید درد ہے۔“

بڑی مشکل سے اس عورت کو نیچے اتارا گیا، درد مزید بڑھ گیا، اب وہ ماہی بے آب کی مانند تڑپنے لگی، اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کا ساتھی بہت پریشان ہوگیا، وہ زنجیر کھینچنے کے لئے لپکا تو میں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا، میں نے اسے بتایا کہ میں ڈاکٹر ہوں اور میرے پاس فسٹ ایڈ باکس بھی موجود ہے، گھبرائیں نہیں، اماں جی جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔

میں نے بڑی بی کا جو چیک اپ وہاں کیا جا سکتا تھا، وہ کیا، بائیں گردے میں تکلیف تھی، میں نے درد روکنے والا ٹیکہ اس کی نس میں لگا دیا، تھوڑی ہی دیر میں درد کی شدت میں کمی واقع ہوگئی، گردے کا درد بہت شدید ہوتا ہے، اس کی شدت کا اندازہ مریض ہی کر سکتا ہے یا وہ ڈاکٹر جس نے ایمرجنسی وارڈ میں کام کیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد مریضہ کو دوسرا ٹیکہ لگا دیا جس کے اثر سے مریضہ نے درد سے نجات پالی، میں نے بیگ سے دو گولیاں نکال کر مریضہ کو دیں اور کہا کہ دو گھنٹے بعد یہ گولیاں کھالے پھر درد کا دورہ نہیں پڑے گا، مریضہ کے ساتھ جو آدمی تھا وہ میرا شکریہ ادا کرتے کرتے نہ تھکتا تھا، بڑھیا دعائیں دے رہی تھی۔

یہ دونوں بہن بھائی تھے، بھائی کا پشاور میں ڈرائی

فروٹ کا کاروبار تھا اور اماں بی حیدر آباد میں رہتی تھی، اب اپنے بھائی کے ساتھ کچھ دنوں کے لئے پشاور جارہی تھی، وہ مجھے دعائیں دینے کے ساتھ ساتھ بار بار فیس کی پیش کش کر رہی تھی، وہ فیس دینے پر بضد رہیں۔

”اماں جی!“...... میں نے آخر کہا...... ”ایک طرف تو آپ مجھے بیٹا کہہ رہی ہیں اور دوسری طرف فیس کا بار بار تذکرہ کر کے مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔“

جو خوشی کسی کو درد سے نجات دلا کر ہوتی ہے وہ خوشی فیس لے کر کہاں ملتی ہے، پھر میں نے اسے نسخہ لکھ دیا اور کہا، وہ پشاور جا کر گردے کا ایکس رے ضرور کرائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ گردے میں پتھری تو نہیں بن گئی۔

میں نے اماں جی سے پوچھا کہ وہ حیدر آباد میں کس جگہ رہتی ہے، جواب میں اماں جی نے ایک حساس علاقے کا نام لیا، میرے منہ سے بے اختیار نکلا کہ وہاں کے حالات تو بڑے دگرگوں ہیں۔

یہ خاتون آبدیدہ ہوگئی، میں حیران بھی ہوا اور شرمندہ بھی کہ میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی ہے جس نے بڑی اماں کے دل کو دکھا دیا ہے۔

”ڈاکٹر صاحب!“ ...... اس کا بھائی بول پڑا...... ”سال ہوا ان کا بیٹا حیدر آباد میں پولیس کے ہاتھوں قتل ہوگیا تھا۔“

بھائی کے منہ سے یہ الفاظ سن کر معمر خاتون کا چہرہ سرخ ہوگیا، اس نے قہر آلود نگاہوں سے اپنے بھائی کی جانب دیکھا۔

”جرأت بیگ!“ ...... اس نے غصے سے بھائی کو کہا...... ”غلط بات زبان پر مت لا، میرا عامر قتل نہیں ہوا، شہید ہوا ہے، اس کو کسی پولیس نے نہیں مارا، اس کی شہادت بھارتی ایجنٹوں کے ہاتھوں ہوئی ہے۔“ وہ مجھ سے مخاطب ہوئی...... ”ڈاکٹر صاحب! اگر میری زبانی سن لیں تو آپ اندازہ کر لیں گے کہ میرے عامر کا قاتل کون ہے۔“

اماں بی نے جو کہانی سنائی وہ انہی کے الفاظ میں سنیں:

”ڈاکٹر صاحب!“ ...... اس نے کہا...... ”تشکیل پاکستان کے وقت میری عمر کوئی اکیس بائیس سال تھی، میرے شوہر مرزا انصاف بیگ بمبئی میں سرکاری ملازم تھے، رہنے والے ہم کہیں اور کے تھے، میرے بیٹے عامر کی عمر تقریباً پونے دو سال تھی، ہم خوشحال زندگی گزار رہے تھے، میرے شوہر کی وابستگی مسلم لیگ کے ساتھ تھی، جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو بہت سے مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ کر پاکستان اپنی پناہ گاہ سمجھ کر چل پڑے، ہمارا خاندان بھی پاکستان کو ہجرت کے لئے ایک قافلے کے ہمراہ ہولیا، پاکستان سے ابھی ہم دور ہی تھے کہ ہندوؤں نے اس نہتے قافلے پر حملہ کر دیا، اس افراتفری کے عالم میں جس کا منہ جدھر کو آیا، بھاگ نکلا، ہمارے قافلے کے کئی افراد شہید ہوگئے، بچے کھچے لوگ بہ ہزار خرابی پاکستان پہنچ گئے، میرا شوہر زخمی ہوا، مگر سب سے بھیانک حادثہ یہ ہوا کہ میرا ننھا بیٹا عامر اس قیامت میں لاپتہ ہوگیا......

”یہاں ہمارا قیام مہاجر کیمپ میں تھا، میں میٹرک پاس تھی، میں نے مہاجر کیمپ میں عورتوں کے لئے بہت کام کیا اور ساتھ ساتھ اپنے گمشدہ بیٹے کو بھی تلاش کرتی رہی، عامر کا چہرہ کسی لمحے میری آنکھوں سے اوجھل نہ ہوتا تھا، اس کی پیاری پیاری باتیں یاد آتیں تو آنکھوں میں دھواں بھر جاتا، میرا شوہر بھی کبھی کبھی سخت بے چین ہو جاتا، مگر بے بسی آڑے آتی، پھر کیمپ سے ہم لوگ حیدر آباد آگئے، تھوڑے ہی عرصے بعد میرے شوہر کو کراچی میں سرکاری ملازمت مل گئی اور یوں میں اپنے شوہر کے ہمراہ کراچی آگئی، یہاں میرا دوسرا بیٹا مہتاب پیدا ہوا، میں نے اپنے آپ کو بہت مصروف کر لیا، مگر پھر بھی عامر کی یاد میرے ساتھ ساتھ رہی، میں اچھی طرح جانتی تھی کہ قتل وغارت کے اس بازار میں عامر کا زندہ رہ جانا بعید از قیاس تھا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی موت کا تو مجھے

یقین ہو گیا، مگر اسے بھولنا میرے بس میں نہ تھا۔

"عامر جب ایک سال کا تھا تو اس نے اپنا دایاں ہاتھ جلتے چولہے میں ڈال دیا تھا، اس معصوم کا ہاتھ بری طرح جھلس گیا تھا، ایک ماہ تک اس سوختہ ہاتھ پر میں مرہم لگاتی رہی تب جا کر اس کے زخم مندمل ہوئے، اس کو سینے سے چمٹائے پھرتی رہی، کئی ڈاکٹروں کو دکھایا تھا، ہاتھ کا زخم تو ٹھیک ہو گیا، مگر اس کے دائیں ہاتھ کی پشت پر ایک بدنما داغ رہ گیا تھا، میرے شوہر مجھے بہت تسلی دلاسہ دیتے، مگر عامر کی یاد میں میری آنکھیں اشکبار ہی رہتیں۔

"دو سال گزر گئے، اگست کا مہینہ تھا، ہم لوگ کراچی سے حیدرآباد اپنے ایک عزیز کی شادی پر جا رہے تھے، گاڑی میں بہت رش تھا، ننھے مہتاب کو میں نے اٹھایا ہوا تھا، ایک عورت نے مجھے بیٹھنے کو جگہ دے دی، میں اس کی بہت شکر گزار تھی، اس عورت کی گود میں اس کا بچہ تھا، بچہ اگرچہ بڑی عمر کا تھا پھر بھی بوتل سے دودھ پی رہا تھا، اس کے کھلونوں کی ٹوکری بھی ساتھ ہی رکھی تھی، میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ یہ بیٹا اللہ تعالیٰ نے اسے شادی کے نو سال بعد دیا ہے، جب بچے نے دودھ کی بوتل منہ سے ہٹائی تو میں اسے دیکھتی ہی رہ گئی، اس کی شکل و صورت حیرت انگیز طور پر میرے عامر سے ملتی تھی، تھوڑی دیر بعد جب بچے نے اپنا دایاں ہاتھ چادر سے باہر نکالا تو یکایک میری نگاہ اس ہاتھ کی پشت پر پڑی، جلا ہوا مانوس نشان دیکھ کر میری حالت غیر ہو گئی، میں نے غیر ارادی طور پر از خود رفتگی کے عالم میں بچہ اس عورت کی گود سے اچک لیا اور شور مچا دیا کہ یہ میرا عامر ہے، یہ میرا بچہ ہے، پورے ڈبے میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا، تمام عورتیں اکٹھی ہو گئیں، میں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ یہ میرا بچہ ہے اور وہ عورت مجھے پاگل قرار دے رہی تھی۔

"اسی کشمکش میں ایک چھوٹا سا اسٹیشن آ گیا، گاڑی رک گئی، میرے اور اس کے خاوند کو بلایا گیا، میرے شوہر نے بھی عامر کو پہچان لیا، وہ ایک لوکل سندھی عورت تھی، وہ لوگ بھی حیدرآباد شہر میں رہتے تھے، وہ عورت میرے بچے سے دستبردار ہونے کو کسی قیمت پر تیار نہ تھی، اس کا خاوند حسین بخش جہاں دیدہ شخص تھا، اس نے میرے شوہر سے کہا کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ بچہ ہمارا نہیں ہے، ہم نے اس کو مہاجر کیمپ سے حاصل کیا تھا، یہ لاوارث بچہ تھا، جس وقت ہم نے اس کو لیا تھا اس وقت یہ شدید بیمار تھا، اس کو ڈبل نمونیہ تھا، اگر ہم اسے نہ لاتے تو یہ آج زندہ نہ ہوتا، ہم نے اس کا علاج کرایا، خدا نے اس کو شفا بخشی اور ہماری خالی گود بھر دی، اب آپ کہتے ہیں کہ بچہ آپ کا گمشدہ عامر ہے تو ٹھیک ہے، آپ ہمارے ساتھ گھر چلیں اور اپنا حق ثابت کریں کہ یہ بچہ آپ کا ہے، اگر آپ نے اپنا حق ثابت کر دیا تو ہم بلا تامل یہ بچہ آپ کے حوالے کر دیں گے۔

"حیدرآباد تک ہم دونوں کے شوہر ہمارے ڈبے میں ہی رہے، حیدرآباد اتر کر ہم ان کے گھر گئے، چند شرفا کو بلایا گیا، اس جرگے میں ہم نے کیا ثبوت پیش کیا، کیا شہادت فراہم کی اور کس کس کو گواہ پیش کیا، یہ ایک علیحدہ داستان ہے، قصہ مختصر یہ کہ ہم نے ثابت کر دیا کہ بچہ ہمارا ہے، خدا نے دو سال بعد میرا بچھڑا ہوا عامر مجھے لوٹا دیا۔ میں سجدہ شکر بجا لائی......

"اس سندھی عورت کا نام میراں مائی تھا، جب میں نے اس سے عامر کو لیا تو وہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ میرا دل دہل گیا، مجھے ایسے لگا کہ اس نے رونا بند نہ کیا تو آسمان پھٹ پڑے گا، محلے کی عورتوں نے مجھے بتایا کہ جتنا پیار میراں مائی اس سے کرتی ہے شاید ہی کوئی ماں اپنی اولاد سے کرتی ہو، یہ تو اس بچے کو پاگلوں کی طرح چاہتی ہے، عامر کو اس نے ہاتھ کا چھپولا بنا کر رکھا ہوا ہے، عورتوں کی باتوں، میراں مائی کی آہ و بکا اور اس کے خاوند حسین بخش کی شرافت کا مجھ پر اتنا زیادہ اثر ہوا کہ میں اس کے آگے بے بس ہو گئی، عامر بار بار میراں مائی کی طرف جاتا تھا، اسی کو وہ اپنی ماں سمجھتا تھا، میں نے ایک ایسا فیصلہ کیا جو شاید ہی کوئی ماں کر سکے، میں نے میراں مائی کو تسلی دی اور کہا، بہن اللہ تعالیٰ نے میرا عامر مجھے لوٹا دیا ہے، میں تیرا بیٹا تجھے لوٹاتی ہوں، یہ کہہ کر میں نے عامر کو اس کی جھولی میں ڈال دیا، اس دن سے میراں مائی میری بہن بن گئی......

"میرے شوہر نے بڑی کوشش کر کے اپنا تبادلہ حیدرآباد کرا لیا، یہاں عامر کبھی میرے پاس رہتا اور کبھی میراں مائی کے پاس، اس طرح ایک بیٹے کی دو مائیں بن گئیں، میراں مائی مجھ سے زیادہ اس کا خیال رکھتی، عامر بھی اس کے پاس بہت خوش رہتا، وقت گزرتا گیا، عامر نے اپنی تعلیم مکمل کی تو اسے ایک بینک میں ملازمت مل گئی، عامر کی دلہن میراں مائی نے پسند کی، وہ اس کی بھانجی لگتی تھی، عامر بھی اس رشتے سے بہت خوش تھا، اس کی شادی پر بہت خوشیاں منائی گئیں، آخر وہ دو ماؤں کا جگر پارہ تھا......

"عامر کی شادی کے چند ماہ بعد میراں کا انتقال ہو گیا، وہ ضیق النفس کی پرانی مریضہ تھی، اس کی وفات کا مجھے افسوس ہوا، اس نے عامر کی بہت خدمت کی تھی، اب جب عامر اس کی خدمت کے قابل ہوا تو وہ چل بسی......

"ڈاکٹر صاحب! وہ میری سگی بہن نہ تھی مگر میرا اس سے وہ رشتہ تھا، جو مدینہ میں انصار اور مہاجرین کے مابین قائم تھا، میراں مائی کو میں بدقسمت سمجھتی تھی کہ وہ عامر کی اولاد نہیں دیکھ سکی، لیکن وہ خوش قسمت تھی کہ مر گئی، اس نے وہ غم نہیں دیکھا جس کو دیکھنے کے لئے میں زندہ رہ گئی، آج سے ایک سال قبل میں نے ایسا دکھ جھیلا جس کے تصور سے ہی انسان کانپ اٹھتا ہے، میرا لخت جگر عامر اپنے دو سالہ بیٹے کو لے کر بازار گیا، بھرے بازار میں ایک کار آئی جس نے بے گناہ لوگوں پر اندھا دھند فائرنگ کی، جہاں اور بہت ساری ماؤں کی گودیں خالی ہوئیں، وہاں میرا عامر اور میرا معصوم پوتا دونوں ان درندوں کا شکار ہو گئے، وہ عامر جسے ۱۹۴۷ء میں ہندو اور سکھ نہ مار سکے تھے اور جس کو ڈبل نمونیہ نہ لے سکا تھا، اس کو بھارتی ایجنٹوں نے بڑی آسانی سے شہید کر دیا......

"ڈاکٹر صاحب! آپ ہی بتائیں، میں کیسے مان لوں کہ میرے عامر کو اپنوں نے مارا ہے، لوگ کہتے ہیں تم مہاجر ہو، تیرے بیٹے کو مقامی لوگوں نے قتل کیا ہے، میں کہتی ہوں، میں مہاجر نہیں ہوں، میں تو پاکستانی ہوں، کیا اپنے وطن میں بھی کوئی مہاجر ہوتا ہے؟ لیکن یہ بات طے ہے کہ میرے بیٹے کے قاتل پاکستانی نہیں، ہندوستان کے ہندو ہیں...... ہاں...... یہ کہہ سکتی ہوں کہ میرے بیٹے اور پوتے کے قتل میں پاکستان کے حکمرانوں اور سیاستدانوں کا ہاتھ بھی ہے، وہ اس طرح کہ ہمارے حکمرانوں کی نظر اپنے ملک اور سرحدوں پر ہو تو دشمن کا کوئی ایجنٹ ہمارے ملک میں یوں من مانی نہیں کر سکتا۔"

☆......☆......☆

اچھی بیوی کی صفات

اہل اللہ نے لکھا ہے کہ بیوی میں چار صفات ضرور ہونی چاہئیں، پہلی صفت اس کے چہرے پر حیا ہو، یہ بات بنیادی حیثیت رکھتی ہے کہ جس عورت کے چہرے پر حیا ہو، اس کا دل بھی حیا سے لبریز ہوگا، مثل مشہور ہے، چہرہ انسان کے دل کا آئینہ ہوتا ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے کہ مردوں میں بھی حیا بہتر ہے، مگر عورت میں بہترین ہے، دوسری صفت فرمائی، جس کی زبان میں شیرینی ہو، یعنی جو بولے تو کانوں میں رس گھولے، یہ نہ ہو کہ ہر وقت خاوند کو جلی کٹی سناتی رہے، یا بچوں کو بات بات پر جھڑکتی رہے، تیسری صفت یہ کہ اس کے دل میں نیکی ہو، چوتھی صفت یہ کہ اس کے ہاتھ کام کاج میں مصروف رہیں، یہ خوبیاں جس عورت میں ہوں، یقیناً وہ بہترین بیوی کی حیثیت سے زندگی گزار سکتی ہے۔

انتخاب:...... امامہ زینب، کمالیہ

خوابِ پریشان

ابرار احمد کاشر

27 اکتوبر کی صبح ہمارے لئے داستان کی اہمیت رکھتی ہے، جب میں گھر سے تیار ہو کر نکلا، میرے جسم پر خوبصورت لباس تھا، وہ کیسے میری شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے، تھری پیس سوٹ اور آنکھوں پر کالا چشمہ میری شخصیت میں افسانوی رنگ بھر دیتے تھے، ہاتھوں میں بریف کیس تھام کر جب گھر سے باہر نکلا تو گاؤں کا ہر آدمی مجھے اجنبی شخص کی طرح پہچاننے کی سعی کر رہا تھا، بریف کیس میں کیا تھا؟ تین ڈگریوں کے سوا پاسپورٹ کی کاپی اور اضافی فائلیں، جب میں سڑک پر پہنچا، تو میری فیملی کے علاوہ گاؤں کا ہر شخص الوداعی رسم کو پورا کرنے کے لئے سڑک تک میرے ساتھ آیا، میرے دل میں کچھ ٹوٹنے کی آواز سنائی دے رہی تھی، جیسے یہ سب کچھ میرے لئے نیا تھا، یہ آواز ایک انوکھی قسم کی آواز تھی، بڑی اداس، مضطرب قسم کی تھی، لیکن وقت کے ماروں کے لئے ایسی آوازیں سننا کہاں نصیب میں تھا، میرا دل اور میرے آگے بڑھنے والے قدم میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے، میرے خیالات ماضی کی خوشگوار یادوں میں گم ہو کر چلے گئے تھے، میری نظروں کے آگے ماضی کے سپنے بن کر میرا راستہ روک رہے تھے، آخر پھر میں ان خیالات سے نکل کر رک گیا، کیوں کہ میں اٹھارہ سال اسی مادر وطن کی درس گاہوں میں پڑھتا رہا تھا۔

میں ناکامی کی جنگ لڑنے والا انسان ہوں، میں ناکامی کو ہی ہتھیار بنا کر اور محنت کی بھٹی میں جلا کر اسے سونا بنانے کا عادی ہوں، یہ سبق میری ماں نے مجھے سکھایا ہے، آخر کار مسلسل کوشش کی سڑک پر چلتے چلتے منزل پر پہنچ جانا میرا مشغلہ تھا، بعض اوقات نصیب کی کڑیاں بھی انسان کا ساتھ چھوڑ جاتی ہیں، یہ باتیں تو دنیا سکھا دیتی ہے، دل میں آنسو کی صرصر کی آوازیں کسی کا انتظار اور ملاقات کے لئے بند کلی کی طرح خاموش تھیں، گھر والوں کی پریشانیاں اور نئے لوگوں میں گھر بنانے کے لئے اتنا سفر شاید میری نصیب کی چادر میں بندھی ہوئی داستان تھی، جب گاڑی پر بیٹھنے لگا، تو میری آخری نظر اس چہرے پر پڑی، یہ نئے سفر کو تکلیف پہنچانے میں اہم کردار ادا کرتی رہی، یہ چہرہ، سادہ لوح، مگر حسن کے پیمانوں میں ماپے ہوئے تول سے زیادہ چاند کے چلنے کی چال، کلیوں کا ہنس کر کھلنا اس کی محبت و فن کا اصول تھا، لہٰذا جاتے ہوئے یہ بات بھی

میری زندگی کا محفوظ حصہ بن گئی، جسے میں بھلانا شاید گوارا بھی نہیں کرتا تھا، ہمارے محلے میں لوگ لڑکیوں کی تعلیم پر، بہت کم توجہ دیتے ہیں، شاید کسی وڈیرے کی رسم جاتے وقت ہمارے گاؤں میں رسم کر گئی تھی، میں اس کو پسند نہیں کرتا، میں نے گھر گھر جا کر تعلیمی کیمپ لگانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔

28 اکتوبر کو میرے سفر کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے، جسے میں آرام دہ قرار دے سکتا ہوں، ایک بات کا مجھے بہت شوق تھا کہ ہوائی جہاز میں ایئر ہوسٹس سے انگریزی زبان میں بات کروں اور اس سے ایک کپ چائے مانگوں، یہ خواب تو پورا ہو گیا تھا، اب ہماری فلائٹ اترنے کو کچھ دیر تھی کہ میں نے ان سے اخلاقی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے پینسل مانگی، لیکن اس نے دینے سے انکار نہیں کیا تھا۔

اب میں شارجہ میں ہوں اور اس نئے شہر میں اپنے آپ کو کتنا تنہا محسوس کر رہا تھا، ماں کا پیار، باپ کی شفقت، بہنوں اور بھائیوں سے شام کے وقت میٹھی میٹھی باتیں کیا کرتا تھا، لیکن اب میں اس سے بالکل بے نیاز، نئے شہر، نئی دنیا اور نئی تمنائیں آخر اس چیز کو کہاں کامیاب ہونا تھا، رہائش گاہ کا انتظام تو ہو گیا تھا، وہاں جو کام کرنا تھا، وہ کیا تھا؟

ملازمت کی تلاش میں سرگرداں اجنبی شہر میں یہ اداس راہی کہاں کہاں بھٹک رہا تھا؟ آخر ایک اخباری اشتہار کی مدد سے ملازمت کی منزل پر پہنچ گیا، جب میں وہاں پہنچا تو گیٹ پر دو نوجوان لڑکیاں کھڑی تھیں، جو یقیناً محافظ تھیں، سلام دعا کے بعد ایک نے دوسری سے کہا کہ یہ باشعور اور سنجیدہ نوجوان دکھائی دیتا ہے، آخر کار اندر جانے کی اجازت مل ہی گئی، جب میں ایجوکیشنل آفیسر کے آفس میں پہنچا تو وہ شخص پاکستانی دکھائی دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سعودی عرب کا رہنے والا ہے، مجھے اس سے کیا غرض تھی؟ آفیسر نے سلام دعا کے بعد جب آنے کا مقصد پوچھا، تو میں بریف کیس سے درخواست نکالنے لگا، دوبارہ پوچھنے پر اپنا سارا مدعا تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور کوئی اسامی خالی ہونے پر ملازمت مانگی، جو یقیناً میری قسمت میں تھی اور انٹرویو میں شاندار کارکردگی پر مجھے اس آفس میں کلرک کے عہدے پر فائز کر دیا گیا، سارے اخراجات ان کے کھاتے میں تھے، ساری تنخواہ بچتی تھی، جو پاکستانی کم و بیش پینتیس ہزار روپے بنتی تھی، میرا جسم تو شارجہ کی رونق کا حصہ تھا، لیکن میری روح اپنے وطن میں تڑپ تڑپ کر تھپیڑے کھاتی تھی۔

وہ دن میری زندگی کا کتنا خوبصورت دن تھا، جب میں پہلی بار آفس جوائن کر رہا تھا، کیا بتاؤں، جب اس کرسی پر بیٹھا تو میرا دل کٹ گیا اور بے ہوشی کی حالت میں وہیں کرسی پر پڑا رہا۔ اس حادثے کی بڑی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ جو اس حادثے کا باعث بنی، وہ تھی ہمارے کلاس فیلو، میرے ہم دم، میرے ہم عمر دوست، جن کی زندگیاں صرف ڈگریوں اور تعلیمی پلندوں کے لئے تھی، مجھے بے روزگار نظر آتے تھے، اس سرکاری عمارات کے تمام ملازمین میرے حادثے پر حیران کن تبصرے کر رہے تھے، مجھے گھر سے آئے ہوئے دو سال گزر گئے، میں ہر تنخواہ اپنے ابو اور امی کے نام بھیجتا تھا، لیکن ماں باپ ایسی ہستیاں ہیں، جو دولت سے نہیں ملتیں، مجھے ان سے حد سے زیادہ پیار ہے، میرا اٹھنا بیٹھنا غریبوں کے ساتھ ہے، اب بھی غریبوں کے ساتھ بیٹھ کر مکئی کی روٹی کھانا میں نعمت سمجھتا ہوں اور بوڑھوں کی نصیحت آموز باتیں بڑے شوق سے سنتا ہوں، کبھی کبھی بابے عالم کے حقے کا کش مارنا نہیں بھولتا، غریبوں کے دکھ درد میں شریک ہو کر اپنے غم بھی کم کر لیتا ہوں۔ میں ہر چٹھی میں یہ لکھتا ہوں کہ ابا جان! میری کمائی ہوئی دولت سے ان لوگوں کو نہ بھولنا، جن کے چولہے بے روزگاری کے تیل اور

لکڑیوں کی وجہ سے نہیں جلتے، ان کا جرم صرف اتنا ہے کہ وہ منسٹر کی اولاد نہیں ہیں، بے شک وہ تعلیمی لحاظ سے میرٹ پر ہوں، اب مجھے گھر سے آئے ہوئے پانچ سال گزر گئے تھے، ابو اور امی کی ضد مجھے گھر پر آنے کے لئے تنگ کر رہی ہے، میری طبیعت میں کھلنڈرا پن نہیں ہے، میں ماں باپ کے اشاروں پر جاں نثار کرنے والا ہوں، میری امی اور ابو چٹھی پر ہر بار یہی بات لکھتے کہ کب گھر آؤ گے؟ مجھے یہ جملہ پرسکون رکھنے کے لئے اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

میں نے پورے یو اے ای کا دورہ کیا، میرے وطن کے نوجوان گزشتہ تین عشروں سے ادھر کام کر رہے ہیں، ہر کوئی ان کی محنت کا اعتراف کرتا تھا، بالآخر میرے آفسر نے مجھے چار ماہ کی چھٹی دے دی، جہاں میں ملازمت کرتا تھا، وہاں اسٹاف میں پاکستانیوں کی بہ نسبت بھارتی زیادہ تھے، جن کے ساتھ تعلقات بڑھانا اپنی توہین سمجھتا تھا۔

20 جون کو اسلام آباد ایئر پورٹ پر فلائٹ اترتی ہے اور میں باہر آتا ہوں، میرے پاس کم و بیش ایک گاڑی کا سامان تھا، جو گھر کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے لایا تھا، جب میں گھر پر پہنچا، تو دن کے چار بجے تھے، دھوپ کم تھی، جس کی وجہ سے گاؤں کا ہر آدمی مکئی کو گوڈی دے رہا تھا، وہ کام کو چھوڑ کر مجھ سے ملنے آئے، وہ چہرہ جو جاتے وقت میری زندگی کا ساز بن گیا تھا، وہ غائب تھا، امی اور ابو سے ملنے کے بعد تب میرا کام بہن بھائیوں کو شارجہ کے ماحول کے بارے میں خوبصورت باتیں بتاتا تھا، اب میری عمر 22 سال ہے، ابو اور امی کی خواہش تھی کہ اب اس کی شادی کر دینا چاہئے، میں اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے کبھی کبھار یہ بھی تو کہتا ہوں کہ ایک انسان کو اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرنا چاہئے، میں بھی اسی پیسے کو پیار کرتا تھا، بچپن کا وہ دور مجھے اچھی طرح یاد ہے، جب ہم پارک میں ابو اور امی کے ساتھ جایا کرتے تھے اور کھیل میں خوب فٹ بال کی طرح اس کے پیچھے بھاگا کرتا تھا، کبھی کبھی اس کی گڑیا کی ٹانگیں توڑ دیتا تھا، وہ بھی بہت شرارتیں کرتی تھی، جب میں اسٹڈی ٹیبل پر مطالعہ کرتا ہوتا تو مجھے ڈسٹرب کرتی تھی، یہ قصے تو ہوتے ہی رہتے ہیں، کبھی فرہاد اور شیریں، کبھی پنوں اور سسی اور کبھی ہیر اور رانجھا، یہ ماننے کی بات ہے کہ محبت ایک اندھی آندھی ہے، جس کے تھپیڑوں سے زمانہ کیا، انسان دل دے بیٹھتا ہے، یہ شادی میری مرضی کے خلاف تھی، میں اس کو حکم والدین سمجھ کر رضا مند ہو گیا، آگ اور پانی کو اکٹھا کرنا ناممکن تھا، سب کچھ اس لئے میں نے کیا کہ والدین کی ساری خوشیاں میرے انکار کی بندوق سے لہولہان نہ ہو جائیں، میں نے کسی کی زندگی اور محبت کو تباہ کر کے اپنے والدین کی خوشیوں کو تباہ ہونے سے بچالیا ہے، بات سچائی سے خالی نہیں کہ اس نے جس امید سے بھرپور صبر کے پیمانے پر کھڑے ہو کر محبت کے وعدے کئے تھے، وہ بجا تھے، لیکن ماں کی محبت کی خاطر میں زندگی کی ساری خوشیاں قربان کر سکتا ہوں، میری شادی کے بعد میری چھٹی بھی ختم ہو گئی تھی، میرے ماں باپ مجھے باہر نہیں بھیجنا چاہتے تھے، کیوں کہ میرے ابو کا کہنا تھا کہ اپنا کماؤ، اپنا کھاؤ، اپنے وطن میں رہو، باہر نہ جاؤ، اب میں فرم کے اسٹاف آفیسر کو خط لکھ دیتا کہ میں نہیں آسکتا، مجھے اس ملازمت سے اپنی بان کی چارپائی عزیز ہے جس پر میں گھاس کاٹنے کے بعد آرام کرتا ہوں، ہماری زمین کنالوں کے حساب سے ہے، مجھے اپنی ہی جھونپڑی سے محبت ہے، میں اس طرح سکون کے ساتھ سوتا ہوں، جس طرح کوئی گھوڑے بیچ کر سوتا ہے، اب میں مقامی اسکول میں ٹیچنگ کے شعبے سے منسلک ہوں اور ماں باپ کے ساتھ خوشحال زندگی بسر کر رہا ہوں، خود خوشحال ہوں اور ماں باپ کو شاد کر رہا ہوں۔

☆......☆......☆

ڈیپریشن کی حقیقی وجہ

مریم حسن



حقیقی خوشی اور دلی مسرت کیا ہے؟ خوشی کا اصل مفہوم کیا ہے؟ خوشی کا اصل منبع کیا ہے؟ یہ کہاں ملتی ہے؟ اور جب ایک بار ملتی ہے تو خوشی کے اس حسین احساس کو کس طرح برقرار رکھا جائے کہ وہ کون سا نکتہ ہے جو حاصل ہو جائے تو غم کبھی پاس نہ پھٹکنے پائے اور ہمیشہ خوش رہا جائے؟ میں نے جذباتی، نفسیاتی، اعصابی، جسمانی، معاشرتی و خاندانی، الغرض ہر حوالے سے اس کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے، لیکن ان تمام حوالوں سے ڈیپریشن کو سمجھنے کے بعد ایک مسلمان ہونے کے ناطے یہی بات سمجھ میں آئی ہے کہ دراصل اضطراب اور ڈیپریشن اللہ تعالیٰ سے دوری کی وجہ سے ہوتا ہے، البتہ دوری کی وجوہات مختلف ہو سکتی ہے۔ مثلاً:

(۱)......ایمان کی کمزوری، اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور نافرمانی۔

(۲)......اللہ سے شدید محبت میں کمی اور اللہ کے خوف میں کمی۔

(۳)......ذہنی انتشار۔

(۴)......حقائق زندگی سے مقابلہ اور نمٹنے کے بجائے راہ فرار اختیار کرنا۔

(۴)......تکلیف پر صبر اور مدافعت کرنے کے بجائے اپنی تکلیفوں کا دوسروں کے سامنے رونا اور گلہ شکوہ کرتے رہنا۔

(۶)......خود اعتمادی کا فقدان اور پست ہمتی۔

(۷)......غصہ و گرم مزاجی تنگ مزاجی اور چڑچڑا پن۔

(۸)......خوف خدا میں کمی کے باعث وہم میں مبتلا ہوکر خوف زدہ رہنا۔

(۱۰)......میکے اور سسرال کے تنازعات اور دیگر گھریلو مسائل جو دراصل ایمان کی کمزوری اور دین سے دوری سے پیدا ہوتے ہیں۔

اگر انسان کو اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور اس پر یقین ہو اور وہ راضی بہ رضا رہنے کے فن سے آشنا ہو، تب ہی دنیا اس کے لئے جنت بن سکتی ہے۔

مومن کی زندگی میں اضطراب اور ڈیپریشن نہیں ہوتا، لیکن آج ہمارا اللہ پر یقین اور بھروسہ کچا ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے زیادہ اسباب اور وسائل پر نظر رکھتے ہیں، اللہ رب العزت کو خوش کرنے کے بجائے لوگوں کو خوش کرنے کی فکر میں ہلکان ہورہے ہوتے ہیں، ہم نے اللہ تعالیٰ کا خوف چھوڑ کر لوگوں کا خوف دل میں بسالیا ہے، نتیجے میں دنیا کے تمام خوف ہماری ذات ناتواں کے ساتھ چپک گئے ہیں اور ہم مختلف قسم کے فوبیاز (خوف) اور اضطراب کا شکار ہوگئے ہیں، ہم نے خوف خدا اور غم آخرت دل میں بسانے کے بجائے دنیا کے بے شمار غم اپنے پیچھے لگالئے، دراصل زندگی گزارنا بھی ایک فن ہے، زندگی گزارنے کا فن، جینے کا ڈھنگ اور سلیقہ بھی سیکھنے سے آتا ہے اور ہم مسلمانوں کے لئے تو یہ سلیقہ سیکھنا بے حد آسان ہے کہ ہمارے سامنے ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اسوۂ کے طور پر کتابوں میں محفوظ ہے، ہم قرآن پاک اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کتب کا مطالعہ کرکے اپنی زندگیوں کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھال سکتے ہیں، لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات سے غافل رہتے ہیں اور اپنی زندگیوں کو اپنی مرضی کے مطابق یا دنیا کے رسم ورواج کے مطابق شروع کردیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں، آخرت کی جواب دہی سے غافل ہوجاتے ہیں، اس لئے ہمیں معلوم نہیں کہ غم آخرت بھی کوئی غم ہے۔

اور ہاں، ہماری تمام تر سوچیں، فکریں، رنج وغم صرف اسی دنیا تک محدود رہتے ہیں کہ یہاں ہماری زندگی کامیاب ہونی چاہئے، ہمارا گھر اور گاڑی شاندار ہونی چاہئے، فرنیچر بہترین ہونا چاہئے، چاہے اس میں اس کے لئے ہمیں سود میں ہی کیوں نہ ملوث ہونا پڑے، اس لئے تو ہم ''غم آخرت'' سے لاعلم اور فکر آخرت سے لاپرواہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم زندگی میں کٹی پتنگ کی طرح ڈولتے اور دنیاوی غموں کے سمندر میں ڈوبتے اضطراب اور ڈیپریشن کے اندھے غار میں جاگرتے ہیں، اضطراب اور ڈیپریشن، یعنی غم کیا ہے؟ یہ صرف وہ لوگ جان سکتے ہیں مکمل طور پر، جنہوں نے خود ذاتی طور پر ان کا تجربہ کیا ہو، ہمارے تمام تر دکھوں، تکلیفوں اور پریشانیوں کا سبب اپنے مالک حقیقی ''اللہ'' سے دور ہوجانا ہے، جو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے، اللہ سے دوری بہت گھاٹے کا سودا ثابت ہوتی ہے، جب انسان اللہ تعالیٰ سے دور ہوجاتا ہے تو پھر ہر چیز اس سے دور ہوجاتی ہے، محبت خلوص، ذہنی سکون ودلی خوشی سب کچھ اس سے چھن جاتا ہے، انسان کی اللہ سے دوری اسے نہ صرف دوسرے انسانوں سے بلکہ خود اپنے آپ سے بھی لاتعلق اور دور کردیتی ہے۔

''جس نے اللہ کو بھلادیا، اللہ نے اسے اپنے آپ سے غافل کردیا۔'' اس آیت کی عملی تفسیر آپ اور ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اللہ سے دور ہوجانے والے اللہ کو بھول جانے والے ذہنی انتشار کا شکار ہوکر ذہنی مریض، نفسیاتی مریض بن کر پاگل ہوجاتے ہیں، اس طرح ان کی دنیا وآخرت دونوں برباد ہوجاتی ہے، محبت الٰہی میں کمی اور اللہ سے دوری، جب ہم اللہ کو اپنا محبوب بنائیں گے اور حقیقی محبوب، اللہ ہمارا دلی دوست، مطلوب مقصود اور محبوب بن جائے گا، اور ہم اللہ کے سچے عاشق ہوں گے تو ہمارے اندر تسلیم ورضا کی کیفیت پیدا ہوگی۔

''اللہ کو بھول کر ہم سب کچھ بھول گئے۔ اللہ سے دور ہوکر ہم سب کچھ بھول گئے۔ اپنی شناخت بھی بھول گئے، ہم کون ہیں۔ ہم کہاں سے آئے ہیں اور ہمیں کہاں جانا ہے، ہماری منزل کون سی ہے، ہم کس راہ کے مسافر ہیں، ہماری جڑ و بنیاد کون سی ہے، ہمارے اسلاف کون تھے، ہم یہ سب کچھ بھول گئے، بس یہ یاد رہ گیا، مجھے دنیا کمانی ہے، مجھے آگے نکلنا ہے اور سب کو پیچھے چھوڑ جانا ہے۔ حالانکہ سب کچھ پیچھے چھوڑ کر ایک دن خالی ہاتھ نکل جانا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی تمام نافرمانیاں چھوڑ دینے کا عزم مصمم کرلیجئے، اگر آج آپ ذہنی دباؤ کا شکار ہیں تو بس ایک کام کیجئے، جو نہایت سادا اور آسان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ دیں اور اگر آپ بیک وقت ساری نافرمانیوں میں مبتلا ہیں تو سب کو بیک وقت چھوڑ دینا ناممکن ہے، کم از کم آج سے فیصلہ کرڈالیں کہ آپ آہستہ آہستہ کرکے اللہ تعالیٰ کی تمام نافرمانیاں چھوڑ دیں گے۔

دیکھئے، کسی کام کو شروع کرنا مشکل ہوتا ہے، نئی عادات اختیار کرنا بھی اتنا آسان کام نہیں، لیکن کسی بری عادت کو چھوڑ دینا بھی اتنا مشکل کام نہیں، بس آپ کے فیصلے اور قوت ارادی کی ضرورت ہے، باقی سارا کام از خود اللہ تعالیٰ کی مدد سے آسان ہوجاتا ہے، آپ اللہ کی نافرمانی چھوڑ کر تو دیکھیں، اللہ سے دوری خود بخود دور ہوجائے گی اور آپ خود کو اللہ کے بہت قریب محسوس کرنے لگیں گے، اللّٰہ حاضری و اللّٰہ ناظری واللّٰہ معی کا احساس جاگ جائے گا، آپ کے سارے پرابلمز خود دور ہوجائیں گے اور بھاگ جائیں گے، جس طرح روشنی جلانے سے اندھیرا بھاگ جاتا ہے، اسی طرح اللہ کی یاد کے شمع روشن ہوتے ہی شرک، وہم، وسوسوں کا اندھیرا دور ہوجاتا ہے اور اس کی جگہ اعتماد اور یقین وایمان کی روشنی پھیل جاتی ہے، اس روشنی میں سب کچھ صاف نظر آتا ہے، نظروں کی دھند چھٹ جاتی ہے اور دلوں کی سیاہی دور ہوجاتی ہے اور آج کل کیا ہوتا ہے، جب کوئی اداس ہوتا ہے تو فوراً میوزک سے دل بہلانے لگتا یا اداسی سے گھبرا کر ٹی وی کھول بیٹھ جاتا ہے، وہ اپنی اداسی کی اصل وجہ جاننے کے بغیر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو اختیار کرلیتا ہے، وقتی تفریح اور وقتی بہلاوؤں کو ہم ڈیپریشن کا علاج سمجھ لیتے ہیں، یہ حقیقت نہیں، بلکہ مرض بڑھانے کا سبب بنتے ہیں، روٹھ جانا بھی ڈیپریشن کی علامت ہیں، ان سے بچئے، اور ہمیشہ خوش رہیں، اس وقت آپ ڈیپریشن کو چھوڑیئے، صرف Mood Swing (روٹھ جانا) کو لیجئے، یہ بھی ڈیپریشن کی ہلکی قسم ہے اور ہم سے اکثر لوگوں کو لاحق ہوتی ہے کہ اچھے بھلے خوش، باش ہے، اچانک موڈ آف ہوگیا ہے، میرے عزیزو، یہ سب Anxiety, Depression Mi!d ،Disorder کی اقسام ہیں، خدارا! ان سے بھی پرہیز کیجئے، بالکل اسی طرح جیسے چھوٹی سی چنگاری سے بھی بچا جاتا ہے، یہ چھوٹی انگاری بڑی آگ کا سبب بن جاتی ہے، Mood Swings جو بڑی آہستگی کے ساتھ Depression کی طرف لے جاتے ہیں، ان سے ہر حال میں بچا جائے، ماہر نفسیات کہتے ہیں کہ Mood Swing کے دوران انسان کو چاہئے کہ سست ہونے کے بجائے خوب مصروف اور فعال ہوجائیں، تاکہ دھیان بٹ جائے، Anxious Energy (اضطرابی طاقت) کسی کام میں، Activity میں استعمال ہوجائیں، بجائے اس کے بلڈ پریشر بڑھائیں اور آپ کو مزید Anxious) اور Dep ressed کرے، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ خراب موڈ میں بستر میں سونا اضطراب ڈیپریشن میں اضافہ کرتا ہے۔

☆......☆......☆

خودکشی کے اسباب اور حل

سید امجد علی

درج ذیل تحریر میرے کلینک میں آئے خودکشی کے خواہش مند افراد سے گفتگو اور یا خودکشی کرنے والے افراد کے عزیز واقارب کی گفتگو پر مبنی اخذ کئے گئے نتائج سے مرتب کی گئی ہے۔ احکام الٰہی تو یہ ہے کہ ”اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، کچھ شک نہیں کہ کائنات تم پر مہربان ہے۔“ (القرآن، سورۃ النساء، آیت ۲۹)...... بزرگان دین یہ کہتے ہیں کہ زندگی اللہ تعالیٰ کی عنایت کردہ ایک امانت ہے، اسے نقصان پہنچانے اور یا ختم کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ آخر یہ بات عوام الناس کے ذہن نشین کرانے کی ذمہ داری کس کی ہے؟ جب کہ ایک طرف تو ہمارا معاشرہ اخلاق باختہ ہوا چلے جارہا ہو اور دوسری طرف ہمارا سماج اخلاقی تربیت اور معاشرتی آداب سے بے بہرہ ہوتا جارہا ہے، عالم دین مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں میں درس دینے تک محدود ہوکر رہ گئے ہیں، اساتذہ کرام کو اسکول کی ڈیوٹی کے علاوہ ٹیوشن پڑھانے سے فرصت نہیں اور والدین پیسہ کمانے کی مشین بن گئے ہیں، کئی جگہ کام کرکے تھکے ہوئے گھر آتے ہیں اور بچوں کی تربیت کے لئے ان کے پاس وقت نکالنا مشکل ہوجاتا ہے، مثلاً کئی مدرس ایک مدرسے میں پڑھاتے ہیں، کسی اور مسجد میں امامت نہیں کرتے اور کسی علاقے میں قرآن پڑھانے یا حفظ کراتے ہیں یا کسی اور مسجد کے جزوقتی مہتمم ہوتے ہیں، ایسے لوگ جن کے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے کماتے ہیں، انہی کو نظر انداز کررہے ہوتے ہیں، ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ ابھی سے سوچو، جب بچے بلوغیت کو پہنچیں تو ان کو علیحدہ سلاؤ اور کمرے میں وہ کھٹکا کرکے داخل ہوں، انہیں تربیت دو کہ کیسے گھر یا کمرے میں داخل ہونا ہے، یہاں تو پیدا کرکے سڑکوں پر کھیلنے اور تربیت کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے، کیونکہ ان کے علیحدہ سونے کا انتظام کا سوچا ہی نہیں جاتا، اگر ہم اسلامی تعلیمات کو سمجھ کر ان پر عمل کرنے کے لئے سنجیدہ ہیں اور ہم معاشرے کو جنگل کا قانون بننے اور اپنی من مانی کرنے سے بچانا چاہتے ہیں تو ہم سب کو ایثار اور قربانی کے جذبے کے تحت اپنے اوقات میں سے کچھ وقت اولاد اور شاگردوں کے تربیت کے لئے نکالنا ہوگا، اس سلسلے میں بچوں کو تربیت دینے والی احکام الٰہی پر مبنی مذہبی اور دنیاوی کتب سے استفادہ کرنا ہوگا اور کردار اور رویوں سے اس امر کو نمایاں کرنا ہوگا ورنہ ہم سب یوم حساب اپنی

کوتاہی پر جواب دہ ہوں گے۔

اس مسئلے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق سادہ کھانا چھوڑ دیا ہے، سادہ لباس پہننا ترک کردیا ہے اور تعیش طرز رہائش کو اپنالیا ہے، دوسرے لفظوں میں قناعت اور سادگی کو بھول کر فیشن اور دکھاوے کو مغربی نچلے طبقے کے رہن سہن اور پکے پکائے کھانوں کو اپنا شعار بنالیا ہے اور حریص ہوگئے ہیں، یہ بھول گئے ہیں کہ قبر کی مٹی تک پہنچتے ہوئے بھی حرص کے جذبے کی تکمیل ناممکن ہے۔

عوام الناس ایک طرف تو دین کی تعلیم میں صحیح سمت میں لگن اور مگن ہوکر کام میں محنت کرنے کے بعد نتائج کو قبول کرتے ہوئے قناعت کے تصور سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے اس پر عمل ہی نہیں کرپاتے، تب ہی محرومی، نا امیدی، تکلیف دہ بیماری یا غربت کے باعث زندگی بوجھ محسوس ہو، تب متعلقہ فرد شدید یاسیت، ڈیپریشن میں چلا جاتا ہے، یہ کیفیت درست سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو ختم کردیتی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ دنیا سے اس کے جانے کے بعد باقی افراد کے مسائل کم ہوجائیں گے، اسے اپنی یہ سوچ درست لگتی ہے، یہی علامت یاسیت کے مرض، ڈیپریشن کے علاوہ دماغی بیماریوں مثلاً سائی کوٹک اور شیزوفرینہ میں بھی پائی جاتی ہیں، ان کے ذہن کو متناسب رکھنے والے محلول کا تناسب دماغ میں بگڑ جاتا ہے، ان کے پاس اپنی زندگی ختم کرنے کے لئے دنیاوی دلیلیں موجود ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ایسے افراد معاشرے کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، اپنی زندگی ختم کرنے کے علاوہ دوسروں کی جان لینے سے بھی نہیں کتراتے ہیں، خودکشی کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو کہ دیہات یا قصبوں یا چھوٹے شہروں سے آکر بڑے شہروں میں آباد ہوجاتے ہیں، شہر کی زندگی ان کی اور ان کے بچوں کی آنکھیں چندھیا دیتی ہے، وہ اسلام میں محنت کی عظمت سے بے بہرہ ہوتے ہیں، اسی لئے یہ سب کچھ چند ماہ میں حاصل کرنا چاہتے ہیں، انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہوپاتا کہ رب کائنات کے فضل سے یہ سب کچھ کئی نسلوں یا ایک نسل کے بہت سارے افراد کی دن رات کی محنت کا ثمر ہوتا ہے، نتیجتاً نئے منتقل ہوئے وہ افراد جنہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت، فضل، صحیح سمت میں محنت اور قناعت کا درست تصور نہیں ہوتا اور حقیقی اسلامی تعلیمات سے نابلد ہوتے ہیں وہ یاسیت کا یا دیگر ذہنی امراض کا شکار ہوکر اپنی اور اپنے خاندان والوں کی جان لے لیتے ہیں۔

اس کی چند نمایاں وجوہات میں بے جوڑ کی شادیاں ہیں، ۱۸ سال کی لڑکی کو ۴۰ سال سے زائد ذی استطاعت فرد سے بیاہ دیا جاتا ہے، دونوں کے جذبات میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، مرد بے وجہ بھی شکی ہوجاتے ہیں، نوعمری کی انٹکلیاں انہیں سمجھ نہیں آتیں اور ان والدین کے بچے جو اپنے عیش وآرام کے لئے بچوں کو اسکول یا مدرسوں کے ہوسٹل میں ڈال دیتے ہیں یا ان والدین کے بچے جو اپنی کمائی کے لئے ہی مصروف رہتے ہیں اور بچوں کو وقت نہیں دے پاتے، یا وہ بچے جو رات بھر جاگتے ہوئے، اپنا سکون حاصل کرنے کے لئے مختلف ”کھیلوں“ یا تفریح میں یا کمپیوٹر کے سامنے وقت گزرتے ہیں، ایسے بچے بچیاں بچپن میں ہی وہ کچھ جان چکے ہوتے ہیں جس کی ضرورت انہیں بالغ ہونے کے بعد پڑتی ہے، ایسے بچے بڑے ہوکر اپنی دنیاوی منزل حاصل کرنے کے لئے ہر اس طریقے کو اپنانے سے گریز نہیں کرتے جسے ہر مذہب نے برا کہا ہے، مزید برآں ان حالت میں پلے افراد میں مختلف درجے کی قوت اعتمادی کا فقدان ہوتا ہے، یہ ذہنی الجھنوں میں جلد اور زیادہ مبتلا ہوتے ہیں، یہ آس پاس عزیز واقارب دوست واحباب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے عزیز یا ساتھی یا اولاد کی ان کیفیات کو محسوس کریں، انہیں چاہئے

کہ اپنے طور پر متعلقہ شخص کو ادویاتی اور نفسیاتی علاج کے لئے قائل کریں، اپنے تعلق کے ناطے سے ان کا علاج کروائیں، تکالیف اور بیماریاں تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں، مگر دعا کے ساتھ علاج بطور اسباب کرانا سنت ہے، ویسے تو تکلیف کی شروعات میں قائل کرنے کے لئے یہ کہنا کافی ہوتا ہے، کمزور اعصاب کے لئے موثر ادویات موجود ہیں، بہت سے افراد کے اعصاب ان ادویات کے استعمال اور رب کریم کے فضل سے فعال اور مضبوط ہوگئے اور وہ اب مکمل طور پر صحت مند ہیں، اس کے ساتھ ماہر مشاورت یا کلینیکل سائیکالوجسٹ گڈمڈ سوچ کو سلجھانے میں ممد و معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں، ان سے بھی رجوع کیا جاسکتا ہے، ایسی خدمات اسپتالوں میں اور یونیورسٹیوں، جامعات کے شعبہ میڈیکل سوشل ورک یا شعبہ سوشل ٹیکنالوجی یا شعبہ سماجی بہبود اور یونیورسٹیوں کے شعبہ کلینیکل سائیکالوجی میں مفت یا معمولی سے معاوضے پر فراہم کی جاتی ہیں، انہیں وہاں رجوع کرکے، ان سہولتوں سے استفادہ کرنا چاہئے۔

ایسے افراد بہت جذباتی ہوتے ہیں، اگر انہیں یہ حساس ہو کہ انہیں کوئی نہیں چاہتا تو جذبات میں آتے ہیں، اپنی زندگی ختم کرلیتے ہیں، میں نے یہ فقرہ بچوں سے کئی بار سنا کہ ہمارے والدین داخل کرکے ہمیں بھول ہی گئے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ گھر کے ہر فرد کو اور خاص طور پر ہوسٹلوں میں داخل بچوں کو یہ احساس دلانا چاہئے کہ سب گھر والے اسے چاہتے ہیں، وہ گھر کا اسی طرح ایک اہم فرد ہے، جیسے کہ دوسرے افراد بس فرق صرف اتنا ہے کہ ہر ایک کی ذمہ داری اور فرائض مختلف ہیں، ہر فرد کو اس کی صلاحیت کے مطابق گھر کے کام کاج کی کچھ ذمہ داری دی جانی چاہئے، کچھ کام باہمی مشورے اور ساتھ مل کر بھی کئے جانے سے آپس کی محبت بڑھتی ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تب ذہنی الجھن کا شکار عموماً تمباکو والے پان یا نسوار یا تمباکو یا گٹکے یا دیگر نشے کا سہارا لیتے ہیں، یا مخرب الاخلاق ذرائع اختیار کرتے ہوئے اپنے خاندان کے لئے سامان تعیش خریدتے ہیں،

ایک واقعہ جس کا ایک بار پہلے ذکر کرچکا ہوں، سبق آموز ہے، ایک اٹھارہ سالہ لڑکی بہت ہی نمکین اور چمکدار، ان پڑھ ایک ہی مالدار کے گھرانے کی ملازمہ میرے پاس علاج کے لئے آیا کرتی تھی، مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آیا کہ میں نے علاج سے غیر متعلقہ سوال اس سے کیوں پوچھ لیا، شاید اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی ہوگی، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا اس کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ بھی کسی دولت مند کی بیگم ہوتی؟ سوال تو غیر ارادی طور پر منہ سے نکل گیا تھا اور میں اسی وقت شرمندگی محسوس کررہا تھا اور آج تک اس بات پر شرمندہ ہوں، اس سانولی حسین و جمیل ملازمہ نے مجھے سر سے پاؤں اور پاؤں سے سر تک کئی بار دیکھا، پھر وہ گویا ہوئی کہ آپ جیسے ظاہراً دین دار معالج سے ایسے سوال کی توقع نہیں تھی، اب آپ نے پوچھ ہی لیا ہے تو سن بھی لیجئے، اس کا گھر ایسی ٹین کی چادروں کا بنا ہوا ہے جو کہ نہ سردی، گرمی اور نہ موسلا دھار بارش سے اس کے مکینوں کو مکمل طور پر بچا سکتا ہے، اس بات سے آپ کے گھر کے اندر کے سامان کا خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے پاس کیا ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم سب گھر والوں کے پاس ایمان کی بہت بڑی دولت ہے، گھر کا ہر فرد کسی نہ کسی کے گھر کا ملازم ہے، گھریلو ملازموں کو سب سے کم تنخواہ ملتی ہے، ہر سرکاری قانون اس میں اضافہ کرنے میں ناکام رہا ہے لیکن ہم سب افراد اپنے کام کو مذہبی فریضہ سمجھ کر نہایت ایمانداری، خلوص اور لگن سے کرتے ہیں، ہمیں یقین کامل ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں اس ایماندارانہ محنت کے سبب بخش دے اور جنت میں اعلیٰ مقام دے گا اور عین ممکن ہے کہ امیر حضرات خواتین کو دوسروں کا حق مارنے، ان کا پسینہ

خشک ہونے سے پہلے معاوضہ نہ دینے پر بعد کی زندگی میں انہیں وہ مقام نہ مل سکے جو کہ ان شاء اللہ تعالیٰ رب کائنات کے فضل سے ہمیں مل جائے گا، اگر دولت ہی سب کچھ ہوتی تو کیوں دنیا بھر میں امیروں کے بچے اور امیر لوگ سب سے زیادہ خودکشی کرتے ہیں۔

اکثر خودکشی کرنے والے افراد ان عوامل کے علاوہ جن کا ذکر کیا جاچکا ہے ایک کمرے کے گھر ہونے، بچوں کی تعداد زیادہ، آمدنی کم، گھریلو جھگڑوں کی وجہ سے خودکشی کا سوچتے ہیں اور کرلیتے ہیں ایسے ماحول میں پلے بچوں میں تربیت کا فقدان ہوتا ہے، اگر ان میں خودکشی کا رجحان ہوتا ہے اور یہ جرائم پیشہ افراد کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں، ان میں نماز روزے کے پابند افراد و خواتین بھی شامل ہیں، اصل بات یہ ہے کہ ان تک اسلام کی حقیقی تعلیم نہیں پہنچی ہوتی، یا وہ اسے سمجھنے سے قاصر رہے ہوتے ہیں، وہ صرف روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ کو ہی اسلام سمجھے ہوئے ہوتے ہیں جبکہ یہ تو صرف اسلام کی بنیاد ہیں، اسلام تو اس سے کہیں آگے تک ہے، اسلام تو قرآن حکیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال یعنی احادیث مبارکہ کو پڑھنے انہیں سمجھنے اور ان پر پورا پورا عمل کرنے کا تقاضا کرتا ہے، ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم سب دنیا میں خالی ہاتھ آتے ہیں اور یہاں سے خالی ہاتھ ہی جائیں گے، سفر آخرت کی راہ میں سوائے ہمارے اپنے نیک اعمال کے کچھ اور ساتھ نہیں جاتا، یہی وہاں کام آئیں گے۔

ایک اور زاویہ یہ بھی ہے کہ میرے خیال میں ہمارے ہاں کا بجٹ 80 فیصد عوام الناس کے حالات بہتر بنانے کے لئے نہیں بلکہ 20 سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور مختلف مافیا کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے اور انہیں مزید امیر سے امیر تر بنانے کے لئے ترتیب و تشکیل دیا جاتا ہے، اگر اس بجٹ میں اسلامی طریقے پر فوری طور پر جلد اور سستا انصاف فراہم کرنے، فنی تعلیم، خود انحصاری اور روزگار کی فراہمی کے لئے ٹھوس اقدامات کے لئے رقم نہیں رکھی گئی تو ارباب حل و عقد یہ نہ بھولیں کہ وہ ذہنی انتشار میں مبتلا افراد کا نشانہ بن سکتے ہیں، پاکستان کے بجٹ کا ایک معقول حصہ ان افراد پر خرچ کیا جانا چاہئے جو کہ معاشرے کے لئے مستقل خطرہ ہیں، ان میں سے کئی تو اونچے ایوانوں اور ارباب حل و عقد کے مرابت تک پہنچ جاتے ہیں، یہ افراد ظاہری طور پر تندرست نظر آتے ہیں مگر ایک قسم کی دماغی اور ذہنی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں، انہیں سائی کو پیتھ کہا جاتا ہے، یہ افراد اپنے آپ کو درست اور دوسروں کو غلط سمجھتے ہیں، یہ نفس کے اور شیطان کے نرغے میں رہتے ہیں، انہیں تنگدستی کا خوف کھائے جاتا ہے اور یہ دوسروں کو تنگدستی کا خوف دلاتے ہیں، خود بھی بے حیائی اور معاشرے کے لئے نقصان دہ کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی ان کاموں کو کرنے کے لئے مختلف ذرائع استعمال کرتے ہوئے اکساتے ہیں۔

اگر یہی حالات رہے تو خودکشیوں کی تعداد بڑھے گی اور خودکش حملے بھی بڑھیں گے، میرا خیال ہے کہ یہ خودکش حملے صدر، وزیروں یا ججوں یا تخریب کار نہیں کرتے بلکہ قانون کے ستائے ہوئے وہ افراد بھی کرتے ہیں جنہیں انصاف نہیں ملتا، جب مجھ جیسے فرد کو پاکستان کی کوئی شخصیت یا عدالت انصاف نہیں دلاسکی تو ایک غریب فرد اس نظام سے یا اس بجٹ سے کسی تبدیلی کی امید نہیں رکھ سکتا، جب کبھی بھی ایسے افراد پر گھریلو حالات کا دباؤ بڑھتا ہے اور ان کی ذہنی صحت متاثر ہوتی ہے تو وہ نظام چلانے والوں کے خلاف خودکش بننے کو تیار ہوجاتے ہیں، ہمارے بجٹ میں فنی تعلیم اور روزگار کی فراہمی کے لئے معقول رقم نہیں رکھی جاتی تو ارباب حل و عقد ذہنی انتشار میں مبتلا افراد کا نشانہ بن سکتے ہیں، شاید مجھ جیسا فرد بھی ذہنی انتشار ہونے پر خودکش بن سکتا ہے۔

☆......☆......☆

عیادت کے آداب

احادیث نبویہ کی روشنی میں

ڈاکٹر احسان علی

ترجمہ: ”حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مریض کے پاس (اس کا حال پوچھنے کے لئے جاؤ تو اس کی زندگی کے بارے میں اس کا غم دور کرو)، (یعنی تسلی و تشفی دو کہ فکر و غم نہ کرو تم جلد ہی صحت یاب ہو جاؤ گے اور تمہاری عمر دراز ہوگی) اس لئے کہ یہ (تسلی و تشفی اگرچہ) کسی چیز کو (یعنی مقدر کے لکھے کو) ٹال نہیں سکتی (مگر) مریض کا دل (ضرور) خوش کر دیتی ہے۔“ (ترجمہ: رواہ الترمذی و ابن ماجہ و قال الترمذی ہذا حدیث غریب)

مریض سے اپنے لئے دعا کراؤ:...... ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم بیمار کے پاس جاؤ تو اس سے کہو کہ تمہارے لئے دعا کرے، کیونکہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔“

مریض کے پاس شور نہ کرنا چاہئے:...... ترجمہ: ”حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عیادت کے وقت مریض کے پاس کم بیٹھنا اور شور نہ کرنا سنت ہے، چنانچہ (مرض وفات کے موقع پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جب کہ صحابہؓ کا شور و غل اور اختلاف زیادہ ہوا تو فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ کھڑے ہو۔“ (رواہ رزین)

فائدہ:...... حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ عیادت کے آداب سے ایک ادب یہ ہےکہ مریض کے پاس عیادت کے وقت صرف اتنا عرصہ بیٹھنا چاہئے جس میں بیمار کی مزاج پرسی اور اس کے حالات و کیفیات کا علم ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے آخری ایام میں جب مرض میں مبتلا ہوئے اور وصال کا وقت قریب آیا تو اس موقع پر جب کہ آپ کے پاس بہت زیادہ لوگ جمع تھے تو آپ نے فرمایا کہ ”دوات قلم لاؤ میں تمہارے لئے کچھ وصیت نامہ لکھے دیتا ہوں تاکہ تم میرے بعد گمراہی میں مبتلا نہ ہو“ یہ سن کر حاضرین میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں، غرض اس معاملے میں جب بحث و مباحثہ زیادہ بڑھا اور لوگوں کے اظہار رائے نے شور و غل کی صورت اختیار کر لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم سب لوگ میرے پاس سے اٹھ کھڑے ہو۔“

عیادت کے وقت مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھیں:...... ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اصل عیادت اونٹنی کے دو مرتبہ دوہنے کے درمیانی وقفے کے بقدر ہے اور حضرت سعید بن المسیب کی روایت جو بطریق ارسال منقول ہے، یہ الفاظ ہیں کہ ”بہترین عیادت وہی ہے جس میں عیادت کرنے والا جلد کھڑا ہو۔“ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

فائدہ:...... ہاں اگر کوئی عیادت کرنے والا یہ جانے کہ بیمار پر اس کا زیادہ دیر تک بیٹھنا گراں نہیں گزر رہا ہے بلکہ دوست ہونے کی حیثیت سے یا برکت حاصل کرنے کی غرض سے یا خدمت و دلداری کی وجہ سے مریض کی خود خواہش ہے کہ وہ اس کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھے تو اس صورت میں مریض کے پاس سے جلدی اٹھ کھڑی ہونا افضل نہیں ہوگا۔

مریض کے حال کی اطلاع دینے کا طریقہ:......

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ (جب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر باہر تشریف لائے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ ابوالحسن (یہ حضرت علیؓ کی کنیت تھی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صبح کیسی گزری، انہوں نے فرمایا: خدا کا شکر ہے آپ نے بیماری سے اچھے ہونے والے کی طرح صبح گزاری (یعنی شکر ہے آج آپ اچھے ہیں)۔“

فائدہ:...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب دینے کا مطلب قریب بصحت ہونے کا یا تو ان کے اپنے گمان کے مطابق تھا یا پھر یہ کہ حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی شدت کے احساس اور صحت سے مایوسی کے باوجود یہ جواب نیک فال کے طور پر دیا۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ جب کسی تیماردار سے مریض کا حال پوچھا جائے، تو اگرچہ بیماری کی حالت میں وہ مایوس کن ہو، امید افزا اور خوش کن جواب دینا چاہئے۔

عیادت کا مفہوم:...... ”عیادت“ کے متعلق یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورے میں عیادت کا مطلب صرف بیمار پرسی (یعنی مریض کا حال دریافت کرنا) سمجھا جاتا ہے لیکن عربی زبان میں اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے اور بیمار پرسی اور خبر گیری کے علاوہ تیمار داری بھی اس مفہوم میں شامل ہے، اس لئے اس حدیث میں مریضوں کی عیادت کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب صرف بیمار پرسی ہی نہیں بلکہ تیمار داری اور حسب استطاعت دوا علاج کی فکر بھی اس میں شامل ہے۔

عیادت عبادت ہے:...... شریعت میں وضو یا تو نماز پڑھنے کے لئے کیا جاتا ہے یا تلاوت کلام پاک کے لئے، اس کے علاوہ کسی اور عمل کے لئے مسنون نہیں، لیکن مریض کی عیادت کے واسطے جانے کے لئے وضو کرنا سنت ہے۔

ترجمہ: ”حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے وضو کیا اور اچھا (یعنی پورا) وضو کیا اور پھر (حصول) ثواب کے ارادے سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی تو اس کو دوزخ سے ستر برس (کی مسافت) کے بقدر دور کر دیا جاتا ہے۔“ (رواہ ابوداؤد)

فائدہ:...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیادت کے لئے وضو کرنا سنت ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ چونکہ عیادت عبادت ہے اور وضو سے ہی عبادت کامل و افضل ہوتی ہے، نیز علماء لکھتے ہیں کہ اگر باوضو دعا کی جائے تو قبول ہونے کی امید زیادہ ہوگی۔

ترجمہ: ”حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مسلمان (دوسرے بیماری) مسلمان کی دن کے پہلے حصے میں (یعنی دوسرے پہر سے پہلے پہلے) عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام ہونے تک اس کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور جو مسلمان رات میں (یعنی غروب آفتاب کے بعد) عیادت کرتا

ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے صبح ہونے تک رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور بہشت میں اس کے لئے باغ مقرر کردیا جاتا ہے۔" (رواہ الترمذی وابوداؤد)

عیادت کے لئے پیدل جانا افضل ہے:...... ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص بیمار کی عیادت کرتا ہے تو ایک پکارنے والا (یعنی فرشتہ) آسمان سے پکار کر کہتا ہے کہ تیرے لئے دنیا اور آخرت میں بھلائی ہو اور تیرا چلنا (عیادت کے لئے) مبارک ہو اور تجھے جنت میں اعلیٰ مقام ملے۔" (رواہ ابن ماجہ)

فائدہ:...... اصل مقصد تو عیادت کے لئے مریض کے پاس پہنچنا ہے، خواہ کسی بھی طرح کسی بھی ذریعہ سے پہنچا جائے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرح اشارہ ہے کہ عیادت کیلئے پیدل جانا افضل ہے۔

عیادت کرنے والے کی سعادت:...... ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو جب تک وہ بیٹھا نہیں، دریائے رحمت میں داخل رہتا ہے اور جب بیمار کے پاس بیٹھتا ہے تو دریائے رحمت میں غوطہ لگا دیتا ہے۔" (رواہ مالک واحمد)

بیمار کی عیادت کرنی چاہئے:...... ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازہ کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، چھینکنے والے کا جواب دینا۔" (متفق علیہ)

ترجمہ: "حضرت ابوموسیٰ اشعریٰ رضی اللہ عنہ سے رویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھوکے (مضطر و مسکین اور فقیر) کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو اور قیدی کو دشمن کی قید سے چھڑاؤ۔" (رواہ البخاری)

فائدہ:...... اس حدیث میں تین باتوں کا جو حکم دیا جارہا ہے یہ (وجوب علی الکفایہ) کے طور پر ہے، جس کا مطلب ہے کہ اگر ایک شخص بھی ان احکامات کو پورا کرے تو بقیہ دوسرے لوگوں کے لئے پورا کرنا ضروری نہیں ہے، تاہم سب کے لئے ان احکامات پر عمل کرنا سنت اور باعث ثواب ضرور ہے، ہاں اگر کوئی بھی شخص ان احکامات کو پورا نہ کرے تو پھر سب نافرمانی کے گناہ میں مبتلا ہوں گے۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ بھوکے کو اس صورت میں کھانا کھلانا سنت ہے جب کہ وہ حالت اضطرار میں نہ ہو (یعنی اس بھوک کی یہ کیفیت نہ ہو کہ اگر اسے کھانا نہ کھلایا گیا تو مرجائے) مگر اس صورت میں اسے کھانا کھلانا فرض ہے جب وہ حالت اضطرار کو پہنچ گیا ہو، ایسے ہی اس بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی سنت ہے جس کا کوئی خبر گیر اور تیمار دار ہو اور اس کی عیادت اور مزاج پرسی واجب ہے جس کا کوئی خبر گیر و تیمار دار نہ ہو۔

مصیبت زدہ کی تعزیت اور ہمدردی کا اجر:......

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کیلئے مصیبت زدہ کا سا ہی اجر ہے۔" (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

فائدہ:...... موت یا کسی اور شدید حادثہ کے وقت مصیبت زدہ کو تسلی دینا اور اس کے ساتھ اظہار ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرنا بلاشبہ مکارم اخلاق میں سے ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔

عیادت کی اہمیت:...... ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز (بندہ سے) فرمائے گا، اے ابن آدم! میں بیمار ہوا اور تم نے میری عیادت نہیں کی، بندہ عرض کرے گا، اے میرے رب! میں

عیادت کس طرح کرتا کہ تو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (اور بیمار سے پاک ہے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا؟ اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی تھی، کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر اس بیمار بندے کی عیادت کرتا تو مجھے (یعنی میری رضا) اس کے پاس پاتا (پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا) اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا اور تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا؟ بندہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں تجھے کھانا کس طرح کھلاتا تو تو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تجھے یاد نہیں کہ تجھ سے میرے فلاں بندہ نے کھانا مانگا تھا اور تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا، کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اسے (یعنی اس کے ثواب کو) میرے پاس پاتا۔ (پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا) اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے مجھے پانی نہیں پلایا؟ بندہ عرض کرے گا، اے میرے رب! میں تجھے پانی کس طرح پلاتا؟ تو تو سب جہانوں کا پروردگار ہے (تجھے نہ پانی پینے کی ضرورت ہے نہ کسی دوسری چیز کی حاجت) اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تجھ سے میرے فلاں بندہ نے پانی مانگا اور تو نے اسے پانی نہیں پلایا کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اسے پانی پلاتا تو اسے (یعنی اس کے ثواب کو) میرے پاس پاتا۔" (رواہ مسلم)

فائدہ:...... حدیث میں ذکر کی گئی تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت یعنی عیادت کرنے اور بعد کی دونوں صورتوں کا یہ فرق ملاحظہ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مریض کی عیادت کے بارے میں تو یہ فرمائے گا کہ اگر تو مریض کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا جبکہ کھانا کھلانے اور پانی پلانے کے بارے میں فرمائے گا کہ اگر تو کھانا کھلاتا یا یہ کہ اگر پانی پلاتا تو اس کے ثواب کو میرے پاس پاتا، اس سے معلوم ہوا کہ مریض کی عیادت کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانے اور پیاسے کو پانی پلانے سے بھی افضل ہے۔

کثرتِ ذکر کرنے کا طریقہ

فرمایا کہ کثرتِ کا طریقہ یہ ہے کہ چلتے پھرتے لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے رہو، کام کے وقت زبان سے کسی قدر جہر کرتے رہو کہ یاد رہے اور خالی وقت میں تسبیح ہاتھ میں رکھو، یہ مذکرہ ہے، اس سے ذکر یاد رہتا ہے۔

☆......☆......☆

اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی ترکیب

عسر (تنگ دستی) کی شکایت سن کر فرمایا کہ یہ انبیاء کی سنت ہے، رزق جتنا مقدر میں ہوتا ہے، اتنا ہی ملتا ہے، اس کا کوئی خاص وظیفہ نہیں، ہاں دعا کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ سکون دے دیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھ جاتا ہے، پھر پریشانی نہیں ہوتی اور تعلق پیدا کرنے کی سب سے بڑی ترکیب یہ ہے کہ خوب مانگا کریں۔

☆......☆......☆

دعوتِ دین اور حکمت

مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ نے دیکھا کہ ایک پہلوان مسجد میں آیا اور غسل کرنا چاہتا تھا، مؤذن نے اس کو ڈانٹا اور کہا کہ "نہ نماز کے، نہ روزے کے، مسجد میں نہانے کے لئے آجاتے ہو۔" مولانا کاندھلویؒ نے مؤذن کو روکا اور فوراً اس کے نہانے کے لئے پانی بھرنے لگے اور اس سے فرمایا: "ماشاءاللہ! تم تو بڑے پہلوان معلوم ہوتے ہو! ویسے تو بہت زور کرتے ہو۔ ذرا نفس کے معاملے میں بھی زور کیا کرو...... نفس کو دبایا کرو اور ہمت کرکے نماز پڑھا کرو، پہلوانی تو یہ ہے" اتنا سنا تھا کہ وہ شخص شرم سے پانی پانی ہوگیا اور اس نرم گفتگو کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت سے نمازی ہوگیا۔ (یادگار ملاقاتیں)

(انتخاب:...... مہوش فیصل، نارتھ کراچی)

"حجامہ" سنت طریقہ علاج

قدیم طریقہ علاج جدید سہولتوں کے ساتھ



حجامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم وصیت ہے، آپ نے حجامہ سے علاج کرانے کی نصیحت کی اور بے شک حجامہ کنز وخزانہ نبوی میں سے ہے اور یہ آپ صلعم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

حجامہ لگوانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلعم کی سنت ہے اور ایک بہترین علاج بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حجامہ لگوایا اور دوسروں کو اس کے لگوانے کی ترغیب بھی دی۔

یہ تحفہ معراج بھی ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے تو فرشتوں نے ان سے عرض کیا کہ آپ اپنی امت سے کہیں کہ وہ حجامہ سے علاج کروائیں۔

حجامہ ایک قدیم ومفید علاج ہے، اس کے کوئی مضر اثرات نہیں ہے۔ یہ عرب ملکوں اور جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں اور سوریا، قطر، سعودیہ وغیرہ میں رائج ہے اور چین کا قومی علاج ہے وہاں پورے ملک میں اسی سے علاج کیا جاتا ہے۔

حجامہ:......لغت میں اس کے معنی پکڑنے کے ہیں پھر یہ فاسد خون پکڑ کر جسم سے نکالنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

یعنی حجامہ (پچھنا لگوانا) انسانی جسم میں سے فاسد مادہ کو نکالنا جو بیماروں کا سبب ہوتا ہے۔

حجامہ کی تاریخ :...... حجامہ مختلف قوموں میں ہزاروں سالوں سے معروف رہا لوگ اس کے ذریعے بہت سی بیماریوں کا علاج کرتے تھے، حجامہ کی مختلف تصویریں وعلامات مصریوں کے دربار میں پائی جاتی تھیں وہ مختلف طریقوں سے حجامہ کرتے تھے بعض لوگ سینگ کے ذریعے حجامہ کرتے تھے اس کا نام علاج بالقرن (Horu Thropy) رکھا تھا اور رومی اور یونانی لوگ شیشے کے گلاس کے ذریعے علاج کرتے تھے اور ہندوستان کے لوگ جونک کے کیڑے کے ذریعے علاج کرتے تھے اور آج کل حجامہ شیشوں کے گلاس اور جدید آلات کے ذریعے کیا جاتا ہے جو کہ صرف ایک بار استعمال ہوتے ہیں۔

حدیث نبوی کی روشنی میں:...... حضرت ابن عباسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شفاء تین چیزوں میں ہے:

(۱)...... حجامہ کے ذریعے کٹ لگوانے میں۔

(۲)...... شہد کے استعمال میں۔

(۳)...... آگ سے داغنے سے، تاہم میں اپنی امت کو آگ کے داغنے سے روکتا ہوں۔ (البخاری الطبر ۵۸۷۱)

☆...... حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول نے فرمایا: سب سے بہترین دوا جس سے تم علاج کرو وہ حجامہ لگوانا ہے۔ (البخاری ۵۷۸۷)

☆...... حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہاری دواؤں میں سے کسی دوا میں شفا موجود ہے تو حجامہ کے ذریعے کٹ لگانے میں ہے، یا شہد کے استعمال میں، یا پھر آگ سے داغنے میں (بشرطیکہ) یہ داغنا اس مرض کو راست آجائے، لیکن میں آگ سے داغنے کو پسند نہیں کرتا۔ (البخاری: ۵۷۸۳)

☆...... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مقنع رضی اللہ عنہ کی عیادت کی اور فرمایا کہ جب تک تم حجامہ نہ لگوالو، میں واپس نہیں جاؤں گا، اس لئے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حجامہ لگوانے میں شفا ہے۔ (البخاری)

☆...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ (اس رات) فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گزر ہوا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ آپ اپنی امت کو حجامہ سے علاج کا حکم فرمائیں۔ (رواہ الترمذی، رواہ الطبر انی، البز ار ۲۰۵۲)

☆...... حضرت سمرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنی فزارہ قبیلہ کا ایک دیہاتی آیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حجام حجامہ لگا رہا تھا، پس حجام نے بلیڈ سے کٹ لگایا تو دیہاتی نے تعجب سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ آپ کیا کررہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یہ حجامہ ہے، یہ ان سب علاجوں سے بہتر ہے، جو لوگ اختیار کرتے ہیں۔ (احمد ونسائی ۲۰۰۹۴)

☆...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ تم جن چیزوں سے علاج کرتے ہو ان میں سے کسی میں خیر وبہتری ہے تو وہ حجامہ لگوانا ہے۔ (ابن ماجہ، ابوداؤد فی الطب ۳۴۷۶)

☆...... حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک پر اور دونوں کندھوں کے درمیان حجامہ لگوایا کرتے تھے اور فرماتے تھے جس شخص نے پچھنا کے ذریعے اپنا خون نکلوادیا تو اب اسے کوئی خدشہ نہیں، اس بات سے کہ وہ کسی بیماری کا کوئی علاج نہ کرائے۔ (ابن ماجہ، ابوداؤد، ۳۴۸۴)

☆...... عبدالرحمٰن بن ابی انعم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو وہ حجامہ لگوا رہے تھے، مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ ابوالحکم تم بھی حجامہ لگوالو، میں نے کہا کہ میں نے حجامہ نہیں لگوایا، اس پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے حضور صلی علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ لوگوں کے طریقہ علاج میں حجامہ لگوانا بہترین طریقہ علاج ہے۔

حجامہ سے جادو کا علاج:...... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر پر حجامہ لگوایا۔ (ابن ماجہ) رسول اللہ کو یہودی عورت نے زہر دیا تو آپ نے اس کے زہر کے اثر کے خاتمے کے لئے حجامہ لگوایا (ابوداؤد)

حجامہ کی سنت تاریخ:...... اسلامی مہینے کی 19,17 اور 21 تاریخ میں لگوانا سنت ہے۔

(۱)...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ چاند کی 17 تاریخ کو حجامہ لگوائے تو یہ حجامہ لگوانا ہر بیماری کے لئے شفا ہے۔ (حاکم)

(۲)...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس نے چاند کی 17، 19، 21 کو حجامہ لگوایا تو وہ ہر بیماری کے لئے شفا ہے۔ (ابوداؤد، الطبر انی، البیہقی)

(۳)......حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین دن جن میں تم حجامہ لگواتے ہو، قمری (اسلامی) مہینے کے 17، 19، 21 تاریخ کے دن ہیں۔ (الترمذی، الحاکم، البزار)

سنت حجامہ کی دو قسمیں:......

(۱)......علاج کیلئے

(۲)......پرہیز کیلئے

وقایۃ: اس کو حجامہ سنت کہتے ہیں اس کے افضل دن چاند کی 17، 19اور 21 تاریخ ہے، احتیاط کے لئے صحت مند لوگ بھی کر سکتے ہیں۔

علاج کیلئے:......جب مریض کو اس کی ضرورت ہو۔

عورتوں کا حجامہ لگوانا:......عورتوں کو حجامہ لگوانا جائز ہے، عورت اپنے محرم یا کسی دوسری عورت سے حجامہ لگوائے، نامحرم سے حجامہ صرف ایمرجنسی کی حالت میں لگوایا جاسکتا ہے جبکہ وہ نابالغ ہو۔ مرد عورت کو اور نامحرم عورت مرد کو حجامہ نہ لگائے سوائے شرعی عذر کے بغیر۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجامہ لگوانے کی اجازت چاہی تو آپ نے ابوطیبہ کو حکم فرمایا کہ وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حجامہ لگائے (ابوطیبہ ان کے رضائی بھائی تھے بقول راوی)۔ (رواہ احمد 350، ابن ماجہ 3480)

حجامہ لگانے پر اجرت:......حجامہ لگانے کی عوض اجرت لینا اور دینا جائز ہے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے کہ آپ نے بھی صحابی کو اجرت کے طور پر دو صاع کے برابر اجناس طعام دی تھی۔

(۱)......ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجامہ کرنے والے کو بلایا پس اس نے آپ کو حجامہ لگایا اور آپ نے اس کو اجرت عطا کی۔

(۲)......حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجامہ لگوایا اور مجھے حکم دیا کہ میں حجامہ لگانے والے کو اجرت عطا کرو۔ (البخاری 5686)

حجامہ کے فوائد:......(۱) حجامہ کے ذریعے بعض مریضوں کو مکمل فائدہ ہوتا ہے اور بعض کو کم فائدہ ہوتا ہے اور بعض کو عارضی بھی فائدہ ہوتا ہے کیونکہ شفا تو حق سبحانہ وتقدس ہی دیتے ہیں جو کہ بیماری و شفا کے مالک و خالق ہیں۔

(۱)......اس میں روحانی وجسمانی دونوں بیماریوں سے شفا ہے۔

(۲)......خون صاف کرتا ہے، حرام مغز کو فعال بناتا ہے، شریانوں پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ درد دور کرتا ہے، نشاط پیدا کرتا ہے، سستی، کاہلی ختم ہوتی ہے، کثرت نیند کی بیماری ختم کرتا ہے، ڈپریشن و ٹینشن و نفسیاتی بیماری کو دور کرتا ہے، Migrarie آدھا سر کا درد (درد شقیقہ) کے لئے بہت مفید ہے، بلڈ پریشر، کولسٹرول کو کنٹرول کرتا ہے، عرق النساء کے لئے مفید ہے، ہر قسم کے سر درد کے لئے فائدہ مند ہے، دانت، آنکھ، کان، گلے کی بیماریوں کو دور کرتا ہے، خارش، الرجی کو دور کرتا ہے، نیند نہ آنے کی بیماری کے لئے مفید ہے، سینہ، کمر درد، ایڑی، ہڈیوں، جوڑوں، گھٹنوں کا درد، دمہ، یرقان، بواسیر، فالج، مرگی، گنجاپن، جادو کے لئے مفید ہے۔

☆......☆......☆

کم کھانا مومن کی شان ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنت میں کھاتا ہے۔ (بخاری، ج:۲، ص:۱۸۱۳) یعنی مومن کثرت طعام سے پرہیز کرتا ہے، جو قساوت قلب کا باعث ہوتا ہے اور کافر کی صفت ہے۔

(ابوفاطمہ سعود، کراچی)

لبِ شیریں

ام محمد احمد

"شکر ہے، میرے اسکول کی بھی چھٹیاں ہونے والی ہیں!" نبیہہ نے خوشی میں زور سے نعرہ لگایا۔

"ہائے میں مر گیا!" کاشف چیخ مار کر صوفے پر ڈھیر ہو چکا تھا۔

"کیا ہوا اسے؟" امی گھبرا کر آگے بڑھیں، ساتھ میں وجیہہ آپی بھی بھاگتی ہوئی آئیں اور اسے پکڑ کر سیدھا کیا۔

"کاشف......کاشف!! کیا ہو گیا بیٹا؟" امی نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

"وہ......وہ......ام......امی......!! لگ رہا ہے کہ کان کا پردہ پھٹ گیا ہے۔"

"اف......ہائے......دیکھیں کہیں خون وغیرہ تو نہیں نکل رہا؟" کاشف نے کراہ کر کے کان امی کے آگے کیا۔

نبیہہ جو فق رنگ کے ساتھ کاشف کو کراہتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ "کاشف کے بچے......!!" کہہ کر دونوں ہاتھوں سے حملہ کرنے آگے بڑھی۔

"ہائے......ہائے......ہائے......!! گیا دوسرے کان کا پردہ بھی!" یہ کہتے ہوئے کاشف چھلانگ مار کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

☆......☆......☆

"امی! کاشف کو دیکھیں ناں......میرا قلم واپس نہیں کر رہا۔" نبیہہ نے چلا کر کہا۔

"ارے کیا ہم گھر والوں کو بہرا سمجھ رکھا ہے؟ باہر گلی والوں کو بھی پتا چل چکا ہو گا کہ کاشف تمہارا قلم واپس نہیں کر رہا۔" وجیہہ آپی نے دانت کچ کچا کر کہا۔

"ہاں تو اس کو کہیں ناں کہ میرا قلم واپس کرے۔"

"تم آہستہ بات نہیں کر سکتیں نبیہہ؟ چلانا ضروری ہے کیا؟"

"آہستہ ہی تو کر رہی ہوں، پتا نہیں سب کو میرا بولنا اتنا برا کیوں لگتا ہے؟" نبیہہ پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔

"ارے قلم تو لے لو۔" کاشف نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

"تم نے اس کا قلم کیوں لیا ہے؟" امی نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"امی! اس کے قلم میں سیاہی بھری ہوئی تھی نا۔"

"ہائیں! تو کیا تمہارے قلم میں پانی بھرا ہوا ہے؟"

"نہیں ناں، میرے قلم میں بھی سیاہی ہی ہوتی

ہے، لیکن ابھی ختم ہوگئی تھی۔ میں نے سوچا کہ عبیہ کے قلم سے کام کر لیتا ہوں، پھر جب اٹھوں گا تو اپنے قلم میں سیاہی ڈال لوں گا۔"

"کاشف! تم انتہائی کاہل ہوتے جا رہے ہو، لڑکے ہو تم، بڑے ہو کر تمہیں کتنے کام کرنے ہیں۔"

"کون کون سے کام؟" کاشف نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں پتا چل گیا ہوگا کہ میں آچکا ہوں دفتر سے، جبھی پوچھا جا رہا ہے کہ کون کون سے کام؟ صبح تمہیں کہہ کر گیا تھا کہ جمع دار کو بلوا کر باہر والا گٹر صاف کروا لینا، مگر مجھے یقین ہے کہ صاحب زادے کو جمع دار ملا ہی نہیں ہوگا۔" ابو نے اندر آتے ہی کاشف کے لتے لینے شروع کر دیئے تھے، جب کہ ان کے پیچھے عبیہ ان کے لئے ٹھنڈا پانی لے کر آرہی تھی۔

"پتا چل گیا، تمہیں کون سے کام کرنے ہیں بڑے ہو کر؟" وجیہہ آپی نے ہنستے ہوئے کہا۔

آپی کی بات سن کر عبیہ کا زوردار قہقہہ نکل گیا۔ اس کے قہقہے کی آواز سن کر کاشف نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور امی نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

"لڑکی! تمہیں کب عقل آئے گی؟"

☆......☆......☆

"بھائی! بھائی! آپ "لب شیریں" کھائیں گے؟" عبیہ نے کاشف کو بڑے پیار سے مخاطب کیا۔

"اف...... ف......ف......!! یہ شہد میں ڈوبا لہجہ...... کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟" کاشف نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کر کے دو تین مرتبہ کھولیں۔

"ارے، کہیں آج میری سماعت بالکل ہی جواب تو نہیں دے گئی؟" کاشف نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر زور زور سے ہلائیں۔

"کیا ہو گیا آپ کو؟ میں آپ سے پوچھ رہی ہوں کہ آپ لب شیریں کھائیں گے؟"

"ارے، میری پیاری بہن کھلائے گی تو کیوں نہ کھائیں گے؟" میٹھی چیزیں تو کاشف کی ویسے بھی کمزوری تھیں۔ اتنے میں عبیہ فریج میں سے ٹھنڈا ٹھنڈا لب شیریں نکال کر لے آئی، اس کے اوپر رنگ برنگی جیلی بھی لگی ہوئی تھیں۔ کاشف کے منہ میں پانی بھر آیا۔

"چمچے اور پیالیاں بھی تو لے آؤ۔"

لیکن عبیہ نے لب شیریں کو واپس فریج میں رکھ دیا اور کہا:

"آپ ایسا کریں بھائی! سموسے خرید کر لے آئیں، آپی چائے بنا رہی ہیں۔"

"ارے واہ! پھر تو مزہ آجائے گا، لاؤ پیسے دو، کتنے لانے ہیں؟" کاشف دس منٹ میں سموسے لے آیا۔

"یہ لو عبیہ! گرما گرم سے پلیٹ میں ڈال کر لے آؤ، چائے تو بنا لی ہوگی آپی نے؟ اور ہاں "لب شیریں" کے لئے پیالیاں اور چمچے بھی لے آنا۔" یہ کہتے ہوئے کاشف فریج کی طرف بڑھا، دیکھا تو لب شیریں فریج میں نہیں تھا۔

"ارے کہاں گیا لب شیریں؟" کاشف نے فریج کا اوپر والا حصہ بھی کھول کر دیکھ لیا، اتنے میں آپی باورچی خانے سے ٹرالی گھسیٹتی ہوئی نکلیں تو کاشف کی باچھیں کھل گئیں اور بے اختیار وجیہہ آپی پر پیار آگیا۔

ٹرالی کے اندر لب شیریں اور سموسوں کے علاوہ کیک اور نمکو بھی نظر آرہے تھے۔

"یہ کیا......؟" ٹرالی کو ادھر لانے کے بجائے آپی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

وہ حیرت سے ٹرالی کی طرف دیکھ رہا تھا، بے اختیار اس کے منہ سے نکلا:

"آپی! میں یہاں بیٹھا ہوں۔"

وجیہہ آپی نے پلٹ کر اسے دیکھا اور کہا:

"کیوں بیٹھے ہو یہاں؟ جاؤ اپنا اسکول کا کام لے کر بیٹھو، جب یہ چلی جائیں گی تو تم سے ٹیسٹ سنوں گی۔"

"تو یہ بات تھی، آپی کی سہیلیاں آئی ہوئی ہیں اور یہ عبیہ...... عبیہ کی بچی تو بچے گی نہیں اب مجھ سے۔" کاشف بڑبڑایا۔

☆......☆......☆

کاشف اسکول کا کام کر رہا تھا، مگر اس کا سارا دھیان لب شیریں میں اٹکا ہوا تھا۔

"کاشف! کاش! اللہ کرے، لب شیریں ان کو پسند ہی نہ آئے۔"

"کاشف بھائی! آجائیں، چائے پی لیں۔" عبیہ کی پاٹ دار آواز کانوں کے اندر گھستی ہوئی محسوس ہوئی۔

چائے کا وہ اتنا شوقین نہیں تھا، لیکن لب شیریں...... وہ جلدی سے باہر آیا صحن میں عبیہ اپنے آگے ٹرالی رکھے بیٹھی تھی، لب شیریں کے فقط دو یا تین چمچے ہی بچے ہوئے تھے، جب کہ جیلی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا، سموسوں کی پلیٹ میں ایک سموسہ اور نمکو کے چند دانے تھے، جبکہ کیک کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا۔

عبیہ مسکراتی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی، کاشف خون خوار انداز میں عبیہ کی طرف بڑھا تو عبیہ نے ہاتھ بڑھا کر کہا:

"ایک منٹ، ایک منٹ بھائی! میرا کوئی قصور نہیں ہے، آپی نے کہا تھا مجھ سے کہ کاشف سے سموسے منگوا لو جلدی سے اور یہ بھی کہا تھا کہ لب شیریں تم دونوں کے لئے بھی بنایا ہے۔ اب میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ آپ سے سموسے جلدی کیسے منگوائے جا سکتے ہیں؟ بس پھر میرے زرخیز دماغ میں یہ ترکیب آئی کہ آپ سے سموسے جلدی کیسے منگوائے جا سکتے ہیں، لہٰذا میں نے پہلے آپ کو لب شیریں دکھایا اور اس طرح آپ جلد بازار سے سموسے لانے پر تیار ہو گئے۔"

"تم...... تم مجھے وقت سے پہلے بہرا کر دو گی، اتنا زور زور سے بولتی ہو، آہستہ بات نہیں کر سکتیں؟"

"آہستہ ہی تو کہہ رہی ہوں، کیا بہت زور سے بول رہی ہوں؟" عبیہ الٹا کاشف سے پوچھنے لگی۔

"جی بہت زور سے، میرے تو کانوں میں مستقل درد رہنے لگا ہے اب تو، تمہاری اسکول کی استانیوں اور سہیلیوں کا کیا حال ہوتا ہوگا؟ میرے خیال میں کوئی بات پورے اسکول کو کہنی ہوتی ہو تو تمہاری استانی اسمبلی میں تمہیں ہی آگے کر دیتی ہوں گی کہ آپ اپنی خوب صورت "بھانڈ" آواز سے فائدہ اٹھائیں۔"

☆......☆......☆

"امی...... ی...... ی......؟ مبارک ہو، مبارک ہو! رمضان کا چاند نظر آگیا۔" کاشف باہر سے بھاگا ہوا آیا۔

اتنی دیر میں مسجدوں سے اعلانات ہونے لگے۔

"وجیہہ! جلدی سے اپنے ابو کے کپڑے استری کر لو اور کاشف کے بھی، بس تمہارے ابو آنے ہی والے ہوں گے، انہیں تراویح پڑھنے بھی جانا ہے، میں باورچی خانے میں جا رہی ہوں قیمہ پکانے سحری کے لئے اور عبیہ کہاں ہے؟ اس سے کہو کہ آٹا گوندھ لے آکر، ابھی بھی روٹیاں پکیں گی اور سحری کے لئے بھی پراٹھے بن جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے امی! میں ابھی کر دیتی ہوں اور عبیہ کو بھیجتی ہوں آپ کے پاس۔"

"ارے عبیہ کہاں ہے؟ سب کمروں میں دیکھ لیا، لیکن کہیں بھی نہیں مل رہی۔"

"کاشف کے بچے! میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔" ایک چیخ نما آواز سے وجیہہ کو پتا چل گیا کہ یہ دونوں چھت پر موجود ہیں، کاشف کے دوڑتے قدموں اور عبیہ کے چیخنے چلانے کی آوازیں آرہی تھیں۔

"یہ دونوں کب بڑے ہوں گے آخر!" وجیہہ جھنجھلاتے ہوئے چھت پر گئی۔

"کیا مسئلہ ہے آخر تم دونوں کے ساتھ؟" وجیہہ نے ڈانٹ کر پوچھا۔

"آپی! میں اچھی بھلی اسکول کا کام کر رہی تھی، یہ آکر کہنے لگا کہ چھت پر سے چاند نظر آرہا ہے، آؤ

کھاؤں، میں جلدی سے اوپر آگئی، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا، کہیں نظر نہیں آیا، میرا سر پکڑ کر دونوں کانوں کو زور سے دبا کر میری گردن کو جھٹکا دیا اور کہنے لگا، تھوڑا قد بڑا کر دیا ہے میں نے، اب نظر آجائے گا۔"

"کاشف! کتنی بری بات ہے، پہلی رمضان کو ہی شرارتیں شروع۔"

"استغفر اللہ، استغفر اللہ پیاری بہنا! معاف کردو اور ہاں، رمضان مبارک!" کاشف نے شرارت سے کان پکڑے، عیبہ نے چیخ کر کہا:

"میری طرف سے بھی رمضان مبارک!"

"اف......!" کاشف کانوں پر ہاتھ رکھ کر نیچے بھاگا اور عیبہ شرمندہ ہوگئی، کیوں کہ آپی نے بھی اسے غصے سے دیکھا تھا۔

رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہوچکا تھا، گھر میں کچھ سکون تھا، کیوں کہ امی نے سختی سے کاشف اور عیبہ سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم لوگ لڑنے سے باز نہیں آئے تو میں عید کے نئے سوٹ پہننے کے لئے نہیں دوں گی، جو امی رمضان سے پہلے ہی سلوا کر اپنی الماری میں رکھ چکی تھیں، لیکن کاشف افطار کے بعد ضرور عیبہ کو چھیڑتا اور عیبہ کی زوردار آوازیں نکلتیں۔ امی کے کہنے پر کاشف معصومیت سے کہتا کہ پھر میری افطاری کیسے ہضم ہوگی؟

اس دن امی ترجمے والا قرآن پاک پڑھ رہی تھیں، جب انہوں نے عیبہ کو بلایا اور کہا:

"یہ دیکھو قرآن پاک میں کیا لکھا ہے:

ترجمہ: اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست کرو، بے شک بری آواز البتہ گدھے کی ہے۔ (سورہ لقمان:19)

بیٹا! دیکھو، اللہ تعالیٰ کو بھی حد سے زیادہ تیز آواز بری لگتی ہے۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بہت آہستہ اور نرمی سے بات کرتے تھے اور دیکھو بلند آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے۔"

"اب میں دیکھتی ہوں کہ میری بیٹی کتنا اس پر عمل کرتی ہے۔"

"میں کوشش کروں گی امی!"

☆......☆......☆

ماہِ رمضان خیریت سے گزر گیا۔

"ہائے کتنا مزہ آئے گا، کل عید ہے۔"

"ابھی نہیں بیٹا! پہلے چاند تو نظر آنے دو، کیا پتا، کل کا بھی روزہ رکھنے کی سعادت نصیب ہوجائے۔" ابو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ اپنی عیبہ کچھ چپ چپ نہیں رہنے لگی؟" ابو نے اچانک امی سے پوچھا۔

"بھئی! تو اچھی بات ہے نا۔"

اتنے میں بجلی چلی گئی۔

"یہ بجلی والوں کو بھی اللہ پوچھے، آج کے دن بھی سکون نہیں ہے، جلدی سے جنریٹر چلادیں، مجھے باورچی خانے میں کام ہے۔" امی یہ کہتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئیں۔ عیبہ نے آہستہ سے کچھ کہا۔

"کیا کہہ رہی ہو؟" امی نے چیخ کر پوچھا۔ عیبہ نے پھر کچھ کہا اور امی کو سمجھ میں نہیں آیا۔

"ارے، زور سے بولو نا، مجھے جنریٹر کے شور میں بالکل آواز نہیں آرہی۔"

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آہستہ بولا کرو، میں کہہ رہی تھی کہ مبارک ہو عید کا چاند نظر آگیا ہے۔" عیبہ نے چیخ کر کہا۔

اتنے میں کاشف بھی آگیا۔

"اوہو! رمضان کے ختم ہوتے ہی اپنی عیبہ پھر بگڑ گئی۔"

"اچھا......!" امی نے بھی مسکرا کر اور چیخ کر "مبارک ہو" کہا۔

☆......☆......☆

یہودی مصنوعات ایک سازش ایک جال

آمنہ بنت طفیل

پیاری بہنوں آپ بازار سے روزمرہ استعمال کی مختلف اشیا خریدتے ہیں، آپ کی کوشش ہوتی ہے کہ بہتر سے بہتر چیز خریدیں، جس کا استعمال آسان ہو، معیار اچھا ہو، جس سے آپ کی صحت و توانائی کو فائدہ ہو، مگر آپ کیا یہ پسند کریں گے کہ تھوڑے سے فائدے اور تھوڑے سے مزے کیلئے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں؟ یہود و نصاریٰ کے ہاتھ مضبوط ہوں؟ ہرگز نہیں...... ہم دن رات یہ اشیا خریدتے ہیں اور ان کا نفع یہود و نصاریٰ کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں...... یہودی اس سرمائے سے فلسطین کے مسلمان بچوں پر گولیاں برساتے ہیں...... امریکی اس پیسے سے طیارے اور میزائل بنا کر عراق اور افغانستان کو نشانہ بناتے ہیں، اس گناہ میں نادانستہ طور پر ہم بھی شریک ہیں؟ آیئے آج سے عہد کریں کہ ہمارے گھروں میں یہود و نصاریٰ کی مصنوعات کا داخلہ بالکل بند، ہم ان کے بدلے مقامی مصنوعات یا مسلم ممالک سے درآمد شدہ مصنوعات استعمال کریں، جو کہ سستی بھی ہیں اور ہمارے مزاج اور ضرورت کے مطابق بھی، یا زیادہ سے زیادہ ان ممالک کی مصنوعات خریدیں گے جو یہود و نصاریٰ کے ہم نوا نہیں...... اس طرح ہمیں مزے اور اچھے مشروبات ذائقے دار چیزوں اور بیوٹی لوشنوں سے محروم ہونا پڑے گا، مگر ان کا بدل دیسی اشیاء میں موجود ہے، ممکن ہے بعض چیزوں کا بدل ہمیں دیسی اشیاء میں نہ مل سکے تو اس صورت میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اگر وہ چیزیں آرام، آسائش اور تفریح سے تعلق رکھتی ہیں یعنی ضروری نہیں ہیں تو ہمیں صبر کرنا ہوگا...... اس صبر کے بدلے ہمیں آخرت میں بہت کچھ ملے گا۔ (ان شاء اللہ) ہاں البتہ اگر وہ چیزیں ایسی ہیں جن کے بغیر کام نہیں چلتا، جیسے جدید آلات اور مشینری تو اس صورت میں ان کے استعمال کی گنجائش ہے، تاہم ہمیں مقامی طور پر ان اشیاء کی تیاری کی کوشش جاری رکھنی چاہئے، بہرحال ذیل میں پہلے یہودی مصنوعات اور پھر مقامی مصنوعات کی فہرست دے رہے ہیں، یہودی مصنوعات کا بائیکاٹ کر کے ملکی مصنوعات استعمال کیجئے......!

یہودی مصنوعات

(۱) پراکٹر اینڈ گیمبل پی اینڈ جی (P and G) شیمپو، ہیڈ اینڈ شولڈر، پرٹ پلس، پینٹین، ریجائس (۲) لکس صابن، کیمے، پام اولو، سیف گارڈ، ایریل ڈٹرجنٹ، ٹوتھ پیسٹ، کولگیٹ، کلوزاپ، سگنل 2، میکلینس، نیپکین، آلویز، آسئل آف والے، بچوں کے پیمپرز، ڈائپرز، پیپسی کولا، سیون اپ، مرنڈا، ٹیم، سلائس، کوکا کولا، سپرائٹ، فانٹا، میک برگر، میک ڈونلڈ، پیزا ہٹ، کمپیوٹر بنانے والی کمپنیاں، ڈیل، ویسٹرن، ڈیجیٹل، کمیکٹ، ایسر، کمپیوٹر سافٹ ویئر بنانے والی کمپنیاں، مائیکرو سافٹ، اوریکل، لیور برادرز کی مصنوعات، ڈٹرجنٹ، سرف، سن لائٹ، وہیل، صابن، لکس، ریکسونا، ڈاؤ، لائرل، سن لائٹ، لائف بوائے، لائف بوائے گولڈ، (۳) وم بار، میجک بار، ٹوتھ پیسٹ، کلوز اپ، پیپسوڈنٹ، شیمپو، سن سلک لائف بوائے، کوکنگ آئل، ڈالڈا بناسپتی، ڈالڈا پلانٹا آئل، ڈالڈا سن فلاور آئل، (۴) کریم فیئر اینڈ لولی، وللز، چائے، بروک

بانڈ سپریم، بروک بانڈ، کینیا مکسچر، ٹاپ اسٹار، لپٹن یلو لیبل، پرٹ ڈسٹ، (۵) آئس کریم پولکا، والز، بلو بینڈ ماجرین، (۶) کالگیٹ اینڈ پلمولیو، کمپنی ، ڈٹرجنٹ، برائٹ، ایکسپریس، بونس، میکس وم اور بار، (۷) ٹوتھ پیسٹ، کالگیٹ، میکلینس، فارہینس، ٹینگ، (۸) نیسلے ملک، نیڈو، ایوری ڈے، ملک پیک، لیکوڈ ملک، پولو، مائلو، فراسٹ جوس، اوولیٹن، سیری لیک، ہارلیکس، پیک فرینیر بسکٹ، رفحان کا آئل، رفحان گلوکوز ڈی، رفحان جیلی، کسٹرڈ، بیسٹ فوڈز، (جام، جیلی)، (۹) جنرل الیکٹرک، مائیکرو ویوز، ٹیلی ویژن، وڈیو گیمز، (۱۰) شیفر، پارکر، مائر، پینز، ماٹر، اسٹیشنری کی مصنوعات، (۱۱) بازلی گڑیا اور بچوں کے کھلونے، (۱۲) ٹاٹنگ، کیپس ٹراوزرز، جوتے، (۱۳) مدر کیئر بچوں اور عورتوں کے لباس وغیرہ، (۱۴) جانس اینڈ جانسن، بے بی پاؤڈر، شیمپو، لوشن وغیرہ، (۱۵) ایچ پی HP فوٹو کاپیئر مشین، پرنٹر، پرنٹنگ کے دیگر آلات، (۱۶) امریکن بینک اور مالیاتی کمپنیاں، بینک آف امریکا، سعودی امریکی بینک، امریکن ایکسپریس بینک، اسٹینڈرڈ چارٹر ڈس، سٹی بینک، (۱۷) امریکی سگریٹ، بینس اینڈ ہیڈ جس، مالبرن، میر پیٹ، (۱۸) پیٹرول، کالٹیکس، شیل، (۱۹) الکا ٹیل، ٹیلی فون سیٹ اور موبائل سیٹ، (۲۰) فلپس تمام برقی مصنوعات اس کے علاوہ جیلٹ بلیڈ ریزر، سیون او کلاک، چیری بلاسم بوٹ پالش، رابن نیل، مورٹین کوائل و دیگر مصنوعات، باٹا شوز، آئی سی آئی، پینٹس، سنگر سلائی مشین وغیرہ، (۲۱) فوڈ چینز کے ایف سی ، پیزا ہٹ، میکڈونلڈ، ڈنکن ڈونٹس وغیرہ ودیگر ڈیگلو آئس کریم، میگی، نوڈلڈ، چکن، کیوبز، لیز چپس، کرافٹ، کیچ اپ، لائیبز، (۲۲) مردانہ ملبوسات اور پرفیوم، BOSS-CH-ASCADAR BOSINI

پاکستانی کمپنیوں کی مصنوعات

(۱) کھانے کا تیل، تلو، حبیب، صوفی، سن رائٹ، شان، سوپرا، سن ڈپ، مالٹا، میزان، سن رائز، کسان، کشمیر، (۲) صابن اور شیمپو، بریز، کیپری، صوفی، تبت، باڈی گارڈ، ڈیشیا، پائلٹ، بانلو آملہ، سکا کائی، سلک یو اے ای ایوا، (ترکی)، (۳) چائے ٹپال، کوہ نور، میزبان، جے ایس ایل، سونی، (۴) واشنگ پاؤڈر، صوفی صابن، پاؤڈر، گائے، سوپ ریما، سوپ، ریشماں، ۲۲۲ صابن، ۱۰۱ پاک ڈٹرجنٹ، اسٹار، دربار، ایل جی، اسپرنائی (جاپان)، (۱۵) جوس، شربت روح افزا، نورس، جام شیریں، قرشی، انرجائل، فروٹو، کوئس، پاکولا، ریڈ ایپل، الیکٹرک مصنوعات، Royal کینڈی، ویوز، ملت، سپر ایشیا، پاک فین، یونس، انڈسٹریز وغیرہ کے برقی آلات، سلیقہ سلائی مشین، (۷) ٹوتھ پیسٹ، نسوڈا وائٹ، ہمدرد، ڈنٹونک، انگلش، بیلو، مسواک، نیچرل، (۸) پیٹرول P.S.O، (۹) آئس کریم Yammy، (۱۰) اسٹیشنری، ایگل، ڈالر، TOYO، (۱۱) بے بی کیئر کی مصنوعات کڈکو، سیلوکو Kidco and celluko، (۱۲) لوشن کریم وغیرہ تبت، اولیویا، کیئر، انگلش، سویس مس، میڈی کیم، (۱۳) ڈیرہ پراڈکٹس، ملک فلو، حلیب، ہلہ، لائل پور، نور پور کی مصنوعات۔

کوریا، جاپان کی مصنوعات جو یہودی کمپنیوں کی نہیں ہیں:

(۱) متسوبشی، ایل جی، ہٹاچی، سونی، توشیبا، (۲) فوڈ جینز کے بیز، مسٹر برگر وغیرہ، (۳) دوائیاں، ایس جی اینڈ فضل الٰہی، ٹیبرس، انڈس فارما، ایکٹو انڈسٹریز، (۴) بیٹری، کوہ نور، بیٹری انڈسٹریز، انڈس بیٹری، (۵) گارمنٹس برانڈ رحمٰن ٹی شرٹ، S.K گارمنٹس، (۶) وولن اور کاٹن یارن، ثنا اللہ ملز، (۷) میونیز، ینگ فوڈ پروڈکٹس، (۸) پینٹس اسٹینڈرڈ پینٹ انڈسٹریز، (۹) ریان ملز، S. G، (۱۰) بچوں کے ڈائپرز، اس فہرست کو مدنظر رکھتے ہوئے جہاں تک ہو سکے، پاکستانی مصنوعات استعمال کریں اور یہودی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں۔ جزاکم اللہ

ہنستے موسم پلٹ بھی آتے ہیں

تبسم محسن علوی

افراتفری، نفسانفسی کے اس دور میں اگر خدانخواستہ کوئی حادثہ یا کوئی سانحہ برپا ہوجائے تو جہاں حادثے کی شدت ہمارے دل کو متاثر کرتی ہے، وہاں اس کے ساتھ ساتھ رشتہ داروں، دوست واحباب کی بے حسی کے ادراک سے بھی دل پارہ پارہ ہوجاتا ہے، ایسے ہی ایک حادثے کی روئیداد، میں آپ کو سنانے جارہی ہوں، ہم جدہ کی سرزمین میں پچھلے پچیس 25 برسوں سے مقیم ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ میں شادی کے بعد بیاہ کر اسی سرزمین پر آئی تھی اور اب یہی سرزمین میرا سسرال بھی ہے اور میکہ بھی ہے۔

دوست احباب کی ایک لمبی فہرست میں ہر سال اضافے نے فہرست کو اتنا طویل کردیا ہے کہ جب گزشتہ چھ ماہ پہلے جب ہم میاں بیوی اپنی بیٹی ماہم کی شادی کے مہمانوں کی فہرست بنانے لگے تو حیران تھے کہ کس کو بلائیں اور کس کو چھوڑ دیں، ہر دوست، ہر رشتہ دار دل کے قریب ہی محسوس ہورہا تھا، خیر الحمدللہ، اللہ نے عزت کے ساتھ اس کو رخصت کرنے میں مدد کی، مگر آج ہمیں ان رشتہ داروں اور دوستوں کی ضرورت پڑی تو لگا، اس بھری دنیا میں ہم بالکل تنہا ہیں، میری تین بیٹیاں اور اکلوتا بیٹا منیب ہے، اس سال رمضان کی چاندرات ہمارے لئے کسی قیامت سے کم نہیں تھی، ندا اور فلک دونوں عصر سے شور کررہی تھیں کہ رمضان کی شاپنگ کے لئے ہائپر پانڈا چلیں، مگر میں اور میرے شوہر دونوں ہی بازاروں کے رش سے بہت گھبراتے ہیں، اس لئے ہم دونوں ہی ٹالتے رہے، مگر جب دونوں بچیوں کی ضد بڑھتی گئی تو میں نے منیب سے کہا کہ اب تو تمہارا ڈرائیونگ لائسنس بھی بن کر آگیا ہے کہ تم ہی بچیوں کو لے جاؤ، منیب میرا چاند سا بیٹا کبھی بھی میرا کہا نہیں ٹالتا تھا، وہ کمپیوٹر پر اپنے کوئی ضروری کام میں مصروف تھا، مگر میرے کہنے پر وہ چیزوں کی لسٹ لیکر بہنوں کو لے کر چلا گیا، رمضان کے مقدس باریک چاند کی کرنیں عبادت کا ذوق اترنے سے دل کی دہلیز پر چھانے لگیں، میں مصلے پر دعائیں مانگ رہی تھی، یکدم مجھے محسوس ہوا کہ نجانے کچھ برا ہوگیا ہے، میرے اندر ایک نامعلوم سی اداسی کی دھند چھانے لگی، اداسی کا ایک طوفان اندر ہی اندر بھرنے لگا اور یہ طوفان اشکوں کی بارش میں بدلنے لگا، میرے اندر کی ممتا اپنے بچوں کی سلامتی کے لئے اپنے رب کے حضور رو رو کر گڑگڑا کر دامن پھیلائے دعائیں مانگ رہی تھی کہ اچانک فون کی گھنٹی نے میرے دل کو دہلا دیا، پتہ نہیں کیوں میرے

میاں کے کمرے میں ان کے موبائل کے بجنے کی آواز گونجی، میں نے گھبرا کر سجدہ میں سر جھکا دیا، کچھ ہی دیر میاں کی لرزتی ہوئی آواز کانوں سے ٹکرائی، ریحانہ واقعی دعاؤں کا وقت آن پہنچا ہے۔

منیب سے ایک ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے، میرے بچے، میرا منیب، فلک، میری ندا، مجھے لگا میرے اوپر آسمان آ کر گر گیا ہو، دیوانگی کے عالم میں ان کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بچوں کا پوچھ رہی تھی، ریحانہ ہمت سے کام لو، سب خیریت سے ہیں، تینوں بچے خیریت سے ہیں، ان کو چوٹیں نہیں آئیں ہیں، مگر...... مگر کیا؟ میں نے سسکتے ہوئے پوچھا، بس تم ہمت سے کام لو اور اپنے منیب کے لئے دعا کرو، اللہ بڑا کارساز ہے، منیب کی گاڑی سے ٹکرانے والا بیس برس کا لڑکا موقع پر ہی ہلاک ہوگیا ہے، اب ہم بڑی دشواری میں پڑ گئے ہیں، میں پولیس اسٹیشن جا رہا ہوں، تم اپنے پاس کسی کو بلا لو، میرے لئے قیامت تو قیامت آ پہنچی تھی، یہاں کے قوانین کے مطابق تو جان کا بدلہ جان ہے یا خون بہا...... یا اللہ رحم...... یا اللہ رحم......بس تیری مدد چاہئے، میرا تو سارا خون رگوں جیسے جم گیا ہو، میں تو ہوش و خرد سے بیگانہ سجدے میں پڑی رہی، جب ہوش میں آئی تو میاں دونوں بچیوں کو لے کر آ چکے تھے، میرا چاند، میرا منیب قید میں تھا، میرا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا، لیکن قسمت کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے، دس رمضان تک تو کیس چلتا رہا، بچیوں نے بھی رو رو کر فریاد کی کہ بھائی بے قصور ہے، وہ لڑکا اچانک گاڑی کے سامنے آ گیا تھا، مگر وقتی شواہد نے یہی گواہ دی کہ وہ لڑکا منیب کی گاڑی سے ٹکرا کر ہلاک ہوا تھا، لاکھوں کا خون بہا ادا کر کے جان بخشی کی امید نظر آتی تھی، میرے میاں نے پچیس سالوں میں اپنی چھ بہنوں کی شادیاں کیں تھیں، اپنے دو چھوٹے بھائیوں کو پڑھا لکھا رہے تھے اور ابھی ایک بچی کی شادی سے فارغ ہوئے تھے، لاکھوں کی رقم کہاں سے لاتے، یہیں پر ہمیں اپنے رشتے داروں اور دوست احباب کی کھوٹی محبتوں کا علم ہوا، جس کسی سے ہم قرض مانگتے، وہ یہی جواب دیتا، آج کل اس کے ہاتھ تنگ ہیں، وہ ہماری مدد نہیں کر سکتا اور ہم حواس باختہ حیران پریشان ان کی شکلیں دیکھتے، سر سے آسمان اور پاؤں تلے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوتی، میرا بچہ نہ جانے کن حالوں میں سلاخوں کے پیچھے روزے رکھ رہا ہوگا، افطار و سحر کے وقت تو ہم سب کے گلے میں کانٹے پڑنے لگتے، کوئی چیز نگلنا مشکل میں، ممتا کی ماری ماں شوہر اور بچیوں کے لئے کچھ نہ پکاتی، مگر منیب کی بھوک کا خیال میری بھوک اڑا دیتا، بیس روزے گزر چکے تھے، اب آخری عشرہ شروع ہو رہا تھا، ہر طرف سے مایوسی کے تاریک سائے عفریت کی طرح ہماری طرف بڑھ رہے تھے، میرے ہنستے بستے گھر پر ویرانیوں نے ڈیرے ڈال لئے تھے، دنیا سے ہر طرف سے مایوسی ہی تھی، میں اور میری بچیاں دن رات جائے نماز بچھا کر درود وظائف میں مصروف رہتے، بس دل میں یہی خیال رہتا کہ بس اللہ سے مدد مانگو اور ہر آزمائش پر صبر اور نماز کا سہارا لو، پچیسویں کی مقدس و متبرک طاق رات تھی، فون کی گھنٹی بجی، میری ماں کی ممتا اندر سے پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ ہماری دعائیں قبول ہوگئی ہیں، ماں کی دل کی دھڑکنوں کو اس رات بجنے والی گھنٹی میں اور آج کی رات بجنے والی گھنٹی کا خوب اندازہ تھا، جب میاں خوشی و مسرت سے مبارک باد دے رہے تھے، ریحانہ اللہ نے تمہاری تمام عبادتیں و ریاضتیں قبول کر لی ہیں، دیکھو پولیس اسٹیشن سے فون آیا ہے، اس ہلاک ہونے والے لڑکے کی ماں نے پولیس اسٹیشن آ کر بیان دیا ہے کہ اس کے بچے نے خواب میں آ کر کہا ہے کہ ہمارے منیب کو خون بہا دیئے بغیر معاف کر دیا جائے، وہ بے قصور ہے، غلطی میری تھی، میں اچانک ہی بے خیالی میں اس کی گاڑی کے سامنے آ گیا تھا، میری سماعتوں کو جتنے موسم پلٹ آنے کی جیسے ہی خوشخبری پہنچی تو سر کے ساتھ ساتھ میرا دل بھی بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہوگیا۔

☆......☆......☆

بیٹوں کو بیٹیوں پر فوقیت کیوں......؟

فاطمہ مرزا

ہمارے معاشرے میں بیٹوں کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ بیٹیوں کے مقابلے میں زیادہ کام کر سکتے ہیں، روزی کماتے ہیں جبکہ بیٹیوں کو بوجھ تصور کیا جاتا ہے، اسے جہیز دینا پڑتا ہے، بہو جہیز لاتی ہے، بیٹی کو اس لئے تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے کہ پڑھا لکھا کر ہمیں کیا ملے گا، اسے تو رخصت ہو کر اگلے گھر جانا ہے، یہ سوچ غلط ہے، وہ ماں جو بیٹے کے صدقے واری جاتی ہے، یہ کیوں بھول جاتی ہے کہ تفریق کر کے وہ بیٹی کے اندر ایسا خلا پیدا کر رہی ہے جو اسے ساری زندگی اعتماد کے ساتھ جینے نہیں دے گا اور ایک باپ بیٹے کی خواہش اس لئے پوری کرتا ہے کہ بیٹا اس کی نسل کو آگے بڑھائے گا، یہ سوچتے ہوئے وہ یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ خود میں سمٹی ہوئی معصوم بچی کے رگوں میں ان ہی کا خون گردش کر رہا ہے۔

تحصیل عارف والا کا زیادہ تر علاقہ دیہات پر مشتمل ہے، یہاں تعلیمی سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں میں شعور کی کمی ہے، جب کہ یہاں کی عورتیں مردوں کے مقابلے میں زیادہ کام کرتی ہیں، پھر بھی ظلم و تشدد کا نشانہ بنتی ہیں، یہاں کے کھیتوں کا جائزہ لیا جائے تو ایک آدمی کے ساتھ دس عورتیں کام کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، اس کے علاوہ وہ بچے پالتی، گھریلو کام کرتی ہیں، اس کے باوجود لوگ کہتے ہیں کہ بیٹی بیٹے سے کم تر ہے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بیٹی بیٹے سے زیادہ والدین کا خیال رکھتی ہے، اگر والدین میں کوئی بیمار ہو جائے تو لڑکی اپنی تمام ذمہ داریاں چھوڑ کر ان کی دیکھ بھال کرتی ہے، حتیٰ کہ شادی شدہ خاتون بھی اپنا گھر چھوڑ کر والدین کی خدمت کرتی ہے، جب کہ بیٹا گھر میں رہتے ہوئے ان کی خدمت نہیں کرتا، پھر بھی والدین بیٹوں کو جو اہمیت دیتے ہیں، وہ بیٹی کو کبھی نہیں دیتے، چاہے بیٹی والدین کی کتنی ہی خدمت کر لے۔

یہاں کی عدالتوں کا جائزہ لیں تو زیادہ تر کیس ایسے نظر آتے ہیں جس میں عورتوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا ہے، تعلیم اور شعور کی کمی وجہ سے لوگ خواتین پر بے جا پابندیاں عائد کرتے ہیں، ان کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہے، کم عمری میں ہی شادی کر دی جاتی ہے، لڑکیاں ساری زندگی ظلم سہتی ہیں، اگر کوئی عورت ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھاتی ہے تو اس کو طلاق کی دھمکی دے کر چپ کروا دیا جاتا ہے، وہ بیچاری یہ سوچ کر خاموش

ہو جاتی ہے کہ طلاق کے بعد وہ کہاں جائے گی، ماں باپ کا گھر اس کا اپنا گھر نہیں ہے، شوہر اسے گھر سے نکال دے گا تو وہ بے آسرا ہو جائے گی۔

اسلام میں عورتوں کو جو عزت و وقار اور مرتبہ دیا گیا ہے کسی اور مذہب میں نہیں ہے، اسلام میں مرد و عورت کو برابری کا درجہ دیا گیا ہے، قرآن میں بھی جگہ جگہ عورتوں کے حقوق اور ان کی عزت و تکریم کی بات کہی گئی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔" جس کے قدموں تلے جنت ہو اس کو کس طرح کم تر ہستی سمجھا جا سکتا ہے، بیٹی تو جس گھر میں ہوتی ہے وہاں خوشیاں بکھیر دیتی ہے، عورت ہر روپ میں اچھی لگتی ہے، وہ محبتیں نچھاور کرتی ہے، حیا کا پیکر ہے، پاکیزگی کا درجہ رکھتی ہے، وہ شفقت کی مستحق ہوتی ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ساری شفقت بیٹوں کو دے دی جاتی ہے اور بے چاری بیٹیاں اپنی جائز خواہش کا اظہار کرتے ہوئے دس بار سوچتی ہیں کہ اسے ماں سے ڈانٹ کھانی پڑے گی، آخر ایسا کب تک ہوتا رہے گا اور لڑکیوں کو کب برابری کا درجہ دیا جائے گا، بڑے شہروں میں پھر بھی بیٹا بیٹی میں اتنا فرق نہیں کیا جاتا جتنا گاؤں، دیہات اور چھوٹے علاقوں میں کیا جاتا ہے۔

عارف والا میں تعلیم کا فقدان ہے جس کی وجہ سے یہاں عورتوں کے ساتھ ہتک آمیز رویہ رکھا جاتا ہے، اگر یہاں تعلیم عام کر دی جائے تو شاید لوگوں میں شعور اجاگر ہو جائے، یہاں بہت سی بچیاں ایسی بھی ہیں جن کو تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہے لیکن ان کو گھروں سے اجازت نہیں ملتی۔

دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم بھی بہت ضروری ہے، پڑھی لکھی عورت بچوں کی بہترین نگہداشت و پرورش کر سکتی ہے اور گھر کا نظام بھی بہت اچھی طرح چلا سکتی ہے، دیہات میں رہنے والے اس بات کو نہیں سمجھتے، کیونکہ وہ صرف لڑکوں کو ہی اہمیت دیتے ہیں، ہمارے مذہب نے بھی بیٹا اور بیٹی کو برابری کا درجہ دیا ہے بلکہ بیٹی تو خدا کی رحمت ہے، عارف والا کی چند لڑکیوں نے تگ و دو کر کے تعلیم حاصل کر لی ہے تو ان کو ہمیشہ تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے، آخر کب تک لڑکیاں اپنے بنیادی حقوق سے محروم رہے گی؟

☆......☆......☆

تعلق مع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "یوں تو اس دنیا میں خدا کا دیا سب کچھ ہے، لیکن اگر اس بھرے بازار میں ایک درد و محبت ہی کی "دکان" نہیں، جہاں سے قلب کی حرارت اور عشق کی دولت مل سکتی ہے، تو پھر دنیا ایک قمار خانہ اور زندگی محض "سود و سودا مکر و فن" ہے اور اس میں وہی زیادہ کامیاب ہوگا جو اس فن میں طاق ہوگا۔ "من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق...... تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن" اس زندگی کی آبرو اور اس باغِ ہستی کی ساری بہار اور سارا وقار اور اس دنیا کا سارا ہنگامۂ وجود اسی درد و محبت کے دم سے ہے، اس کے بغیر یہ محفل سونی اور یہ گھر بے چراغ ہے۔ خرمنِ کائنات میں یہی ایک کام کا دانہ ہے، اگر یہ نہیں تو پھر سب خس و خاشاک ہے، اہل دل نے تو اس دن کو اپنی عمر میں شمار کرنے سے انکار کر دیا ہے جو عشق و مستی کے بغیر گزر گیا۔ (تذکرہ حضرت مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی ص:8)

☆......☆......☆

کرو نہ غم جو ضرورت پڑی تو ہم دیں گے
لہو کا تیل چراغوں میں روشنی کے لئے

☆......☆......☆

عجب اصول ہیں اس کاروبار دنیا کے
کسی کے قرض کسی اور نے اتارے ہیں

☆......☆......☆



قارئین کرام سے گزارش ہے کہ صرف ایسے علمی اور معاشرتی سوال ارسال کریں جن کا تعلق عام زندگی سے ہو۔

☆......ذاتی نوعیت کے سوالات، شرم و حیا کے متعلق مسائل اور اختلافی مسائل بھیجنے سے گریز کریں، ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

☆......سوال مختصر اور جامع ہو، غیر ضروری طوالت سے اجتناب کریں۔

☆......تحریر صاف ستھرے کاغذ پر لائن چھوڑ کر لکھیں۔

☆......لفافے پر "آپ کے مسائل کا حل" لکھنا نہ بھولیں۔

سفر حج سے پہلے ضروری کام کی باتیں

مسئلہ:......حج کا سفر ہر اعتبار سے بہت مبارک سفر ہے، اس مبارک سفر اور حج مبرور پر بڑے بڑے وعدے ہیں، حاجی ایسے مبارک اور مقدس مقامات پر پہنچتا ہے، جہاں دعاؤں کی قبولیت کے وعدے ہیں، لہٰذا سفر حج سے پہلے اپنے رشتہ داروں اور متعلقین سے ملنا اور ایک دوسرے سے دعاؤں کی درخواست کرنا جائز ہے، خاص کر ان رشتہ داروں اور متعلقین سے جن سے بات چیت بند ہو اور آپس میں رنجش اور کدورت ہو، ان سے مل کر معافی مانگ لینا اور دلوں کا صاف کر لینا، بہت ضروری ہے، اسی طرح اگر کسی کا حق باقی ہے، کسی پر ظلم کیا ہو، قرض لیا ہو اور ابھی تک ادا نہ کر سکا ہو تو سفر حج سے پہلے اس کا حق ادا کر دینا، یا اس کا انتظام کر دینا، یا اس سے مہلت لے کر اس کو اطمینان دلانا ضروری ہے، تاکہ اس مبارک سفر کی برکتیں پوری طرح حاصل کر سکے، جس قدر دل کی صفائی کے ساتھ اور حقوق العباد ادا کر کے حرمین شریفین کی حاضری ممنوعات و مکروہات سے بچتے ہوئے اور تمام آداب کی رعایت کرتے ہوئے ہوگی تو ان شاء اللہ وہاں کی برکتیں خوب حاصل ہوں گی۔

فضائل حج میں ہے "اپنے سب پچھلے گناہوں سے توبہ کرے اور کسی کا مال ظلم سے لے رکھا ہو، اس کو واپس کرے اور کسی قسم کا کسی پر ظلم کیا ہو تو اس سے معاف کرائے۔" اور جن لوگوں سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہو، ان سے کہنا سنا معاف کرائے، اگر کچھ قرض اپنے ذمہ واجب ہو تو اس کو ادا کرے یا ادائیگی کا کوئی انتظام کرے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جس شخص پر ظلم کر رکھا ہو یا اس کا کوئی حق اپنے ذمہ ہو تو وہ بمنزلۂ ایک قرض خواہ کے ہے

جواس سے یہ کہتا ہے تو کہاں جا رہا ہے؟ کیا تو اس حالت میں حاضر ہو رہا ہے، نہیں ڈرتا کہ وہ تجھ کو مردود کر کے واپس کر دے اگر تو قبولیت کا خواہشمند ہے تو اس ظلم سے توبہ کر کے حاضر ہو، اس کا مطیع فرمانبردار بن کر پہنچ ورنہ تیرا یہ سفر ابتداء کے اعتبار سے مشقت ہی مشقت ہے اور انتہاء کے اعتبار سے مردود ہونے کے قابل ہے۔

نیز چلنے کے وقت مقامی رفقاء اعزاء واحباب سے ملاقات کر کے ان کو الوداع کہے اور ان سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرے کہ ان کی دعائیں بھی اس کے حق میں خیر کا سبب ہوں گی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱۰/ص ۱۸۰)

مسئلہ:......سفر حج میں جانے سے پہلے اپنی نیت خالص اللہ تعالیٰ اور ثواب آخرت کے لئے کریں۔

مسئلہ:......جس کسی کا مالی حق آپ کے ذمہ ہے اگر وہ مر گیا ہے تو اس کے وارثوں کو ادا کریں، یا ان سے معاف کرائیں اور اگر اصحاب حق بہت زیادہ ہیں اور ان کے پتہ وغیرہ معلوم نہیں تو جس قدر مالی حق ان کا آپ کے ذمہ ہے ان کی طرف سے صدقہ کر دیں اور اگر ہاتھ یا زبان سے ان کو تکلیف پہنچائی تھی تو ان کے لئے کثرت سے دعائیں مغفرت کرتے رہیں، ان شاء اللہ حقوق کے وبال سے نجات ہو جائے گی۔

مسئلہ:......بالغ ہونے کے بعد کی قضاء شدہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، اتنی مقدار میں ہے جن کو سفر حج سے پہلے آپ پورا نہیں کر سکتے یا لوگوں کے حقوق اتنے زیادہ آپ کے ذمہ ہیں کہ ان سب سے معاف کرانا، یا ادا کرنا اس وقت اختیار میں نہیں ہے تو ایسا کیجئے کہ ان سب فرائض وحقوق کی ادائیگی یا معاف کرانے کا پختہ عزم ابھی سے کر لیجئے اور جس قدر ادا کیا جا سکے، اس کو ادا کر دیجئے اور جو باقی رہ جائیں، ان کے لئے ایک وصیت نامہ لکھئے اور اپنے کسی عزیز یا ہمدرد یا دوست کو وصی (ذمہ دار) بنا دیجئے کہ اگر آپ زندگی میں ادا نہ کر سکیں تو آپ کے بعد وہ ادا کر دیں۔ (احکام حج: مفتی محمد شفیع، ص ۳۳، وہکذا کتاب الفقہ: ج/ص ۱۰۹۴)

حج مقدم ہے یا بچے کی شادی

سوال:......میں سرکاری ملازم تھا ریٹائر ہونے پر ستر ہزار روپیہ مجھے ملا میرا ارادہ حج کا تھا، مگر اتفاق اس درمیان میرے لڑکے کی شادی کی امید ہو رہی ہے تو میں پہلے حج کروں یا بچے کی شادی کے لئے یہ رقم جمع کروں؟

جواب:......صورت مسئولہ میں آپ کے پاس جو رقم ہے وہ آپ کے حوائج اصلیہ کے علاوہ مکہ مکرمہ تک آمدورفت کے لئے کرایہ اور دیگر اخراجات کے لئے کافی ہو اور جن کا خرچہ آپ کے ذمہ لازم ہو سفر حج سے واپسی تک کے لئے ان کو خرچہ دے سکتے ہوں تو آپ پر حج فرض ہے پہلے اپنے فریضہ حج کو ادا کر لیا جائے ممکن ہے بعد میں کوئی رکاوٹ پیش آ جائے اور آپ حج کی سعادت سے محروم رہ جائیں اور یہ عظیم فریضہ آپ کے ذمہ باقی رہ جائے۔

اولاد کا نکاح بھی بہت ضروری ہے، احادیث شریف میں اس کی بہت تاکید آئی ہے، فریضہ حج سے فراغت کے بعد ان کی شادی کی بھی فکر اور انتظام کیا جائے، مگر ان کی شادی کی وجہ سے حج مؤخر نہ کیا جائے، فقہائے کرام نے مکہ مکرمہ تک آمدورفت کا کرایہ اور جن کا خرچہ ضروری ہے ان کے خرچہ کا انتظام کرنے پر قادر ہونا بیان کیا ہے، بچوں کی شادی کا خرچ بیان نہیں کیا (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ ۲۷۶ بحوالہ زبدۃ المناسک ج ۱/ص ۱۲ او ہکذا معلم الحجاج /ص ۹۱)

☆......☆......☆

حج مقبول کی پہچان

مسئلہ:......حج مقبول وہی ہے جس سے زندگی کی لائن بدل جائے، آئندہ کے لئے گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہو اور اطاعت کی پابندی کی جائے۔ حج کے بعد جس شخص کی زندگی میں خوشگوار انقلاب نہیں آتا اس کا معاملہ مشکوک ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۲۵)

☆......☆......☆

خوابوں کی تعبیر

مولانا عبداللہ صفدر



قاریات سے گزارش ہے کہ "خوابوں کی تعبیر کے لئے خط بھیجتے وقت چند باتوں کا خیال ضرور رکھیں۔

☆......تحریر صاف ستھرے کاغذ پر لائن چھوڑ کر لکھیں۔ ☆......ایک صفحہ پر ایک خواب تحریر کریں۔ ☆......تحریر صاف اور واضح ہو۔ ☆......لفافہ پر "خوابوں کی تعبیر" ضرور لکھیں۔ ☆......اپنے خواب ماہنامہ حیا کے ای میل ایڈریس Hya.diegest@gmail.com پر بھی ارسال کر سکتے ہیں۔

نوٹ: جن خوابوں کی تعبیر کی اشاعت شمارہ میں نہ ہوگی ان کو تحریری جواب بھیج دیا جائے گا۔
جوابی لفافہ لازمی اپنے خواب نامہ میں رکھیں۔

خواب:......میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ عصر کا وقت ہے، میں اپنے ایک دوست کے ساتھ پھیر رہا ہوں، اچانک آسمان پر ستارے نظر آنے لگ جاتے ہیں اور ستارے آسمان پر جھنڈ کے جھنڈ چل رہے ہیں اور اچانک ستاروں میں آگ لگ جاتی ہے اور تیز ہوا چلنے لگ جاتی ہے اور درخت زمین سے اکھڑنے لگ جاتے ہیں اور اچانک اسی لمحہ ایک زور دار دھماکہ ہوتا ہے اور آسمان پھٹ جاتا ہے اور اندر سے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے نکل رہے ہوتے ہیں اور فضا میں شور اٹھتا ہے کہ قریبی پہاڑ پھٹ گئے ہیں اور پھر میں بھاگ نکلتا ہوں

اور لوگوں کو بتاتا پھیر رہا ہوں کہ لوگوں قیامت آگئی ہے، دیکھو آسمان پھٹ گیا ہے اور پہاڑ اُڑ رہے ہیں، میں اپنے گھر میں داخل ہوتا ہوں، گھر والوں کو بتاتا ہوں، جس پر گھر والے میری بات کو مذاق سمجھتے اور یقین نہیں کرتے اور خواب ختم ہوجاتا ہے۔

(اسرار الحق شاہ)

تعبیر: ......آپ کے خواب میں قیامت کی کیفیت کو ایک منظر کی صورت میں دکھایا گیا ہے، آج لوگ قیامت اور آخرت کے مراحل سے غافل ہیں، شاید آپ کے گھر والے بھی اسلامی زندگی کو اپنانے میں دشواری محسوس کرتے ہیں، آپ اپنے متعلقین کو اعمال کی دعوت دیتے رہیں، اگر ترتیب بن سکے تو کچھ وقت تبلیغ میں بھی لگائیں اور گھر والوں کو بھی جوڑیں۔ مزید آپ کے خواب میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس وقت امت مسلمہ مجموعی اعتبار سے جس طرح فخریہ معصیت کا ارتکاب کرتی ہے اور شاذ و نادر ہی ندامت محسوس کرتی ہے جس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا غصہ متوجہ ہوتا ہے اور عذاب خداوندی کی صورتیں بنتی ہیں، توبہ کی دعوت کو عام کریں، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائیں اور خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

☆......☆......☆

خواب: ......میں نے خواب دیکھا کہ میں اپنے گاؤں محمود کوٹ کسی رشتہ دار کے گھر جاتا ہو، وہ سب ٹی وی پر ڈرامہ دیکھ رہے ہوتے ہیں، میں بھی دیکھنے لگتا ہوں، اس ڈرامے کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک لڑکی کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ جاتی ہے اور وہ کورٹ میرج کر لیتے ہیں، کچھ عرصہ تو وہ آدمی لڑکی کے ساتھ ٹھیک رہتا ہے، پھر بعد میں ان کے گھر لڑائی معمول بن جاتی ہے، لڑکی کو بعد میں پتہ چلتا ہے کہ وہ قادیانی لڑکا اس کا خاوند ہے تو وہ کسی طرح اپنے گھر رابطہ کرتی ہے، اس کا رابطہ اس کے بھائی سے ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے، آپ کسی طرح سے وہاں سے گھر تک آجاؤ، میں صورت حال سنبھال لوں گا، وہ لڑکی گاڑی میں بیٹھ کر آتی ہے، گاڑی ابھی ان کے دروازے کے سامنے تھی، اس کا بھائی کھڑکی یا روشن دان سے دیکھتا ہے اور باہر آجاتا ہے، لڑکی ابھی گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلی ہی تھی کہ پیچھے سے ایک گاڑی آئی، اس لڑکی کو ٹکر ماری، جس سے وہ مرگئی اور وہ گاڑی چلانے والا اس کا خاوند ہی تھا جو بھاگ گیا، اس کے قریب ہی مسجد سے اذان ہوئی، ہم یعنی میں اور اس گھر کے آدمی نماز پڑھنے مسجد میں گئے، نماز ہو رہی تھی، ہم نماز میں شامل ہوگئے، نماز کے بعد امام سے ملاقات کی، جو کہ خوش اخلاق نظر آرہا تھا، پھر مسجد سے باہر آئے اور گھر چلے گئے، اس کے بعد دوسری نماز کے وقت ابھی مسجد سے باہر ہی تھے کہ ایک دوست ملا، اس نے بتایا کہ یہ امام قادیانی ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے بھی، جب مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ مسجد میں دو جماعتیں ہو رہی ہیں، ایک وہ امام اور دوسری جماعت میرا دوست کرا رہا ہے، میں نے دوست کی اقتداء میں نماز ادا کی اور سیدھا اس امام کے پاس گیا اور غصہ سے باتیں کرنے لگا اور مجھے اس بات کا بہت افسوس ہو رہا تھا، میں نے ایک نماز اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمن کے ساتھ کھڑے ہوکر ضائع کردی، دوست نے بتایا کہ اگر اس امام نے آپ کو کوئی چیز دی ہوئی ہے تو واپس کرنے کا کہے گا، جب میں اس سے غصہ ہوا تو اس نے کہا کہ میری بوتل واپس کرو، میں نے کہا کہ وہ بوتل میں نے کاٹ دی اور ایک حصہ سے گھر میں موجود گندے پانی کو نکالا، اس نے کہا، جیسی بھی ہے، واپس کرو، میں نے کہا، ضرور واپس کروں گا، اس کے بعد میں گاؤں کے دوسرے لوگوں سے ملا تو مجھے اس کا اندازہ ہوا کہ یہاں کے لوگ بہت محتاط ہوگئے ہیں، بولتے ہیں کہ ہم جس سے باتیں کررہے ہیں آیا کہ وہ مسلمان ہے یا قادیانی، اس کے بعد آنکھ

کھل گئی، یہ خواب چھ رمضان المبارک کو سحری کے وقت دیکھا تھا، ہمارا گاؤں وہ ہے جہاں مفتی محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ رہتے تھے، جن کو فوت ہوئے، چند دن گزرے ہیں، ان کے بیٹے مفتی عبدالرحمان جامی صاحب ہیں۔

(مفتی محمد صدیق صاحب، مہتمم جامعہ امداد العلوم محمود کوٹ)

تعبیر: ......قادیانیت اس دور کا عظیم فتنہ ہے اور ختم نبوت کی محنت ایک عظیم محنت ہے، دوسرے جھوٹے مدعیان نبوت میں ہیں اور اس دجال (مرزا قادیانی) میں ایک اہم فرق ہے اور وہ یہ کہ یہ قادیانی اپنی جھوٹی اور انگریزی نبوت کو اسلامی لبادہ میں پیش کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے مسلمانوں کو فریب عظیم دیتے ہیں، آپ کا خواب بڑا فکر مندانہ خواب ہے، نہ جانے کتنے قادیانی مسلمان گھرانوں میں شادی کر کے ہمارے ایمان سے کھیلتے ہیں اور کتنے مذہبی پیشواؤں کے روپ ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، یہ پاکستان دشمن بھی ہیں اور اسلام دشمن بھی، ان کی ہمیشہ سے محنت یہ ہے کہ مال و دولت اور عورت کی بنیاد پر لوگوں کے دین پر ڈاکہ ڈالو، آج جو اسلامی تعلیمات کو بڑا ہی مسخ کر کے پیش کیا جارہا ہے، اس میں اس فتنے کا بنیادی کردار معلوم ہوتا ہے، صحیح علماء اور صلحاء کی علامات معلوم کرنا اور ان کی صحبت اختیار کرنا ہماری ذمہ داری ہے، اس فتنہ کے سازشی طریقوں سے خود بھی کماحقہ آگاہ ہوں اور دوسروں کو بھی آگاہی دیں، یہ خواب اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ آپ سے اس محاذ پر بڑا کام لیں گے اور یہ قادیانی نام نہاد علماء کا روپ اختیار کر کے اسلام کے خلاف کام کررہے ہیں، آپ اپنے محلہ کے امام صاحب، قریبی مساجد کے ائمہ حضرات سے مشاورت میں رہیں، انتشار سے بچتے ہوئے کام کریں، مجھ کو بھی دعاؤں اور خصوصی مناجات میں یاد رکھیں۔

☆......☆......☆

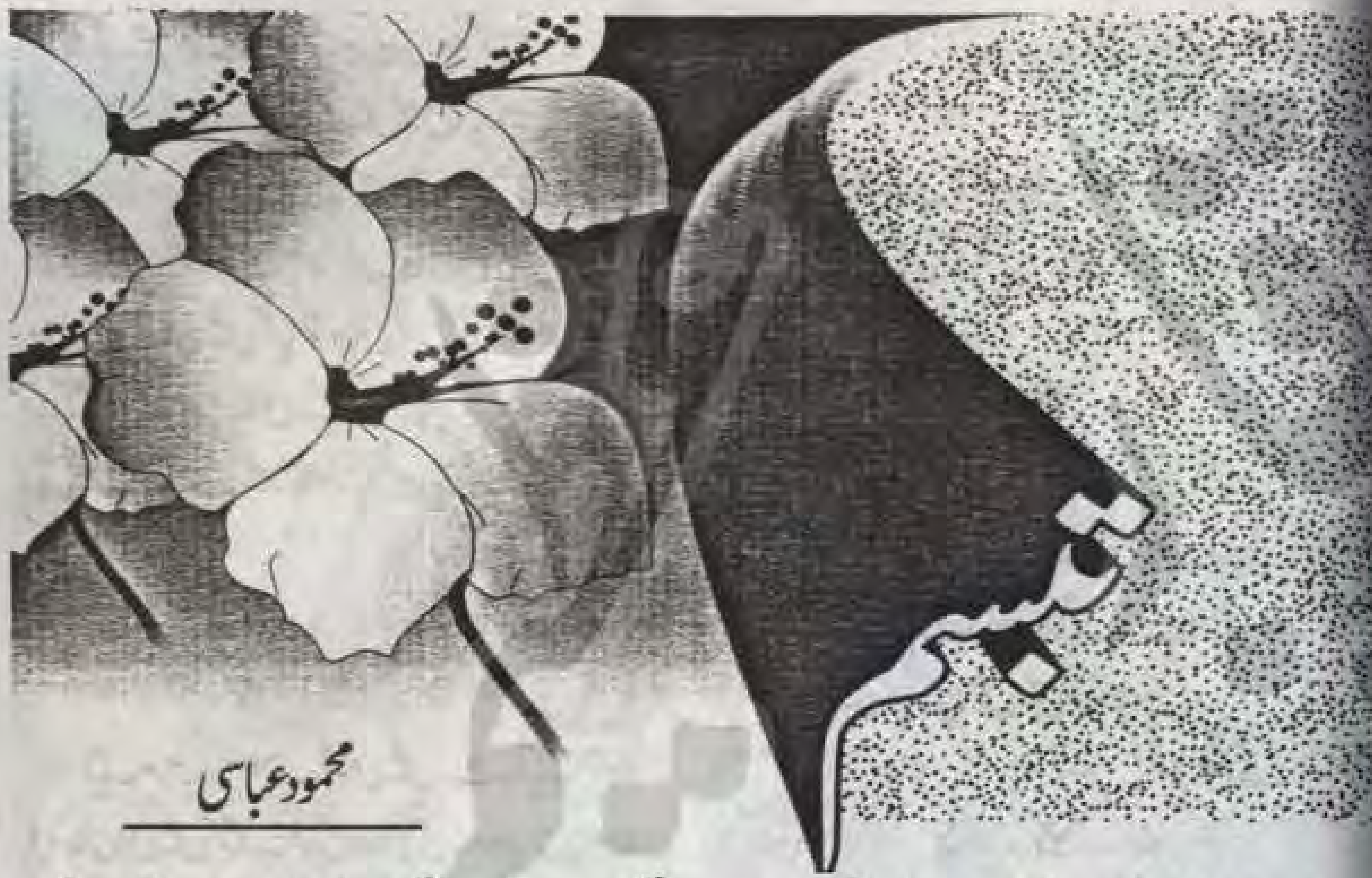
خواب: ......میں ایک عجیب وغریب خواب کے بارے میں لکھ رہی ہوں، میں خواب میں دیکھتی ہوں کہ چند عجیب قسم کے جہاز ہیں، وہ جہاز ایسے ہیں کہ ان کا تعلق دنیا اور دنیا والوں سے نہیں ہے، ان جہازوں میں جو لوگ ہیں، وہ دور، کہیں، بہت دور رہتے ہیں، اچانک مجھے کسی طرح ان میں سے ایک جہاز میں سوار کرلیا جاتا ہے، اب یہ جہاز ہوا میں اُڑنا شروع کرتے ہیں اور اُوپر، بہت اوپر جا کر وہ تمام کے تمام جہاز گم ہوجاتے ہیں ہمیشہ کے لئے، چونکہ میں نے یہ خواب کئی بار دیکھا، لہٰذا ہر دفعہ خواب کے حالات کچھ نہ کچھ مختلف ضرور ہوتے ہیں، مگر جہاز، آسمان، پانی اور عجیب وغریب لوگ، یہ چند چیزیں ہر خواب میں موجود ہوتی ہیں، میں اوپر بتانا بھول گئی کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جہاز آسمان میں گم نہیں ہوتے بلکہ اڑتے اڑتے اچانک کسی سمندر میں اتر جاتے ہیں اور اس میں ہمیشہ کے لئے گم ہوجاتے ہیں، کبھی خواب میں یہ بھی دیکھتی ہوں کہ جہاز مجھے اڑتے ہوئے نظر ضرور آتے ہیں مگر میں ان میں سوار نہیں ہوتی، جہاز بہت خوبصورت ہوتے ہیں اور ان میں لائٹیں جل رہی ہوتی ہیں، اکثر تو شیشے سے بنے ہوئے لگتے ہیں، جن کے آر پار دیکھا جاسکتا ہے اور انہیں دیکھ کر کبھی میرے ذہن میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ یہ جہاز نہیں، اُڑن طشتریاں ہیں جنہیں ہوائی مخلوق چلا رہی ہے، چند ایک دفعہ خواب میں، میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں اڑن طشتری میں بیٹھی ہوں، جس کی دیواریں سلنڈر کی طرح گول ہیں اور اس کی چھت اور فرش دونوں چپٹے ہیں، یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس خواب کو دیکھنے کے دوران میرے ذہن پر وطنیت چھائی ہوئی ہے، کبھی مجھے لگتا ہے یہ جہاز دشمن ملک نے بھیجے ہیں، کبھی ان جہازوں سے میزائل گرائے جاتے ہیں، کبھی مجھے جہاز میں بٹھا کر بہت اوپر لے جایا جاتا ہے، شاید کسی دوسرے سیارے پر، جہاں

مجھے اوروں کے ساتھ دشمن ملک سے جہاد کی تربیت دی جاتی ہے، کبھی دیکھتی ہوں جنگ ہو رہی ہے، دشمن ملک (وہ ملک اکثر بھارت ہوتا ہے) نے پاکستان پر حملہ کر دیا ہے اور حملہ آور جہازوں پر بیٹھ کر آئے ہیں، کبھی دیکھتی ہوں، مجھے دوسروں کے ساتھ جہاز میں سوار کر کے جہاز کسی بہانے دشمن ملک پہنچا دیا جاتا ہے، یوں ہمیں اغوا کر لیا جاتا ہے، یہ تک دیکھتی ہوں کہ ہم لوگ وہاں پر دشمنوں پر فائر کھول دیتے ہیں، پھر جوابی فائرنگ بھی ہوتی ہے جس پر ہم میں سے بہت سے شہید ہو جاتے ہیں، کبھی دیکھتی ہوں دشمن طیارہ تباہ ہو گیا، کبھی کوئی پاکستانی طیارہ تباہ ہو جاتا ہے، یہ بات بھی حیرت ناک ہے کہ میں بچپن سے اب تک اس خواب کو مسلسل دیکھتی چلی آ رہی ہوں اور اپنی تمام زندگی میں، میں اس خواب کو تقریباً ڈیڑھ سو مرتبہ دیکھ چکی ہوں، دو سال پہلے برمودا ٹکون اور شیطانی سمندر پر کچھ لٹریچر میری نظروں سے گزرا تو حیرت کے مارے میری آنکھیں پھٹ گئیں، کیونکہ مجھے خواب میں نظر آنے والے تمام کے تمام مناظر وہی ہیں جو اس لٹریچر میں دکھائے گئے، سوال یہ ہے کہ اس خواب میں میرے لئے کون سا پیغام چھپا ہے؟ دشمن طاقتیں، اسلام دشمن، جہازوں کا سمندر میں ہمیشہ کے لئے گم ہونا، مستقبل قریب میں چھڑنے والی جنگوں اور جہاد کی پیشگی علامات یعنی میزائلوں کا گرایا جانا، یہی سب کچھ تو ہمارے اردگرد ہو رہا ہے اور اگر بقول مسلم ماہرین کے یہ سب کچھ ابلیس اور دجال ترتیب دے رہے ہیں تو خواب میں، میں بھی اس سلسلے پر کام کرنے والی طاقت کو ہوائی طاقت کے روپ میں ہی دیکھتی ہوں، کبھی تو خواب میں بالکل واضح پتہ چلتا ہے کہ اس تمام تر نظام کو چلانے، جہازوں اور اڑن طشتریوں کو اڑانے اور ان کو گم کرنے والا شیطان ہے، برائے مہربانی اس خواب کی تسلی بخش تعبیر بتایئے، یہ بھی بتاتی چلوں کہ دشمن طاقتوں، دجلی سازشوں، ابلیسی ہتھکنڈوں، برمودا ٹکون اور شیطانی سمندر کے بارے میں تو میں نے حالیہ دو سالوں میں پڑھا ہے ورنہ اس سے پہلے میں اس سب کچھ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی جبکہ یہ خواب تو میں بچپن سے دیکھتی چلی آ رہی ہوں، یعنی اس خواب کو محض خیالی خاکہ یا خیالی خواب نہیں کہا جا سکتا۔

(مسز انجم)

تعبیر: ......محترمہ! اللہ پاک نے آپ کو بچپن ہی سے ایک خاص نعمت عطا فرمائی ہے جو خالصتاً روحانی ہے، اس کو منامی کشف اور القائی کیفیت سے معنون کرتے ہیں، علم غیب تو اللہ ہی کو حاصل ہے، قرب قیامت ہے دجال کے زمانے میں کون سے ہتھیار استعمال ہوں گے، اللہ ہی کو پتہ ہے یہ سب ایک قسم کا تخمینہ ہیں، مگر ان میں قوت ہے کہ اگر یہ ہی زمانہ دجال کا ہے تو اس زمان کے روایتی ہتھیار تو یہ ہی ہیں، پھر آثار قیامت اور آمد دجال سے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں اور دجال کے زمانہ میں جس ماحول کی منظر کشی کی گئی ہے تو موجودہ حالات اسی پر منطبق ہو سکتے ہیں، اس کی گنجائش ہے، مگر ظنیات کے درجہ میں قطعیات کے درجے میں نہیں، آپ اعمال میں منہمک رہیں، چونکہ احادیث میں عورتوں کا سب سے زیادہ دجال کے فتنہ میں مبتلا ہونا بتلایا گیا ہے، اس لئے اپنی صنف میں زیادہ محنت کریں، سورۃ الکہف کی ابتدائی دس آیات اور آخری رکوع کا خاص اہتمام کریں اور سب گھر والوں کو بھی کروائیں، تاکہ ہم سب دجالی فتنوں سے محفوظ رہیں۔ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی تفسیر سورۃ الکہف کا مطالعہ کریں اور اگر ممکن ہو سکے تو سمجھدار لوگوں میں اس کی تعلیم بھی کریں۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

☆......☆......☆



محمود عباسی

ایک آدمی کو شور کرنے کی وجہ سے ایک محفل سے نکال دیا گیا، بعد میں اس کے دوستوں نے اس سے افسوس کا اظہار کیا تو وہ بولا۔

کوئی بات نہیں، یہ تو ایک چھوٹی سی محفل تھی، مجھے تو بڑی بڑی محفلوں سے نکالا جا چکا ہے۔

☆......☆......☆

ایک موٹا آدمی (ڈاکٹر سے)

سنا ہے کہ کھیلنے سے موٹاپا کم ہوتا ہے، پر مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑا۔

ڈاکٹر: کون سا کھیل کھیلتے ہیں آپ؟

موٹا آدمی: چیل اُڑی، کوا اُڑا۔

(ساجدہ یوسف، محمدی کالونی، سرگودھا)

☆......☆......☆

ایک پروفیسر صاحب کلاس میں داخل ہوئے اور اطمینان سے بیٹھنے کے بعد بائیں جیب میں اپنا قلم تلاش کرنے لگے۔ جب بائیں جیب میں قلم نہ ملا تو گھبرا کر بولے۔

"اوہ! میں اپنا قلم تو گھر ہی بھول آیا، اب کیا ہوگا؟" وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر سوچنے لگے، پھر یکایک ان کی آنکھوں میں چمک آ گئی اور ایک لڑکے سے کہنے لگے۔

"سنو! تم ذرا دوڑ کر جاؤ اور میرے گھر سے قلم لے آؤ۔"

لڑکا بڑے ادب سے بولا۔ "لیکن جناب! مجھے آپ کا گھر نہیں معلوم۔"

پروفیسر صاحب نے جواب دیا۔ "کوئی بات نہیں، لو میں گھر کا پتہ لکھے دے رہا ہوں۔"

انہوں نے دائیں جیب سے قلم نکال کر ایک کاغذ پر پتہ لکھا اور بولے۔ "یہ لو ذرا جلدی آنا، مجھے قلم کی سخت ضرورت ہے۔"

(مراسل: شیراز خان، لانڈھی، کراچی)

☆......☆......☆

دو بے وقوف عجائب گھر دیکھنے گئے، انہوں نے ایک انسانی ڈھانچہ دیکھا، جس پر 1580ء لکھا ہوا تھا، ایک بے وقوف کہنے لگا۔ "ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی ٹرک کے نیچے آ کر ہلاک ہوا ہے۔" دوسرا بولا۔ "ہاں! اسی لئے عجائب گھر والوں نے اس کا ٹرک نمبر بھی لکھ دیا ہے۔"

(مراسلہ: عمیرہ فہیم، کوئٹہ)

☆......☆......☆

ہوٹل کے مالک نے ویٹر سے پوچھا: پانچ نمبر میز

والا گاہک تیزی سے اٹھ کر باہر کیوں چلا گیا؟

ویٹر نے جواب دیا، سمجھ میں نہیں آیا، اس گاہک نے قیمے کا آرڈر دیا، لیکن قیمہ تیار نہیں تھا، میں نے اس سے کہا کہ اگر وہ چند منٹ انتظار کرے تو میں قیمہ بنا کر لا سکتا ہوں، میں کچن میں گیا تو وہاں آپ کا کتا کھانا کھا رہا تھا، غلطی سے میرا پاؤں کتے کی دم پر پڑ گیا، کتا تکلیف کے مارے زور سے بھونکا اور میز نمبر پانچ والا گاہک تیزی سے بھاگ نکلا۔

(فرحان احمد، چکوال)

☆......☆......☆

ایک مرتبہ دو مصنف آپس میں ملے۔ ایک مصنف کی حال ہی میں کتاب شائع ہوئی تھی۔ دوسرے مصنف نے کہا۔ میں نے تمہاری کتاب پڑھی، بڑی زبردست تھی۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کس سے لکھوائی؟

پہلا مصنف: جواب دیتے ہوئے کہتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے اسے پسند کیا۔ یہ بتاؤ تم نے یہ کس سے پڑھوائی۔

(میمونہ ایوب، کراچی)

☆......☆......☆

استاد (شاگرد سے) تمہارے والد نے میرے لئے جو آٹھ سیب بھیجے تھے، ان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میں آج شام تمہارے گھر آؤں گا، اپنے والد کو اطلاع دے دینا۔

ضرور اطلاع دوں گا، شاگرد نے کہا، لیکن اگر آپ آٹھ کے بجائے بارہ سیبوں کا شکریہ ادا کریں تو میں بھی آپ کا شکر گزار رہوں گا۔

(حمزہ اقبال، چکوال)

☆......☆......☆

باپ نے اپنے بیٹے کو مارتے ہوئے کہا: "بیٹا! میں تمہیں اس لئے مار رہا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔"

بیٹے نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ کاش میں بھی محبت کا جواب محبت سے دے سکتا۔

(آمنہ حمید، راولپنڈی)

☆......☆......☆

ماں (بیٹی سے) مجھے پانی پلاؤ، میں مری جا رہی ہوں۔

بیٹی: امی میں بھی آپ کے ساتھ مری جاؤں گی۔

(ہما اکرام، لاہور)

☆......☆......☆

ننھا سفیان صبح کی نماز کے بعد گڑگڑا کر دعا مانگ رہا تھا، یا اللہ جہلم کو پاکستان کا دارالخلافہ بنا دے۔

ماں: بیٹا تم یہ دعا کیوں مانگ رہے ہو؟

بیٹا: میں پرچے میں یہی لکھ آیا ہوں۔

(علی ملک، جہلم)

☆......☆......☆

شاہد نے اسکول سے آتے ہی امی جان کو کہا:
"ممی! پلیز کم ہیئر۔"

امی نے خوشی سے کہا کہ ارے شاہد! تمہیں تو خوب انگلش بولنا آ گئی ہے، یہ بتاؤ جب تمہارا مجھے گھر سے باہر بھیجنے کا ارادہ ہو تو تم کیا کہو گے؟

شاہد کافی دیر تک غور کرتا رہا، پھر دوڑ کر گیٹ سے باہر نکل گیا اور بلانے کا اشارہ کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا: "ممی! پلیز کم ہیئر۔"

(عمر فاروق، لاہور)

☆......☆......☆

ایک بینک میں ڈاکو لوٹ مار کر رہے تھے، ڈاکو نے ایک آدمی سے پوچھا۔

تم نے ہمیں لوٹ مار کرتے ہوئے دیکھا ہے؟

آدمی: ہاں!

ڈاکو نے اس آدمی کو گولی مار دی۔

پھر ڈاکو دوسرے آدمی سے: تم نے دیکھا ہے؟

آدمی: نہیں جناب! میں نے نہیں دیکھا، لیکن میری بیوی نے بہت غور سے دیکھا ہے۔

(خدیجہ رشیدی، کمالیہ)



آؤ ان کو بچانے کی کوشش کریں

(زلزلہ و سیلاب زدگان کیلئے)

حشر برپا ہوا...... سب دیے بجھ گئے تیرگی چھا گئی...... یوں قیامت سے پہلے قیامت ہوئی...... جو بچے ہیں وہ عبرت نشاں بن گئے...... جیتے جی مر گئے جیتے جی مر گئے...... مہر چپ ہے زباں پر...... عجب حال ہے...... کچھ سوالات ہے ان کی آنکھوں میں اب...... اک جھلک چاہیے...... اپنے پیاروں کی بس...... وہ جو بھائی ہیں بہنیں پریشان ہیں...... ہاں یہی وقت ہے...... حوصلہ دیں انہیں...... پھول سے نونہالوں کو اے دوستو!...... دست شفقت ہمارا بھی...... درکار ہے...... ان ستاروں کے دامن میں ہم ڈال دیں......

(شاعر...... طاہر سلطانی، کراچی)

☆......☆......☆

یہ کیسی محبت ہے؟

سنا تھا ہم نے لوگوں سے...... محبت چیز ایسی ہے...... چھپائے چھپ نہیں سکتی...... یہ آنکھوں میں چمکتی ہے...... چہروں پر دمکتی ہے...... یہ لبوں میں جھلکتی ہے...... دلوں تک کو گھلاتی ہے...... لہو ایندھن بناتی ہے...... اگر یہ سچ ہے تو پھر...... ہمیں اس ذات حق سے...... یہ کیسی محبت ہے...... نہ آنکھوں سے جھلکتی ہے...... نہ لبوں سے سلگتی ہے...... نہ دلوں کو آزماتی ہے...... نہ راتوں کو رلاتی ہے...... نہ یہ مجنوں بناتی ہے...... عجب ایسی ہے...... تو یہ کیسی محبت ہے......

(طیبہ احمد، فاطمہ اسحاق، معلمات مدرسہ جامعہ فاروقیہ کمالیہ)

☆......☆......☆

دختر پاکستان

یہ عافیہ یہ امریکیوں کے ظلم و ستم کا نشان   شرم اے شایانِ دنیا شرم اے حکمران

اس قدر بے غیرت یہ دنیا ہوگئی
کہ دیکھتے ہی دیکھتے عافیہ امریکیوں کے حوالے ہوگئی

کی گئیں پامال تیری بیٹیوں کی عصمتیں
امریکیوں کے ہاتھوں اف یہ تیری ذلتیں

دندناتے پھر رہے ہیں تیرے ملک میں امریکی
اس قدر تو کمزور ہوگیا ہائے یہ تیری بے حسی

اے مسلماں کہاں گیا وہ جوش ایمانی تیرا
کیا تجھ میں باقی نہیں وہ جذبہ قربانی تیرا

نام کے ڈنکے تیرے بجتے تھے دنیا میں کبھی
پھول کھلتے تھے قدم سے تیرے صحرا میں کبھی

ولولہ اک سرفروش کا تیرے خوں میں تھا
تیری جانبازی کا چرچا دنیا کے چار سو میں تھا

جب تلک سینے میں تیرے گرمئی ایماں رہی
لرزہ و خوف زدہ تجھ سے گردش دوراں رہی

جب سے تیرے ملک کے حکمراں ہوئے بیٹیاں فروش
تب سے ہونے لگا تو برباد ہائے صدا افسوس

کیا یہی سزا ہے ہر ''دختر پاکستان'' کی
اے حکمرانوں یہی نشانی ہے تمہارے ایمان کی

ہوش میں لے گا خدا تجھ سے کڑا امتحاں
تلوار اٹھا میداں بھی آ دکھا دے اپنا ایماں

گر تو خود کو وقف کرے گا عافیہ کی عظمت کی خاطر
اے یعقوب رحمت حق آئے گی تیری نصرت کی خاطر

(شاعر:...... محمد یعقوب قریشی، کراچی)

☆......☆......☆

عافیہ

میری بہن پیاری بہن عافیہ
ہم ہیں شرمندہ دشمن ہیں تیرے زندہ

ہم سے جو ہو سکا کر دکھائیں گے ہم
تجھ کو اس کوٹھری سے آزاد کرائیں گے ہم

میری بہن پیاری بہن عافیہ
دشمن تیرے پچھتائیں گے اک دن ضرور

تجھ کو اس کوٹھری سے آزاد کریں گے ایک دن
تیری بہادری تیری جرات کی دیں گے مثال ایک دن

میری بہن پیاری بہن عافیہ
ہم ہیں شرمندہ دشمن ہیں تیرے زندہ

پیاری بہن تیرے زخموں پر مرہم بھی نہ رکھ سکے ہم
تجھ کو تیرے بچوں سے بھی ملوا سکے نہ ہم

ماں بھی تیری تڑپتی ہے رات دن تیرے لئے
بہن بھی آنسو بہاتی ہے یاد میں تیری

تیرے بچے بھی ہوگئے تیری ممتا سے محروم
میری بہن پیاری بہن عافیہ

رشک آنے لگتا ہے تیری برداشت پر
آنسو نکلنے لگتے ہیں تیرے اوپر ڈھائے گئے ظلم کا سن کر

آے عافیہ تیری جرات، ہمت کو سلام
میری بہن پیاری بہن عافیہ

(رومان جمیل، شادن لُنڈ)

☆......☆......☆

منتظر

ہم زبان میرے تھے اُن کے دل مگر اچھے نہ تھے
منزلیں اچھی تھیں میرے ہم سفر اچھے نہ تھے

جو خبر پہنچی یہاں تک اصل صورت میں نہ تھی
تھی خبر اچھی مگر اہل خبر اچھے نہ تھے

بستیوں کی زندگی میں بے زری کا ظلم تھا
لوگ اچھے تھے وہاں کے مگر اہل زر اچھے نہ تھے

ہم کو خوباں میں نظر آتی تھیں کتنی خوبیاں
جس قدر اچھے لگے وہ اس قدر اچھے نہ تھے

اس لئے آئی نہیں گھر میں محبت کی ہوا
اس محبت کی ہوا منتظر اچھے نہ تھے

☆......☆......☆

مناجات

مری انتہائی تمنا یہی ہے
بلا کچھ پٹائی ہی مل جائے جنت

نہیں اس کے لائق یہ میں جانتی ہوں
مگر آگ سہنے کی ہمت نہ طاقت

دعا خود یہ میں نے بنائی نہیں ہے
مری تھانوں کی ہے عدالت

الٰہی دکھاوے سے مجھ کو بچانے
تباہ ہورہی ہے اسی میں امت (آمین)

(عمارہ جمیل، شادن لُنڈ)

☆......☆......☆

جامعہ کے لئے نظم

میرے جامعہ تو آباد رہے
تیرا ہر اونچا مینار رہے

یہ بستی قرآن کی بستی ہے
یہ دین ایمان کی بستی ہے

اے بستی تو آباد رہے
تیرا ہر کونہ آباد رہے

میرے جامعہ تو آباد رہے
تیرا ہر اونچا مینار رہے

یہاں لاکھوں بلبلیں آتی ہیں
وہ نعتیں علم کے گاتی ہیں

یہ کہتے ہوئے اڑ جاتی ہیں
میرے گلشن تو آباد رہے

میرے جامعہ تو آباد رہے
تیرا ہر اونچا مینار رہے

(انتخاب:...... رافعہ عبدالغنی، طیبہ احمد، مدرسہ جامعہ فاروقیہ للبنات، کمالیہ)

☆......☆......☆

مدحت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

محمد میرا محبوب، محبوب خدا ہے
محبت ان سے مری ہر رشتے سے ورا ہے

محبِ محبوب ہے ذات ان کی
جنت ان سے محبت کی جزا ہے

ان سے محبت ہی مرکز دین ہے
محبت پہ ان کی، ایمان کی بنا ہے

سارا جہاں ان سے محبت کا ہے مظہر
محیط سارے جہاں پر محبت اللہ ہے

محبوب ہے اللہ کو فقط ان کی نقالی
اسوۂ مصطفٰے میں اللہ کی رضا ہے

کلمہ تو پڑھے، نہ پڑھے درود گر کوئی
راندہ محبت سے اور وہ صاحب جفا ہے

ان کی اطاعت ہے اللہ سے محبت
قرآن میں یہ اللہ نے واضح کیا ہے

لاکھوں درود ان پر اربوں سلام ان پر
رہے وظیفہ دائم میرا، اللہ سے دعا ہے

رنگ تغزل، نہ دعویٰ ترنم — اسی انداز تکلم میں محبت انخفا ہے
ملاقات خلد بریں میں خالد ان سے جو چاہے — صرف ان سے محبت سوا اس کے کیا ہے

(شاعر:......ڈاکٹر حافظ عبدالغنی خالد، کمالیہ)

☆......☆......☆

نظم

راہِ وفا میں ہر سو کانٹے دھوپ زیادہ سائے کم — لیکن اس پر چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم
عمر گلوں کی دو دن جس میں یہ بھی قیامت بہت گئی — دستِ ہوس نے نوچ لاکھوں شاخوں پر مُرجھائے کم
آہ یہ ظالم تلخ حقیقت جتنے سفینے غرق ہوئے — اکثر اپنی موج میں ڈوبے طوفاں سے ٹکرائے کم
لاپروی کا سب کو دعویٰ سب کو غرورِ عشق و وفا — راہِ وفا پر چلنے والے ہم نے لیکن پائے کم
دھیمی دھیمی چال سے ہم کو راہگذر طے کرنی ہے — ناز تھا جن کو تیز روی پر منزل تک وہ آئے کم
مجھ سے شکایت دنیا بھر کو شدتِ غم میں رونے کی — لیکن مجھ کو اس کا رونا آنکھ میں آنسو آئے کم
صرف یہی ہے ایک طریقہ دنیا میں خوش رہنے کا — دستِ تمنا کھینچے زیادہ دامنِ دل پھیلائے کم
صبر و سکوں کی دنیا ٹوٹے حسن دکھا کر جلووں کو — عشق مگر خود شب بھر تڑپے اوروں کو تڑپائے کم
عشق ادب کا نام ہے کیفی یہ بھی ادب میں شامل ہے — جس کی محبت دل میں بسی ہو اس کی گلی میں جائے کم

(شاعر: محمد زکی کیفی......مراسلہ:......حافظ محمود قریشی، کراچی)

☆......☆......☆

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

اے عشق جنوں پرور! پھر سوئے حرم لے چل — اک خاکِ پریشاں کے ذروں کو اڑا لے چل
کشتی مری آسوں کی اے سیل بلا لے چل — پتوار نہیں اس کی موجوں پہ بہالے چل
حالات کے قیدی کو اے سوزِ دعا لے چل — از بہر خدا لے چل تا شہرِ ہدیٰ لے چل
اس فصلِ بہاراں کی دیتا ہوں قسم تجھ کو — خوشبو کی طرح مجھ کو اے بادِ صبا لے چل
اس عشق محمد ﷺ! اب اتنی سی تمنا ہے — باطل کے طلسموں سے ایماں کو بچا لے چل
ہاں اے سبق "اقراء" ہاں اے "سفرِ اسراء" — جنت سے گرا ہوں میں پستی سے اٹھا لے چل
میخانے ہی میخانے! میخانوں میں بت خانے — یا رب! مرے سجدوں کو لٹنے سے بچا لے چل
رزم حق و باطل نے کھولا دیا خوں میرا — اے دل! مجھے اب سوئے میداں وغا لے چل
اے میرے خیالوں کی پرواز اڑا مجھ کو — اے میرے ہی نالوں کی پُر سوز نوا لے چل

(انتخاب:......ام ایمن، کراچی)

☆......☆......☆

ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ اللہ تعالیٰ عنہا

خدیجہ تھا نام اور لقب طاہرہ تھا — تجارت کا ان کی وسیع دائرہ تھا

بڑی شان والی تھیں حضرت خدیجہ — وہ سب سے نرالی تھیں حضرت خدیجہ
پریشانیاں ان پہ آئیں کڑی تھیں — محمد سے پندرہ برس وہ بڑی تھیں
وحی کا سبق جب خدا نے پڑھایا — نبی کو خدیجہ نے کمبل اوڑھایا
کل امت سے پہلے ہوئیں وہ مسلماں — تمام امتیوں کی پہلی تھیں وہ ماں
کیا جان و مال اپنا خاوند پہ قرباں — نچھاور کیے ان پہ روح و دل و جاں
خدیجہ کو حاصل سعادت بہت تھی — محمد کو ان سے محبت بہت تھی
محمد کی دلدار و غمخوار تھیں وہ — خدا کے نبی کی مددگار تھیں وہ
ہوئے ان پہ نازل غموں کے سمندر — رہیں تین سال آپ گھاٹی کے اندر
محمد کی اولاد ان سے ہوئی ہے — یہ پیاری سعادت بھی ان کو ملی ہے
خدیجہ ہوئیں گیارہ رمضاں میں رخصت — دے ہر ایک کروٹ پہ رب ان کو جنت
سفر جس کا کہلائے معراج و اسرا — وہ راہی قبر میں خدیجہ کی اترا
خدا جانے ان کی فضیلت اسامہ! — دیا ہے جنھوں نے نبی کو دلاسا

(شاعر:......محمد اسامہ سرسری، کراچی)

☆......☆......☆

اک تمنا (جو دل کو بے تاب رکھتی ہے ہر دم)

اللہ! مدینے کے دربار کی حسرت ہے — پھر ہم کو نبیؐ جی کے سرکار کی حسرت ہے
آنکھیں مری پیاسی ہیں دل وا پریشاں ہے — پھر شوق تمنائے انتظار کی حسرت ہے
ڈر ہے نہ بھٹک جاؤں اس گھور اندھیرے میں — پھر شمع رسالتؐ کے انوار کی حسرت ہے
ترے در کی بھکارن ہوں اس در کی سوالی ہوں — بھر دے مری جھولی کو ہر بار کی حسرت ہے
اے قافلے والو! جب جاؤ مدینے کو — کہنا مرے آقاؐ سے دیدار کی حسرت ہے
کب در پہ بلائیں وہ پھر جاؤں مدینے میں — اک بار میں ہو آئی سو بار کی حسرت ہے

(انتخاب:......فریدہ افتخار، پشاور)

☆......☆......☆

اہل مدارس کی آواز

ہمارے سامنے منزل ہے اِک، سراب نہیں — جادۂ عشق و جنوں ہے، یہ کوئی خواب نہیں
زماں زماں میں ظلمتوں کو مٹایا ہم نے — جو جگمگا نہ سکے، یہ وہ آفتاب نہیں
زمیں زمیں کو منور کیا کتابوں سے — جو بدقماش بنا دے، یہ وہ نصاب نہیں
کلامِ رب کی حفاظت تو رب کا وعدہ ہے — دلِ حفاظ سے مٹنے کی یہ کتاب نہیں
جو زمانے کے سمندر میں ڈوب جائے کہیں — نظامِ رب ہے کسی بحر کا حباب نہیں
عزم بلند اگر ہو تو خوف پھر کیا ہے — عزم ہی کیا ہے وہ، جو وجہ انقلاب نہیں

(عثمان غنی، جامعہ فاروقیہ فیز II، کراچی)



کاسمیٹکس کا استعمال احتیاط کے ساتھ

کاسمیٹکس کی خریداری کرتے وقت اس کو جانچنے کیلئے پہلے سے کھلے ہوئے پروڈکٹ کو ہرگز استعمال نہ کریں اور نہ ہی ان کو خریدیں۔ یہ بھی جلدی بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔ پیک کیا ہوا پروڈکٹ لینے پر اصرار کریں۔

کاسمیٹکس معجزات نہیں دکھاتیں لیکن وہ آپ کی جلد کو صاف ستھرا رکھنے اور اسے نرم و ملائم بنانے میں مدد ضرور کرتی ہیں۔ شہر کے جس بڑے اسٹور میں چلی جائیں، آپ کو کاسمیٹکس کی بہتات ملے گی، جو اپنی مقبولیت، شہرت اور بیوٹی کے دعوؤں کے ساتھ آپ کو خریداری کی ترغیب دے رہی ہوں گی، خوش ہونے کے لئے آپ انہیں ضرور استعمال کریں، یا یہ کہ اشتہار شائع کرانے والے آپ سے یہی توقع رکھتے ہیں اور چاہتے بھی یہی ہیں کہ آپ ان کے دعوؤں پر یقین کرلیں۔

کیا ان کے دعوے ہمیشہ سچ ثابت ہوتے ہیں؟ کیا وہ کاسمیٹکس آپ کے لئے ہمیشہ کارآمد ثابت ہوتی ہیں؟ اور یہ کہ کاسمیٹکس کا استعمال کتنا محفوظ ہے؟ کیا ان سے آپ کو الرجک ری ایکشن تو نہیں ہوجاتا؟ ان سے بچاؤ کس طرح سے ممکن ہے؟

جیسا کہ ایڈورٹائزرز دعوے کرتے ہیں کہ اگر آپ ان پروڈکٹس کو استعمال کریں تو آپ سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ کامیاب اور سب سے زیادہ تابندہ فروزاں شخصیت بن جائیں گی؟

بعض لوگ کاسمیٹکس پروڈکٹس سے بے انتہا کنفیوز ہوتے ہیں کیونکہ وہ تمام کے تمام بہت سے مختلف کام سر انجام دیتی ہیں۔ یہ بات اہم ہوتی ہے کہ کاسمیٹکس کے استعمال کے بارے میں واضح طور پر سمجھ ہونی چاہئے تاکہ آپ کو ان کے بارے میں عقلی لحاظ سے اور فہم و فراست سے فیصلے کرنے میں مدد مل سکے۔ کاسمیٹکس کی تعریف بہ طور ان ''اشیاء (صابن کے علاوہ) کی جاتی ہے، جو صفائی، حسن، دلکشی بڑھانے یا پھر جسم کی ساخت کی ظاہریت میں یا کارکردگی پر اثر کئے بغیر اس میں تبدیلی لانے کے لئے اس ارادے سے انسانی جسم پر لگائی جائیں۔ ان میں اسکن کیئر کریمیں، لوشن، پاؤڈرز اور اسپرے، پرفیوم، لپ اسٹکس، نیل پالش، آئی اور فیشل میک اپ، مستقل لہریں (گھنگھر)، ہیئر کلرز، ڈیوڈرینٹس، بے بی پروڈکٹس، باتھ آئلز، ببل باتھ اور ماؤتھ واش شامل ہیں، ان کے علاوہ کوئی بھی میٹریل جسے کسی کاسمیٹک پروڈکٹ کے جز کے طور پر استعمال میں اسی ارادے سے لایا جائے۔ وہ پروڈکٹس جو کسی بیماری کے علاج یا بچاؤ کے ارادے سے استعمال ہوتی ہیں یا بہ انداز دیگر انسانی جسم کے ڈھانچے (ساخت) یا کارکردگی پر اثر انداز ہوتی ہیں، انہیں ادویات (ڈرگز) سمجھا جاتا ہے۔

یہ سوزش یا برانگیختگی کا سبب ہوسکتی ہیں:...... ''نشاء'' ایک ٹین ایجر ہے جو کالج میں پڑھتی ہے، وہ برسوں سے کاسمیٹکس استعمال کرتی چلی آرہی ہے، لیکن ان کاسمیٹکس نے بھی جن کے بارے میں دعویٰ تھا کہ وہ الرجی فری ہیں، اس کے لئے مسائل تخلیق کردیئے ہیں، اس کا کہنا ہے ''میرے چھوٹی چھوٹی پھنسیاں بھی نکل آتی ہیں اور آنکھیں بھی سوج جاتی ہیں، سینٹ اور پرفیوم سے چھینکیں آنے لگتی ہیں، حتیٰ کہ جلد پر دھبے بھی پڑجاتے ہیں حتیٰ کہ ان بعض کاسمیٹکس سے بھی، جن کے بارے میں لکھا ہوتا ہے کہ یہ ہلکے (Mild) ہیں۔

''اگر آپ کو کسی مخصوص کاسمیٹک پروڈکٹ سے الرجی ری ایکشن ہوجاتا ہے تو آپ یقینی طور پر اسے استعمال نہ کریں، برسوں کے بعد اب مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ مجھے کیا استعمال کرنا چاہئے اور کیا نہیں۔''

آپ میں سے بعض شاید اس بات پر یقین کرتے ہوں کہ ''اگر یہ بازار میں ہے تو پھر یہ میرے لئے نقصان دہ نہیں ہوسکتی۔'' یہ سمجھنا بعض اوقات غلط ہوجاتا ہے، کاسمیٹکس اگر ہوشیاری اور دانشمندی کے ساتھ استعمال نہ کئے جائیں تو وہ الرجیز اور دیگر جلدی مسائل کا سبب بن سکتے ہیں۔ کاسمیٹکس میں موجود بعض اجزا (فریگرینس، پریزرویٹیوز وغیرہ) بعض لوگوں میں الرجک ری ایکشن کا سبب ہوسکتے ہیں۔

اسکن ری ایکشن (جو کنٹیکٹ ڈرمیٹائٹس کہلاتے ہیں) کو سرسری انداز میں نہیں لینا چاہئے، باوجود اس کے کہ اگر آپ کوئی پروڈکٹ طویل عرصے سے استعمال کررہی ہیں اور آپ کو کبھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا تو تب بھی آپ میں الرجک ری ایکشن ڈیویلپ ہوسکتا ہے کیونکہ ایک یا ایک سے زیادہ اجزا آپ کو سریع التاخیر بناسکتے ہیں۔

چونکہ مارکیٹ میں کئی کاسمیٹک پروڈکٹس دستیاب ہیں، جو مکسچرز اور فارمولا سازی کے اجزاء کے مختلف کمبی نیشنز پر مبنی ہیں، اس لئے حقیقت میں یہ پتہ لگانا ناممکن ہے کہ کب اور کس طرح کسی کی بھی جلد کسی کاسمیٹک کے استعمال سے ری ایکشن دکھاسکتی ہے۔ آپ کو کسی بھی پروڈکٹ کے اثرات دیکھنے کے لئے اسے استعمال کرنا ہی پڑے گا۔

بعض افراد کو تقریباً تمام ہی کاسمیٹکس سے الرجک ری ایکشنز ہوجاتے ہیں، اکثر ری ایکشن کی پہلی علامت ہلکی سی سرخی اور سوزش ہے، اجزاء کی ایسی کوئی فہرست نہیں ہے جو اس بات کی ضمانت دیتی ہو کہ یہ الرجک ری ایکشنز کا سبب نہیں ہوں گے، لہٰذا وہ صارفین جو الرجیز کا فطری رجحان رکھتے ہوں، انہیں اس بات پر پوری احتیاط کے ساتھ دھیان دینا چاہئے کہ وہ کیا استعمال کررہے ہیں۔

بعض کاسمیٹکس پر ''الرجی ٹیسٹ شدہ'' یا ہائپو الرجینک'' کا لیبل لگا ہوتا ہے، لیکن یہ دعوے ہمیشہ کوئی حل پیش نہیں کرتے، اس کی وجہ ہر فرد کا باہمی فرق ہے۔

''ہائپو الرجینک'' کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ پروڈکٹ کے معمولی طور پر الرجک ری ایکشن کرنے کے امکانات ہوسکتے ہیں، لیبل پر یہ دعویٰ دینے سے قبل بعض مینوفیکچررز تجربات کرتے ہیں اور دیگر اپنی فارمولا سازی میں پرفیومز یا دیگر عام مسائل پیدا کرنے والے اجزاء شامل ہی نہیں کرتے۔

اجزاء:...... اجزاء اور آپ کا اپنا کمپلیکشن یہ تعین کرسکتے ہیں کہ کاسمیٹکس آپ کے لئے کیا کرسکتے ہیں اور کیا نہیں کرسکتے۔ کاسمیٹکس میں شامل اجزاء یا تو قدرتی ہوتے ہیں یا لیبارٹری میں تیار شدہ ہوتے ہیں، بعض کلینزنگ کے لئے اچھا کام کرتے ہیں، بعض لبریکیٹنگ کے لئے عمدہ رہتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو قطعی طور پر کچھ بھی نہیں کرتے۔

''قدرتی'' اجزاء ان اجزاء کے مقابلے میں جو لیبارٹری میں سنتھیٹک طریقے سے تیار کئے جاتے ہیں، پودوں یا جانوروں سے حاصل کئے جاتے ہیں، اس تاثر میں کبھی مت رہیں کہ قدرتی طور پر حاصل شدہ اجزاء الرجک ری ایکشن کا سبب نہیں ہوسکتے۔ وہ الرجی سبب بن سکتے ہیں اور بنتے ہیں۔ اگر آپ کو کسی پودے یا جانور سے الرجی ہے تو پھر آپ کو ان کاسمیٹکس سے الرجک ری ایکشن ہوسکتا ہے، جن کے اجزاء ان پودوں یا جانوروں سے حاصل کئے گئے ہیں۔

بعض عام اجزاء الکحل، گلیسرین، معدنی تیل وغیرہ ہیں، دیگر زیادہ غیر معمولی ہیں اور ان کے لئے تفصیل درکار ہوگی۔

لیپوسومز وہ مائیکروسکوپک تھیلیاں ہیں جو قدرتی یا

سنتھیٹک فیٹی اشیاء سے تیار کی جاتی ہیں، لیپوسومز ڈیلیوری سسٹم کی مانند کام کرتا ہے اور پروڈکٹ کے اجزاء کو جلد کے اندر ڈپازٹ کرتا ہے۔

ایلوویرا (گھیکوار) للی فیملی کا ایک پودا ہے، بڑی مقدار میں ایلوویرا میں دافع سوزش خصوصیات ہوتی ہیں، گو یہ کئی اسکن لوشنوں میں موجود ہوتا ہے، لیکن اس کی اتنی زیادہ مقدار درکار ہوتی ہے جو کہ اکثر پروڈکٹس میں اینٹی (Irritant) (دافع سوزش) خصوصیات کے لئے مقرر ہوتی ہے۔

وٹامن اے، ڈی، ای کے ور بی کمپلیکس گروپ میں سے چند ڈائٹ میں ضروری ہیں تا کہ جلد اور بالوں کی صحت مندی برقرار رہے، لیکن اس بات کے زیادہ شواہد موجود نہیں کہ وٹامنز یا دیگر ایڈیٹیوز اس صورت میں فائدہ مند ہوتے ہیں اگر جلد پر لگائے جائیں۔ ایسے اور بھی دیگر بہت سے اجزاء ہیں، لیکن یہاں پر ان کا تذکرہ کرنا فضول ہے۔

لیبلز کو پڑھنا:......لیبلز کو پڑھنا اس لحاظ سے اچھا رہتا ہے کہ یہ پتہ چل جاتا ہے کہ کاسمیٹک پروڈکٹ میں کون سے اجزاء شامل ہیں، ہمارا سب سے بہترین دوست ان ہی اجزاء کا لیبل ہوتا ہے اور اس کو پڑھنے کے لئے تھوڑا سا وقت صرف کرنا یہ سب جاننے کے لئے کافی ہوتا ہے کہ ہماری جلد کو نقصان پہنچنے سے بچانے کے لئے ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں۔

کوئی بھی پروڈکٹ استعمال کی صورت حال کے تحت یا نامناسب لیبل کی بناء پر نقصان دہ ہو سکتی ہے، آپ کو چاہئے کہ آپ ہدایات کو پوری توجہ سے پڑھیں، اس بات کا امکان ہو سکتا ہے کہ پروڈکٹ میں ملاوٹ کردی گئی ہو یا برانڈ غلط لکھ دی گئی ہو۔

کاسمیٹک کنٹینرز پر درج اشیاء کی فہرست وہ واحد جگہ ہوتی ہے، جہاں آپ فوری طور پر اس حقیقت سے آشنا ہو سکتی ہے کہ آپ کیا خرید رہی ہیں، اس فہرست کو چیک کریں اور ان اجزاء کو پہچانیں جن سے آپ گریز کرنا چاہتی ہیں، یہ جاننے کے بعد کہ کاسمیٹکس میں کون سی اشیاء شامل ہیں آپ کو یہ مدد مل سکتی ہے کہ اس پروڈکٹ پر کہیں اور جو للچا دینے والی باتیں تحریر ہوں، ان کا آپ پر کوئی اثر نہ ہونے پائے۔

لیکن بعض اوقات کاسمیٹکس پر درج اشیاء کی فہرست کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے، ہم میں سے بہت سی خواتین فہرست میں درج اجزاء کو شناخت کرنے میں ناکام رہتی ہیں کیونکہ ہزاروں اجزاء کیمسٹوں کے پاس دستیاب ہوتے ہیں اور وہ ان سے پروڈکٹس کی ایک وسیع ورائٹی تخلیق کرتے رہتے ہیں، اس کے باوجود بھی لیبل کو پڑھنا فائدہ پہنچاتا ہے۔

چونکہ کاسمیٹکس انڈسٹری اکثر پرانے اجزاء پر دوبارہ کام کر کے اس کے نئے ورژن تیار کرتی رہتی ہے، اس لئے دانشمندی یہی ہے کہ یہ جاننے کے لئے لیبل ضرور پڑھنے چاہئیں کہ پروڈکٹ میں کیا چیزیں شامل ہیں اور اسے محفوظ طریقے سے کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ایک بار جب آپ کو تمام معلومات حاصل ہو جائیں تو پھر آپ خود اس بارے میں زیادہ بہتر فیصلہ کر سکتی ہیں کہ کون سی پروڈکٹ آپ کے لئے بہتر کام کر سکتی ہے اور کون سی آپ کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

بعض مینوفیکچررز کاسمیٹک پروڈکٹس کے لیبلوں پر استعمال کی حتمی تاریخ (Expiry Date) نہیں درج کرتے، آپ ایسی پروڈکٹس مت خریدیں۔ ایکسپائریشن کی تاریخ (شیلف لائف) وہ وقت، مدت ہوتی ہے جس کے دوران کاسمیٹک پروڈکٹ اسٹوریج اور استعمال کی عام حالت کے تحت اچھی رہتی ہے اور اس کا انحصار پروڈکٹ کی کمپوزیشن (مرکب سازی) پیکجنگ، پریزرویشن اور دیگر عوامل پر ہوتا ہے۔

کاسمیٹک پروڈکٹس کی اسٹوریج کے نارمل حالات کے تحت عام طور پر ایک سے تین سال کی شیلف لائف

کے لئے فارمولا سازی کی جاتی ہے اور تجربات کئے جاتے ہیں۔

ایکسپائریشن کی تاریخ (استعمال کی حتمی تاریخ) عملی مقاصد کے لئے بس (اندازا) ہی ہوتی ہے، کسی بھی پروڈکٹ کے تحفظ کی مدت ایکسپائریشن کی تاریخ سے بہت پہلے بھی ختم ہو سکتی ہے، اگر اس پروڈکٹ کو صحیح طریقے سے اسٹور نہ کیا گیا ہو۔

وہ کاسمیٹکس جنہیں نامناسب طریقے سے اسٹور کیا جائے (جیسے بلند درجہ حرارت یا دھوپ میں کھلا چھوڑ دیا جائے یا حتمی فروخت سے قبل صارفین اسے کھول کر اس کا جائزہ لیتے رہے ہوں) تو پھر امکان ہو سکتا ہے کہ وہ کاسمیٹکس اپنی ایکسپائریشن کی تاریخ سے پہلے ہی خراب ہو جائے۔

جب کہ دوسری جانب جو پروڈکٹس آئیڈیل حالات کے مطابق اسٹور کی جاتی ہیں تو وہ ایکسپائریشن کی تاریخ گزرنے کے بعد بھی بہت عرصے قابل استعمال رہتی ہیں۔

کاسمیٹکس سے ہوشیار:......اگر آپ کو کسی کاسمیٹک سے الرجی ری ایکشن ہو جاتا ہے تو آپ اس وقت تک کے لئے تمام کاسمیٹکس استعمال کرنا چھوڑ دیں، جب تک آپ کی ڈاکٹر یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کرلے کہ کون سا جز یا اجزاء کا مرکب اس ری ایکشن کا سبب بنا ہے، اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ کاسمیٹکس قطعی طور پر استعمال نہ کریں۔

ایروسول ہیئر اسپرے کا حدت، آگ یا سگریٹ پینے کے دوران استعمال خطرناک ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ فوری آگ پکڑ سکتا ہے اور اگر مکمل طور پر خشک نہ ہو چکا ہو تو شدید طریقے سے جھلسا دیتا ہے۔

ایروسول ہیئر اسپرے سے متعلق آگ زخمی کرنے اور ہلاک کرنے کا سبب بن چکی ہے۔ اگر ایروسول اسپرے یا پاؤڈر سانس کے ذریعے اندر چلے جائیں تو پھیپھڑوں کو نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتے ہیں۔

مسکارا کی سلائی سے آنکھ کبھی نہیں مسلنی چاہئے، کیونکہ یہی کاسمیٹکس سے پہنچنے والی سب سے عام انجری (زخم، گزند) ہے، آنکھ کے انفیکشن، کورنیا کے السرز، پلکوں کے زیاں اور حتیٰ کہ نابینا پن اس کے نتیجے میں رونما ہو سکتے ہیں۔ احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ جب آپ کار، بس، ٹرین یا ہوائی جہاز میں سفر کر رہی ہوں تو اس دوران مسکارا کبھی نہ لگائیں۔ کاسمیٹکس کے استعمال میں کسی کے ساتھ شراکت بھی سنگین مسائل کا سبب بن سکتی ہے، کاسمیٹکس جراثیم آلودہ ہو سکتی ہیں، اگر ان میں وہ جراثیم شامل ہو جائیں، جو برش یا ایپلیکیٹر اسفنج کے ساتھ جلد پر سے منتقل ہو کے آجاتے ہیں، اگر آپ منہ کے لعاب سے برش وغیرہ کو نم کرتی ہیں تو مسئلہ اور بھی گھمبیر ہو سکتا ہے۔

میک اپ استعمال کرنے سے قبل اپنے ہاتھوں کو دھو لیں تا کہ میک اپ پر جراثیم لگنے نہ پائیں۔ مصنوعی ناخن اگر درست طریقے سے نہ لگائیں جائیں تو مسائل کا ذریعہ بن سکتے ہیں، انہیں مکمل طور پر سیل (Seal) ہونا چاہئے کیونکہ قدرتی ناخن اور مصنوعی ناخن کے درمیان میں اگر کوئی بھی خلاء رہ جائے تو وہ فنگل انفیکشن کا سبب ہو سکتا ہے، ان انفیکشنز کی بدولت ناخن مستقل طور پر ضائع ہو سکتا ہے۔ میک اپ اتارے بغیر سونا بھی مسائل پیدا کر سکتا ہے، اگر مسکارا کی کوئی پرت یا پپڑی آپ کی آنکھ میں چلی جاتی ہے تو ممکن ہے کہ آنکھ کھلنے پر آنکھوں میں خارش، سوجن محسوس ہو، آنکھیں سرخ ہو رہی ہوں یا ان میں انفیکشن ہو جائے یا آنکھوں میں خراشیں پڑ جائیں، بستر پر جانے سے پہلے تمام میک اپ اتار دیں تا کہ آنکھوں کے انفیکشن یا زخموں سے بچا جا سکے۔

احتیاطی ہدایات

☆......کوئی بھی پروڈکٹ جو الرجک ری ایکشن کا سبب بنے، اس کا استعمال بند کر دیں۔

☆......میک اپ کے کنٹینرز جب استعمال میں نہ ہوں، تو ان کو ٹائٹ بند رکھیں۔

☆......پریشر سے استعمال ہونے والے کنٹینرز اور ایروسول کو گرمی اور آگ سے دور رکھیں۔

☆......میک اپ کو دھوپ سے بچا کے رکھیں، تا کہ پریزرویٹیوز ضائع نہ ہونے پائیں۔

☆......پروڈکٹ کے لیبل پر استعمال کی ہدایات پر عمل کریں۔

☆......تجویز کردہ مقدار سے زیادہ مت لگائیں۔

☆......شیر خواروں اور بچوں پر کاسمیٹکس استعمال نہ کریں۔

☆......اگر آپ آنکھوں کے انفیکشن جیسے کہ آشوب چشم میں مبتلا ہوں، تو آنکھوں کے کاسمیٹکس استعمال نہ کریں۔

☆......پہلی بار انفیکشن کے بارے میں جوں ہی آپ کو پتہ چلے تو ان تمام میک اپ کو ضائع کر دیں جو آپ کے استعمال میں ہوں۔

☆......کبھی بھی کسی پروڈکٹ میں اس کا اصلی گاڑھا پن واپس لانے کے لئے کسی بھی مائع کو شامل کرنے کا تجربہ نہ کریں، جب تک کہ اس کے بارے میں ہدایات درج نہ ہوں، دیگر مائع شامل کرنے سے جراثیم متعارف ہو سکتے ہیں جو کہ بڑھ کر کنٹرول سے باہر ہو سکتے ہیں۔

☆......اگر کسی پروڈکٹ کی رنگت یا خوشبو میں تبدیلی کا پتہ چل جائے تو اسے ضائع کر دیں، اس تبدیلی کا سبب وقت گزرنے کے ساتھ پریزرویٹیوز کا انحطاط ہو سکتا ہے جو کہ بیکٹیریا کا مقابلہ نہ کر سکتے ہوں۔

☆......ڈرائیونگ کرتے وقت کبھی میک اپ نہ کریں۔ اس سے نہ صرف ڈرائیونگ کرنا خطرناک ہو سکتا ہے، بلکہ سڑک پر کسی گڑھے میں گاڑی کے اچھلنے یا کسی ابھار پر اچھلنے سے آپ کی آنکھ کی پتلی پر خراشیں آ سکتی ہیں جو کہ زخم کے بیکٹیریا سے آلودہ ہونے کا سبب بن سکتی ہے اور اس کے نتیجے میں زخم شدید نوعیت کا ہو سکتا ہے، بشمول نابینا پن کے۔

☆......میک اپ میں کبھی شراکت نہ کریں، ہمیشہ ڈسپوزیبل ایپلیکیٹر استعمال کرنے کی کوشش کریں۔

☆......ایروسول ہیئر اسپرے کبھی بھی گرمی کے نزدیک یا تمباکو نوشی کے دوران استعمال نہ کریں، کیونکہ یہ آگ پکڑ سکتے ہیں، ہیئر اسپرے اور پاؤڈرز اگر سانس کی نالی سے اندر چلے جائیں تو پھیپھڑوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

بالوں کے مسائل اور ان کا حل:......بالوں کے بیشتر مسائل میں، ایک بے حد عام اور پریشان کن مسئلہ بالوں کے سرے الگ ہو جانا یا ان کے دومونہہ بن جانا ہے۔ بالوں کے دو شاخہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ بالوں کا انتہائی درجے تک خشک ہونا ہے، جلد کی خشکی کی وجہ سے موروثی خصوصیات بھی ہو سکتی ہیں، بالوں کے دو شاخہ بن جانے کی وجہ بالوں کی بیرونی تہہ کا بالوں کی انتہائی اندرونی تہہ میں موجود احتیاطی تدابیر اختیار کر کے بالوں کے اس مسئلے کو حل کیا جا سکتا ہے، بالوں میں موجود قدرتی موئسچرائزر کی حفاظت کریں، بالوں کو بار بار دھونے سے گریز کریں، بالوں کو خشک ہونے سے بچانے کے لئے کنڈیشنر کا استعمال باقاعدگی سے کیجئے، گیلے بال سلجھانے کے لئے ہیئر برش کے بجائے ہمیشہ چوڑے دندانے والی کنگھی استعمال کریں، ہیئر ڈرائر، بلوڈرائی، ہیئر کلر، ہیئر اسٹریٹنرز جیسے برقی آلات، بالوں پر احتیاط سے استعمال کریں، سخت کیمیکل ٹریٹمنٹ، پرمنگ، کلرنگ کروانے سے گریز کریں، پیراکی کرنے کے فوراً بعد بال دھو لیں، سورج کی شعاعوں کی براہ راست زد سے بالوں کو بچائیں، بالوں کے سرے باقاعدگی سے تراشتے رہیں اور کنڈیشنر ہمیشہ بالوں کے سروں پر استعمال کریں، اگر ان تدابیر سے بھی بالوں کی صحت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو تو پھر ماہر امراض گیسو و جلد سے مشورہ کریں۔







باورچی خانہ

میٹھا میٹھا کھاؤ، میٹھا میٹھا بولو کیوں کہ میٹھے بول میں جادو ہے۔

شاہجہانی کوفے

کوفتے کے اجزاء:

چکن کا قیمہ......ایک کلو
ادرک لہسن پسا ہوا......ایک کھانے کا چمچ
نمک......حسب ذائقہ
سفید مرچ پسی ہوئی......ایک کھانے کا چمچ
ناریل پسا ہوا......دو کھانے کے چمچ
ہری مرچیں......چار سے چھ عدد
ہرا دھنیا......آدھی گٹھی
بادام......چار کھانے کے چمچ
پستے......چار کھانے کے چمچ
کشمش......چار کھانے کے چمچ
ڈبل روٹی کے سلائس......دو عدد

گریوی کے اجزاء:

پیاز (باریک کٹی ہوئی)......دو عدد درمیانی
ادرک لہسن پسا ہوا......ایک چائے کا چمچ
نمک......حسب ذائقہ
سفید مرچ پسی ہوئی......ایک چائے کا چمچ
سفید زیرہ......ایک چائے کا چمچ
ثابت گرم مصالحہ......ایک کھانے کا چمچ
دودھ......دو پیالی
دہی (پھینٹا ہوا)......ایک پیالی
فریش کریم......آدھی پیالی
گرم مصالحہ پسا ہوا......ایک کھانے کا چمچ
ہری مرچیں (باریک کٹی ہوئی)......تین سے چار عدد
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)......آدھی گٹھی
کوکنگ آئل......آدھی پیالی

سجانے کیلئے:

فریش کریم......آدھی پیالی
چھلے ہوئے بادام......آٹھ سے دس عدد

کوفتے کی ترکیب:

قیمے میں کوفتوں کے تمام اجزاء ملا کر اچھی طرح پیس لیں اور کچھ دیر کے لئے فریج میں رکھ دیں۔ چھوٹے چھوٹے لمبوترے شکل کے کوفتے بنا کر گریوی ہونے تک دوبارہ فریج میں رکھیں۔

گریوی کی ترکیب:

بڑے سائز کی دیگچی میں کوکنگ آئل کو درمیانی آنچ پر تین سے پانچ منٹ گرم کر کے ثابت گرم مصالحہ ڈال دیں۔

جب کڑکڑانے لگے تو پیاز ڈال کر سنہرا فرائی کرلیں۔
ادرک لہسن، نمک، سفید مرچ، زیرہ اور دہی شامل کر کے دو سے تین منٹ تک بھونیں۔ پھر کوفتے ڈال کر اتنی دیر بھونیں کہ تیل علیحدہ سے نظر آنے لگے۔
دودھ ڈال دیں اور جب ابال آجائے تو کریم ڈال کر دیگچی کو کپڑے سے پکڑ کر ہلکا سا ہلالیں۔
ہری مرچیں، ہرا دھنیا اور پسا ہوا گرم مصالحہ چھڑک کر پانچ سے سات منٹ تک ہلکی آنچ پر (دم پر) پکائیں۔

☆......☆......☆

مٹر بھرے پراٹھے

اجزاء:

مٹر.......................آدھا کلو
نمک، لال مرچ.......................حسب ذائقہ
پیاز.......................ایک عدد
انار دانہ.......................دو کھانے کے چمچ
ہری مرچیں، ہرا دھنیا.......................حسب ضرورت
آٹا.......................ایک کلو

ترکیب:

پہلے دو کھانے کے چمچ گھی گرم کریں اور پھر پیاز فرائی کریں اور اس کے بعد تمام اجزاء شامل کر کے 15 منٹ تک پکائیں۔
آٹے کے پیڑوں میں مٹر بھر کر فریج میں رکھ دیں اور 10 منٹ کے بعد پراٹھے توے پر فرائی کر کے پورن پوری آمٹی کے ساتھ کھائیں۔

☆......☆......☆

پورن پوری آمٹی

پوری کے اجزاء:

چنے کی دال (ابال کر بھرتہ بنالیں).......دو پیالی
نمک.......................حسب ذائقہ
چینی.......................ایک پیالی
کھویا.......................آدھی پیالی
بادام (کٹے ہوئے).......................دو کھانے کے چمچ
پستے (کٹے ہوئے).......................دو کھانے کے چمچ
کوکنگ آئل.......................حسب ضرورت

آمٹی کے اجزاء:

املی کا گودا.......................دو پیالی
گڑ.......................آدھی پیالی
نمک.......................حسب ذائقہ
لال مرچ پسی ہوئی.......................آدھا چائے کا چمچ
سفید زیرہ (بھون کر کٹا ہوا).......ایک چائے کا چمچ
کوکنگ آئل.......................دو کھانے کے چمچ

ترکیب:

دال میں چینی، کھویا اور بادام پستے اچھی طرح ملالیں۔
دیگچی میں چار کھانے کے چمچ کوکنگ آئل کو درمیانی آنچ پر دو سے تین منٹ گرم کریں اور دال کے مکسچر کو خوشبو آنے تک بھونیں۔ چولہے سے اتارلیں اور مکمل طور پر ٹھنڈا کرلیں۔
آٹے میں نمک اور دو کھانے کے چمچ کوکنگ آئل شامل کر کے سخت سا گوندھ لیں۔ دس سے پندرہ منٹ کے لئے ململ کے گیلے کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیں۔ گندھے ہوئے آٹے کے پیڑے بنالیں، ان کے درمیان میں گڑھا سا کر کے دو کھانے کے چمچ دال کا مکسچر بھر کر اچھی طرح بند کردیں۔ ہلکے ہاتھ سے بیل کر توے پر پراٹھے کی طرح دو سے تین کھانے کے چمچ کوکنگ آئل ڈال کر فرائی کرلیں۔ جب ایک طرف سے اچھی طرح سنک جائے تو پلٹ کر دوسری طرف سے اسی طرح سے کوکنگ آئل ڈالتے ہوئے سینک لیں۔ چھوٹی دیگچی میں املی کا گودا، نمک، لال مرچ، زیرہ، گڑ اور دو کھانے کے چمچ کوکنگ آئل ڈال کر ہلکی آنچ پر پانچ سے سات منٹ تک پکا کر چولہے سے اتارلیں۔
پریزنٹیشن:.......گرم گرم پوریاں آمٹی کے ساتھ پیش کریں۔ ٹپ:.......چنے کی دال کے بجائے کوئی اور دال بھی استعمال کرسکتے ہیں۔

☆......☆......☆



"ماہنامہ حیا" کی قاریات کے لئے ایک رنگا رنگ انتخاب جو آپ کے بھیجے ہوئے شہ پاروں، ادبی نگارشات اور آپ کی اپنی تخلیقات سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ "گلدستہ حیا" آپ کی منتخب کی ہوئی خوشبو سے معطر ہے۔ تاہم تحریر کے انتخاب کے وقت اس کے معیار کا ضرور خیال رکھئے۔ تحریر صاف اور ایک لائن چھوڑ کر لکھئے۔ جس کتاب یا مصنف یا شاعر کے کلام سے تحریر اخذ کی گئی ہے اس کا حوالہ بھی ضرور دیجئے۔

ٹیک لگانا مناسب نہیں

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حضرت ابراہیم بن طہمان رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بیماری کی وجہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، فرمانے لگے کہ صالحین اور نیک لوگوں کے تذکرے کے وقت ٹیک لگا کر بیٹھنا مناسب نہیں۔ (بحوالہ، دلچسپ حیرت انگیز واقعات)

☆......☆......☆

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فائدے ہی فائدے

(۱)......سرمہ لگانا سنت نبوی ہے اور آنکھوں کو یہ بے شمار امراض سے بچاتا ہے۔
(۲)......وضو میں مسح کرنے سے آدمی پاگل پن سے اور لو لگ کر بے ہوش ہونے سے بچتا ہے۔
(۳)......وضو کرنے سے نمازی کان، ناک اور گلے کے امراض سے بچتا ہے۔
(۴)......نماز میں سلام پھیرنے سے اعصاب اور دل کے امراض کم ہوجاتے ہیں۔
(۵)......سجدہ کرنے سے نگاہ تیز، دماغ قوی اور چہرہ حسین رہتا ہے۔
(۶)......تہجد کی نماز سے ڈپریشن، بے خوابی، خودکشی کے رجحانات اور بے شمار نفسیاتی امراض کا خاتمہ ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

زندگی کا قاتل، حسد

امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ بوڑھے ہو چکے تھے، لیکن صحت قابل رشک تھی، کسی نے پوچھا، حضرت آپ کی عمر کتنی ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ۱۲۰ سال، اس شخص نے حیرت زدہ انداز میں کہا، تب تو آپ کی صحت قابل رشک ہے، آخر آپ کی صحت کا راز کیا ہے؟ فرمایا: زندگی کا قاتل چیز ایک ہی ہے اور وہ ہے۔ "حسد" اور میں زندگی بھر حسد سے دور رہا ہوں۔

☆......☆......☆

کلمہ طیبہ کے ساتھ دنیا سے رخصتی

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میرا تجربہ ہے کہ جو شخص گفتگو کے دوران اذان کی آواز سنتے ہی خاموشی اختیار کر لیتا ہے اور اذان کا جواب ادب اور عظمت کے ساتھ دیتا ہے تو اس ادب کی وجہ سے کلمہ کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

سب سے بڑی آفت

مشہور ولی اللہ حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ ان کا نہایت ایک قیمتی قول ہے کہ "دل کا سخت ہونا آدمی کیلئے سب سے بڑی آفت ہے۔" اللہ رب العزت کی محبت اور خوف سے نکلنے والے آنسو چہرے کے بے شمار امراض سے نجات دلاتے ہیں۔ مسلمان کے جھوٹے میں شفا ہے۔ ختنہ کرنے سے آدمی شرم گاہ کے کینسر، انفیکشن، ورم اور کمزوری سے محفوظ رہتا ہے۔

☆......☆......☆

قوس قزح

اگر آپ دوسروں کو خوش نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے رویوں سے دکھ بھی نہ دیں، گزرتا ہوا ہر لمحہ آپ کا ماضی بن رہا ہے، اس لئے اس کو ایسے گزاریں کہ کل اپنا ماضی یاد رکھیں تو اداس ہونے کے بجائے خوش ہوں۔ بہترین یادداشت وہ ہے جس میں انسان اپنی نیکیاں اور دوسروں کی زیادتیاں بھول جاتا ہے اس جھوٹی دنیا میں نفرت سے بچو کیونکہ زندگی بہت کم ہے۔

(انتخاب:......آمنہ بنت طفیل، سعید آباد، بلدیہ ٹاؤن، کراچی)

☆......☆......☆

اسباب سکون

دنیا میں اولیاء کو سکون ہوتا ہے (آخرت میں تو ہوگا ہی) البتہ دنیا داروں کے پاس سکون کے اسباب مکان، کپڑے وغیرہ تو بہت ہوتے ہیں مگر سکون نہیں ہوتا، سکون ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے دل لگانے سے، سکون کا مرکز اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، جو سکون چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرے، دین کی پابندی کرے، آخرت کی فکر کرے، دنیا سے دل نہ لگائے۔ یعنی دنیا بقدر ضرورت ہو۔

☆......☆......☆

زندگی ایک نعمت ہے

یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کا موقع دیا گیا ہے اور عمل اور جدوجہد کی ایک مہلت ہے، جس کے بعد اس کے لئے کوئی مہلت نہیں۔

(انتخاب:......عمارہ جمیل، شادن لنڈ)

☆......☆......☆

حفظِ قرآن

قرآن کریم اللہ رب العزت کی مقدس کتاب ہے یہ ایسی کتاب ہے جسکی حفاظت کا ذمہ خود اللہ رب العزت نے لیا ہے اس کتاب کو اللہ رب العزت اپنے بندوں کے سینوں میں محفوظ فرما دیا ہے، قران کریم دنیا کی واحد کتاب ہے جسکو حرف بہ حرف یاد کیا جاتا ہے۔ آج الحمدللہ بہت سے گھرانوں میں تعلیم قرآن کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ بہت سے گھرانوں کی بچے بچیاں قرآن کو حفظ کر رہے ہیں تاہم اکثر مشاہدے میں آیا ہے کہ بہت سے طلبا و طالبات قرآن پاک کو کچا کر دیتے ہیں جسکی بنیادی وجہ یاد کرنے اور سنانے میں کوتاہی کرنا ہے۔ اگر اس بنیادی غلطی کو درست کر لیا جائے تو قرآن پاک کو بھولنے جیسا عظیم گناہ سے بچا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کو یاد کرنے کی مثال اس اونٹ کی طرح ہے جس کی مہار انسان کے ہاتھ میں ہوتی ہے اگر وہ مہار کو مضبوطی سے پکڑے رکھتا ہے تو اونٹ انسان کے قبضے میں رہتا ہے اگر مہار کو ڈھیلا کرتا ہے تو اونٹ بھاگ جاتا ہے اور اگر مہار کو چھوڑ دیتا ہے تو اونٹ اس کے قبضے سے نکل جاتا ہے۔ اسی طرح جب قرآن کریم کو یاد کریں گے تو وہ یاد ہو جائے گا اور اگر یاد کر کے سنانے میں یا دوبارہ پڑھنے میں کوتاہی کریں گے تو قرآن کچا ہو جائے گا پھر کچھ عرصے بعد بھول جائے گا اور بھول جانا سخت گناہ ہے۔

اگر حفاظ کرام قرآن پاک کو روز پڑھتے رہیں اپنی نمازوں میں اس کی تلاوت کو شامل کریں، اگر زیادہ نہیں پڑھ سکتے تو تھوڑا تھوڑا پڑھ لیں لیکن پابندی سے پڑھیں، پڑھنے میں ناغہ نہ کریں تو کبھی نہیں بھولے گا۔ انشاءاللہ

قرآن پاک کو یاد کر کے یاد رکھنا اس کی تلاوت کو اپنا معمول بنا لینا، اس کو سمجھ کر دل و دماغ میں اچھی طرح محفوظ کرنا حفاظ کرام کی ذمہ داری ہے اس ذمہ داری کو تاحیات نبھانا لازم ہے، یہ قرآن کریم کا ہم پر حق ہے قرآن قیامت کے دن اپنے حقوق کے بارے میں سوال کرے گا اور قرآن قیامت کے دن مدعی ہوگا جو قرآن کے حقوق ادا کرے گا قرآن اس کے حق میں سفارش کرے گا اور اللہ رب العزت اس کی سفارش قبول فرمائیں گے قرآن اس شخص کیلئے حجت اور دلیل بن جائے گا۔

لہٰذا قرآن پڑھنے میں کوتاہی نہ کرنا دل و دماغ کو حاضر رکھ کر پڑھنا باعث اجر و ثواب اور دنیا و آخرت میں کامیابی ہے اور قرآن پڑھنے میں کوتاہی کرنا یاد کر کے بھلا دینا عظیم گناہ ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر   اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

اللہ رب العزت سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور قرآن کو سب کیلئے ذریعہ نجات اور باعث شفاعت بنائے۔ آمین

(انتخاب:......شیزہ کاظمی)

☆......☆......☆

تھے، نہ چلا کر بولتے اور نہ نامناسب بات فرماتے، جو بات (یعنی خواہش) کسی شخص کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کے خلاف ہوتی تو اس سے تغافل فرما جاتے۔ (یعنی اس پر گرفت نہ فرماتے) اور (تصریحاً) اس سے باز پرس بھی نہ فرماتے بلکہ خاموش رہتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں سے اپنے آپ کو بچا رکھا تھا۔

(۱)......ریا سے......(۲)......کثرت کلام سے......(۳)......بے سود بات سے

اور تین سے دوسرے آدمیوں کو بچا رکھا تھا۔

(۱)......کسی کی مذمت نہ فرماتے......(۲)......کسی کو عار نہ دلاتے......(۳)......نہ کسی کا عیب تلاش کرتے

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہی کلام فرماتے جس میں امید ثواب کی ہوتی اور جب آپ کلام فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام جلیس اس طرح سر جھکا کر بیٹھ جاتے، جیسے ان کے سروں پر پرندے آ کر بیٹھ گئے ہوں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساکت ہوتے، تب وہ بولتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی بات پر نزاع نہ کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو شخص بولتا، اس کے فارغ ہونے تک سب خاموش رہتے۔ (یعنی بات کے بیچ میں کوئی نہ بولتا)

اہل مجلس میں ہر شخص کی بات رغبت کے ساتھ سنے جانے میں ایسی ہوتی، جیسے سب سے پہلے شخص کی بات تھی۔ (یعنی کسی کے کلام کی بے قدری نہ کی جاتی) جس بات سے سب ہنستے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنستے، جس سے سب تعجب کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعجب فرماتے۔ یعنی حد اباحت تک اپنے جلیسوں کے ساتھ شریک رہتے۔ پردیسی آدمی کی بے تمیزی کی گفتگو پر تحمل فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی صاحب حاجت کو طلب حاجت میں دیکھو تو اس کی اعانت کرو۔ جب کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جائز نہ رکھتے، البتہ اگر کوئی احسان کے مکافات کے طور پر کرتا تو خیر بوجہ مشروع ہونے کے اس ثنا کو بشرط عدم تجاوز حد کے گوارا فرما لیتے اور کسی کی بات کو نہ کاٹتے، یہاں تک کہ وہ حد سے بڑھنے لگتا، اس وقت اس کو ختم کرا دینے سے یا اٹھ کر کھڑے ہو جانے سے منقطع فرما دیتے۔ (نشر الطیب)

(انتخاب......زاہدہ کوثر بنت مولانا محمد طاہر کوثر، مدرسۃ البنات جامعہ دار العلوم، کراچی)

☆......☆......☆

عورت کی بُری عادت

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر کی نماز کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، عورتوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عورتو! صدقہ کرو، کیونکہ مجھے دوزخ میں تم سب سے زیادہ دکھائی گئی ہو۔ عورتوں نے عرض کیا، کیوں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا:......یعنی تم لعنت بہت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔ (بخاری و مسلم)

عورتیں لعنت بہت کرتی ہیں، یعنی کوسنا، پیٹنا، برا بھلا کہنا اور الٹی سیدھی باتیں زبان سے نکالنا، یہ عورتوں کا ایک خاص مشغلہ ہے، شوہر، اولاد، بھائی، بہن، گھر، جانور، چوپایہ، آگ، پانی، ہر چیز کو کوستی رہتی ہیں، اسے آگ لگے، وہ لگتی لگا ہے، یہ ناس پیٹی ہے، اسے ڈھائی گھڑی کی آئے، وہ موت کا لیا ہے، اس کا ناس ہو، وہ اللہ مارا ہے، اس پر پھٹکار ہو، اسی طرح کی ان گنت باتیں عورتوں کی زبان پر جاری رہتی ہیں، اس میں بددعا کے کلمات بھی ہوتے ہیں، گالیاں بھی

ہوتی ہیں، یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوزخ میں داخل ہونے کا سبب بتایا۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی خاتون کے پاس تشریف لے گئے، ان کو ام السائب کہا جاتا تھا، آپ نے دیکھا کہ وہ کپکپا رہی ہیں، آپ نے دریافت فرمایا، کیا بات ہے؟ تم کو کپکپی کیوں آ رہی ہے۔ جواب دیا کہ بخار چڑھ آیا ہے، خدا اس کا برا کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخار کو برا نہ کہو، کیوں کہ وہ انسانوں کے گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے، جیسے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے۔ (مسلم شریف)

دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے یوں نہ کہو کہ تجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو، مومن اللہ کی رحمتوں کے لئے ہے، اس کو ہمیشہ رحمت ہی کی دعا کرنی چاہئے، اللہ کا غضب کافروں پر ہوتا ہے، کسی مومن کے حق میں یہ کہنا کہ تجھ پر خدا کا غضب نازل ہو، یہ جہالت کی بات ہے۔

تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ آپس میں ایک دوسرے کے حق میں یوں نہ کہو کہ تو جہنم میں جائے، بہت سے جاہل بلکہ پڑھے لکھے لوگ بات بات میں دوسروں کے حق میں کہہ دیتے ہیں کہ ہماری بلا سے جہنم میں جائے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی، کیونکہ مسلمان دوزخ کے لئے نہیں ہے، وہ جنت کے لئے ہے، اس کو ہمیشہ جنتی ہونے کی دعا دو، اخلاق بلند کرو، اگر کوئی شخص ستائے، تب بھی اس کو دعا دو، بددعا دینے کا کوئی ثواب حدیث میں نہیں آیا، البتہ دعا دینے کی ترغیب احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں نے (اس وقت) اسلام قبول نہ کیا اور آپ کو بری طرح جواب دیا اور بری طرح ستایا تو پہاڑوں پر مقررہ فرشتہ نے آ کر عرض کیا کہ آپ حکم دیں، آپ نے فرمایا: میں ان کو عذاب دلانا نہیں چاہتا، بلکہ اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ نکال دے گا جو تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے، اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو نہ کریں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ مشرکین کے حق میں بددعا فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں تو رحمت ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مسلم)

حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش گو تھے، نہ لعنت کرنے والے تھے، نہ گالی دینے والے تھے، ناراضگی کے وقت یہ فرماتے کہ اس کو کیا ہوا، اس کے چہرے کو مٹی لگے۔ (بخاری)

بعض شراح نے فرمایا: اس میں دعا ہے کہ اس کو سجدہ کی توفیق ہو۔

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اول یہ سوال اٹھایا ہے کہ یزید پر لعنت جائز ہے یا نہیں، اس وجہ سے وہ حضرت حسینؓ کا قاتل ہے یا قتل کا حکم دینے والا ہے؟ پھر اس کا جواب دیا ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا، یا اس کا حکم دیا، یہ بالکل ثابت نہیں ہے، لہٰذا یزید پر لعنت کرنا تو درکنار، یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ اس نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا، یا قتل کرنے کا حکم دیا، وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی مسلمان کو گناہ کبیرہ کی طرف بغیر تحقیق کے منسوب کرنا جائز نہیں۔ نیز امام غزالیؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ مخصوص کر کے یعنی نام لے کر افراد و اشخاص پر لعنت کرنا بڑا خطرہ ہے، اس سے پرہیز کرنا لازمی ہے اور جس پر لعنت کرنا جائز ہو، اس پر لعنت کرنے سے سکوت اختیار کرنا کوئی گناہ اور مواخذہ کی چیز نہیں ہے، اگر کوئی شخص ابلیس پر لعنت نہ کرے، اس میں کوئی خطرہ نہیں، چہ جائیکہ دوسروں پر لعنت کرنے سے خاموشی اختیار کرنے میں کچھ حرج ہو، پھر فرمایا۔ یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا اولیٰ اور افضل ہے، اگر ذکر اللہ میں مشغول نہ ہو تو پھر خاموشی میں سلامتی ہے۔ (کیونکہ لعنت نہ کرنے میں کوئی خطرہ نہیں اور نام لے کر کسی پر لعنت کر دی تو

بیہ پُر خطر ہے۔ کیونکہ وہ لعنت کا مستحق نہ ہوا تو لعنت کرنے والے پر لعنت لوٹ آئے گی۔ پھر کسی حدیث میں لعنت پر بھی لعنت کرنے کا کوئی ثواب وارد نہیں ہوا اور لعنت کے الفاظ زبان پر لانے سے کوئی فائدہ نہیں)

حضرت مکی بن ابراہیم نے بیان فرمایا کہ ہم ابن عون کے پاس تھے، ان کی مجلس میں بلال بن ابی بردہ کا ذکر آ گیا، لوگ ان پر لعنت کرنے لگے اور ان کی برائیاں کرنے میں مشغول ہو گئے، ابن عون خاموش بیٹھے رہے، لوگوں نے کہا، اے ابن عون، ہم تو ان کا ذکر برائی کے ساتھ اس لئے کر رہے ہیں کہ انہوں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ (اور آپ خاموش بیٹھے ہیں) حضرت ابن عون نے فرمایا کہ دو کلمے ہیں، ایک لا الہ الا اللہ اور دوسرا لعن اللہ فلاناً۔ جس کو بھی نکالوں گا، قیامت کے دن میرے اعمال نامہ میں ظاہر ہو جائے گا، پس اگر میرے نامہ اعمال میں لا الہ الا اللہ ہو، اس سے بہتر ہے کہ اس کی جگہ پر لعن اللہ فلاناً نکلے (کیونکہ کسی پر لعنت کرنے میں کوئی بھی ثواب نہیں، اگرچہ وہ شخص مستحق لعنت ہو جس پر لعنت کی گئی) حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دوسرے پر لعنت نہ ڈالو، اور آپس میں یوں نہ کہو کہ تجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے یوں کہو کہ جہنم میں جائے اور آپس میں ایک دوسرے کے لئے یوں نہ کہو کہ آگ میں جلے (مشکوٰۃ المصابیح ۴۱۳ از ترمذی وابوداؤد)

آپ نے تین نصیحتیں فرمائی، اول یہ کہ آپس میں ایک دوسرے پر لعنت نہ کرو، اللہ تعالیٰ شانہ کی رحمت سے دور ہونے کی بد دعا کو لعنت کہا جاتا ہے، کسی کو یہ کہنا کہ ملعون ہے یا لعین ہے یا مردود ہے یا اس پر اللہ تعالیٰ کی مار ہے، یا اللہ کی پھٹکار ہے، یہ سب لعنت کے مفہوم ہیں اور کسی پر لعنت کرنا سخت بات ہے۔

عام طور پر سے یوں تو کہہ سکتے ہیں کہ کافروں پر اللہ کی لعنت ہو اور جھوٹوں اور ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو، لیکن کسی کا نام لے کر لعنت کرنا جائز نہیں، جب تک یہ یقین نہ ہو کہ وہ کفر پر مر گیا، آدمی تو آدمی، بخار کو، ہوا کو، جانور کو بھی لعنت کرنا جائز نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے ہوا پر لعنت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہوا پر لعنت نہ کہو، کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے ہی حکم دی ہوئی ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرے، جو لعنت کے مستحق نہیں ہے تو لعنت اسی پر لوٹ جاتی ہے، جس نے لعنت کی۔ (ترمذی)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بلاشبہ انسان جب کسی پر لعنت کرتا ہے، تو لعنت آسمان کی طرف لوٹ جاتی ہے، وہاں دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں (اوپر کو جانے کا کوئی راستہ نہیں ملتا) پھر زمین کی طرف اتاری جاتی ہے، زمین کے دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں، کوئی جگہ ایسی نہیں ملتی جہاں وہ نازل ہو، پھر دائیں بائیں کا رخ کرتی ہے جب کسی جگہ کوئی راستہ نہیں پاتی تو پھر اس شخص پر لوٹ آتی ہے، جس پر لعنت کی ہے، اگر وہ لعنت کا مستحق تھا تو اس پر پڑ جاتی ہے، ورنہ اس شخص پر آ پڑتی ہے جس نے منہ سے لعنت کے الفاظ نکالے تھے۔ (ابوداؤد)

(انتخاب:......رومان جمیل، شان لنڈ)

☆......☆......☆

اللہ تعالیٰ موجود ہے

ایک فرانسیسی عمانی جو خدا کی ذات سے انکار کرتا تھا، افغانستان میں تقریباً چھ ماہ مختلف محاذوں اور مورچوں پر مجاہدین کے حالات وواقعات کو بغور دیکھا، مشاہدے کئے اپنے ملک واپس جا کر اسی نے "رایت اللہ فی افغانستان" نام کی ایک کتاب لکھی جس میں وہ لکھتا ہے کہ میں نے مسلمانوں کے اللہ کو افغانستان میں دیکھ لیا کہ واقعی اللہ موجود ہے، 35

مجاہدین کلاشنکوفیں لے کر گئے اور دشمن کے ایک سو پچاس آدمیوں کو گرفتار کر کے لے آئے، پچاس مجاہدین گئے اور دشمن کے اڑھائی سوٹینک تباہ کر دیئے، کبھی آسمان سے گھوڑوں کو دیکھتے ہیں، کبھی دشمن کہتے ہیں کہ تمہارے گھوڑے جب زمین پر اترے، ان سوار مجاہدین نے کوئی چیز ہماری طرف پھینکی، ہم اندھے ہو گئے، کبھی کسی شہید کو دیکھا کہ اس کے خون سے خوشبو آ رہی ہے، کبھی کوئی مجاہد زخمی ہو گیا، دونوں ٹانگیں کٹ گئیں، مگر آخری وقت میں بھی وصیت کرتا ہے کہ میرے ساتھیو! کبھی جہاد نہ چھوڑنا، جو چیز میں مرتے وقت دیکھ رہا ہوں، تمہیں بھی نصیب ہو جائے۔

(انتخاب:......آمنہ لیاقت علی، کمالیہ)

☆......☆......☆

شکر گزاری بیوی

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی فرماتے ہیں: میرے ایک عزیز کرنل صاحب نے بتایا کہ ہم دونوں میاں بیوی چار بجے اٹھتے ہیں اور تہجد پڑھتے ہیں، اس کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر لیٹ جاتا ہوں اور آٹھ بجے اٹھتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ گھر والی مصلے پر بیٹھی ہے، چار بجے سے دعائیں مانگ رہی ہے، اس کا یہ ہمیشہ کا معمول ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اس سے کہا کہ تو کیا مانگتی رہتی ہے؟ چار گھنٹے ہو گئے، کہتی ہے، کچھ بھی نہیں مانگتی، بس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں، یا اللہ آپ نے ہم پر کتنے انعامات فرمائے ہیں، بس یہی شکر کرتی رہتی ہوں۔

(انتخاب:......امامہ زینب، کمالیہ)

☆......☆......☆

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا بچپن

ولادت:...... حضرت علامہ انور شاہ کشمیری محدث رحمتہ اللہ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ مسعود نرودی کشمیری سے ملتا ہے، جن کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد تھا، وہاں سے ملتان آئے، لاہور منتقل ہوئے، پھر کشمیر میں سکونت اختیار کی، آپ نے خود اپنا سلسلہ نسب اپنی تصانیف نیل الفرقدین وکشف الستر کے آخر میں اس طرح تحریر فرمایا ہے۔

"محمد انور شاہ بن مولانا محمد معظم شاہ بن شاہ عبدالکبیر بن شاہ عبدالخالق بن شاہ محمد اکبر بن شاہ حیدر بن شاہ محمد عارف بن شاہ علی بن شیخ عبداللہ بن شیخ مسعود نرودیؒ" اور شیخ مسعود نرودی کا سلسلہ نسب یہ ہے کہ "ابن شاہ جنید بن اکمل الدین بن ہیمون شاہ بن ہومان شاہ۔" اس طرح حضرت کا سلسلہ نسب حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ کے خاندان سے ملحق ہو جاتا ہے، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد معظم شاہ بڑے عالم ربانی تھے، زاہد وعابد اور کشمیر کے نہایت مشہور خاندانی پیر ومرشد ہے، آپ 27 شوال بروز شنبہ بوقت صبح اپنے ننھیال بمقام موضع دودھواں (علاقہ لولاب کشمیر) میں پیدا ہوئے۔

زمانہ طفولیت:...... ۴ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد سے قرآن پاک شروع کیا اور چھ برس کی عمر تک قرآن کے علاوہ فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر لئے، پھر مولانا غلام محمد صاحب (صوفی پورہ) سے فارسی وعربی کی تعلیم حاصل کی اور ابھی آپ کی عمر ۱۳۔۱۴ سال کی تھی کہ ۱۳۰۵ء میں شوق تعلیم نے لولاب کے مرغزاروں اور سبزہ زاروں پر غریب الوطنی کی علمی زندگی کو ترجیح دی، حضرت علامہ ہونہار اور بچپن ہی میں نہایت ذہین وفطین تھے، سچ ہے کہ جس نے آگے چل کر وقت کا رازی وغزالی بننا تھا، اس کی اعلیٰ علمی صلاحیتوں اور استعداد کا ظہور بچپن میں ضروری تھا، آپ کے والد صاحبؒ

نے فرمایا کہ جب انہوں نے مجھ سے مختصر القدوری شروع کی تو مجھ سے بعض مسائل ایسے دریافت کرتے ہیں کہ مبسوط کتابوں کا مطالعہ کئے بغیر ان کا جواب دینا مشکل ہوتا تھا، میں انہیں ان موشگافیوں سے اکثر منع کیا کرتا تھا، اخیر میں اس قوت وذہانت سے پریشان ہوکر میں نے انہیں دوسرے عالم کے سپرد کیا، مگر دوسرے استاد کو بھی یہی شکایت پیش آئی، آپ کے والد آپ کو اور آپ کے بڑے بھائی یٰسین شاہ مرحوم کو کشمیر کی پہاڑوں میں اعتکاف کرنے والے ایک عارف کے پاس حصول برکت کے لئے گئے، عارف نے جب اس ہونہار کو دیکھا تو والد سے پوچھا کہ یہ بچہ تمہارا ہے؟ پھر کہا کہ یہ بڑا عظیم الشان عالم ہوگا اور مستقبل میں اس کی عظمت مسلم ہوگی۔

ایک دفعہ منطق اور نحو کے چند رسائل مطالعہ کررہے تھے، اتفاقاً ایک بڑے عالم اس وقت آپ کے پاس آگئے، ان عالم نے ان کتابوں کو اٹھا کر دیکھا، کتابوں پر خود حضرت مرحوم کے حواشی لکھے تھے، بچپن کے زمانہ کی ذکاوت، تیز طبع، جودت فہم اور طبیعت کی دوررسی کا اندازہ کرکے بے اختیار انہوں نے کہا کہ یہ بچہ اپنے وقت کا رازی وغزالی ہوگا، علمی مذاق اور ذکاوت وذہانت کے ساتھ سلامتی طبع، حسن اخلاق اور اعمال صالحہ کی دولتیں بھی شروع سے آپ کو وافر ملیں تھیں، آپ کے غیر معمولی احوال دیکھ کر کشمیر کے عوام عام طور پر شبہ یہ کرتے تھے کہ کہیں آپ مہدی مدعو نہ ہوں، آپ کے والد محترم اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کو عوام کی اس غلط فہمی کی تردید کرنا پڑی، آپ نے خود ایک دفعہ فرمایا کہ میں بارہ سال کی عمر میں فتاوٰی دینے لگا تھا اور نو سال کی عمر میں فقہ ونحو کی مطولات کا مطالعہ کرچکا تھا، تین سال تک آپ ہزارہ (سرحد) کے متعدد علماء وصلحاء کی خدمت میں رہ کر علوم عربیہ کی تکمیل فرماتے رہے، پھر جب علوم وفنون کی پیاس وہاں بھی بجھی نظر نہ آئی تو ہندوستان کے مرکز علوم دینیہ دارالعلوم کی شہرت سن کر آپ ۱۳۰۷ھ یا ۱۳۰۸ھ میں بعمر سولہ سترہ سال ہزارہ سے دیوبند آگئے، دیوبند میں آپ نے چار سال رہ کر وہاں کے مشاہیر وقت اور یکتائے روزگار علماء سے فیوض علمیہ وباطنیہ کا بدرجہ الم استفادہ کیا اور ۲۰، ۲۱ سال کی عمر میں نمایاں شہرت اور عزت کے ساتھ سند فراغت ۱۳۱۲ھ میں حاصل کی، جن علماء سے آپ کو شرف تلمذ حاصل رہا ہے، ان میں مندرجہ ذیل حضرات خصوصیت کے حامل ہیں۔

مرشد عالم حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا محمد اسحاقؒ صاحب امرتسری مہاجر مدنی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزارویؒ......

(انتخاب:......حفصہ اکرم، سعید آباد کراچی)

☆......☆......☆

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے احسانات خواتین پر

کائنات کی عظیم ترین خاتون ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جہاں بے شمار قربانیوں، جذبہ ایثار، حیا، عفت وپاکدامنی، اور جہاد وانفاق کے ذریعے دین مبین کی آب یاری کی وہاں ان کا عورت پر یہ بھی بڑا احسان ہے کہ انہوں نے دنیا کو یہ بتادیا کہ ایک مسلمان عورت پردہ میں رہ کر بھی علمی، مذہبی، اجتماعی اور سیاسی اور پند وموعظت اور اصلاح وارشاد اور امت کی بھلائی کے کام بجالاسکتی ہے، غرض اسلام نے عورتوں کو جو رتبہ بخشا ہے اور ان کی گذشتہ گری ہوئی حالت کو جتنا اونچا کیا ہے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی زندگی کی تاریخ اس کی عملی تفسیر ہے، صحابہ میں اگر ایسے لوگ گزرے ہیں جو مسیح اسلام کے خطاب کے مستحق اور عہد محمدیؐ کے ہارون بننے کے سزاوار تھے تو الحمدللہ صحابیات میں بھی ایک ایسی ذات تھی جو مریم اسلام اور ان سے بدرجہا بہتر کی حیثیت رکھتی تھیں۔

صحابیات اپنی عرضداشتیں حضورﷺ تک حضرت ام المومنین عفیفہ کائنات عائشہ صدیقہ رضی اللہ علیہا کی وساطت سے پہنچاتی تھیں اور ان سے جہاں تک بن پڑتا تھا، ان کی حمایت کرتی تھیں۔ حضرت عثمان بن مظعون ایک پارسا صحابی تھے اور راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک دن ان کی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں، دیکھا کہ وہ ہر قسم کی زنانہ زیب وآرائش سے خالی ہیں، سبب دریافت کیا، کیا کہہ سکتی تھیں، پردہ میں بولیں میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ آنحضرتﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے باتوں باتوں میں اس کا تذکرہ کیا، آپﷺ حضرت عثمان کے پاس گئے اور فرمایا کہ عثمان ہم کو رہبانیت کا حکم نہیں ہوا ہے، کیا میرا طرز زندگی پیروی کے لائق نہیں، میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور اس کے احکام کی سب سے زیادہ نگہداشت کرتا ہوں، یعنی پھر بھی بیویوں کے فریضہ کو ادا کرتا ہوں۔

عورتوں کو جو لوگ ذلیل سمجھتے تھے۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا ان پر سخت برہم ہوتی تھیں، کسی مسئلہ سے اگر ان کی ذلت اور حقارت کا پہلو نکلتا تو وہ اس کو صاف کردیتی تھیں۔ بعض صحابیوں نے روایت کی ہے کہ عورت، کتا اور گدھا اگر نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا تم نے کیسا برا کیا کہ ہم کو گدھے اور کتے کے برابر کردیا، آنحضرتﷺ نماز پڑھا کرتے تھے اور میں آگے لیٹی رہتی تھی، جب آپ سجدہ کرنا چاہتے، میرے پاؤں دبا دیتے، میں سمیٹ لیتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ نحوست تین چیزوں میں ہے، گھوڑا، گھر اور عورت، یہ سن کر حضرت عائشہ کو بہت غصہ آیا بولیں قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد پر قرآن اتارا، آپؐ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا یہ البتہ فرمایا ہے کہ اہل جاہلیت ان سے نحوست کی فال لیتے تھے۔

☆......☆......☆

ناخن کاٹنے کی سنت

مسلمانوں کی اکثریت جہاں اور بہت ساری سنتوں سے ناواقف ہے وہاں ایک اہم سنت یعنی ناخن کاٹنے کے طریقے سے بھی نابلد ہے، اس لیے ذیل میں ناخن تراشنے کا مسنون طریقہ، نیز یہ کہ کب ناخن کاٹے جائیں ذکر کیا جاتا ہے۔

ہاتھوں کے ناخن کاٹنے کا مسنون طریقہ:......داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع کریں اور چھنگلی تک پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سمیت کاٹیں، پھر آخر میں داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹا جائے۔

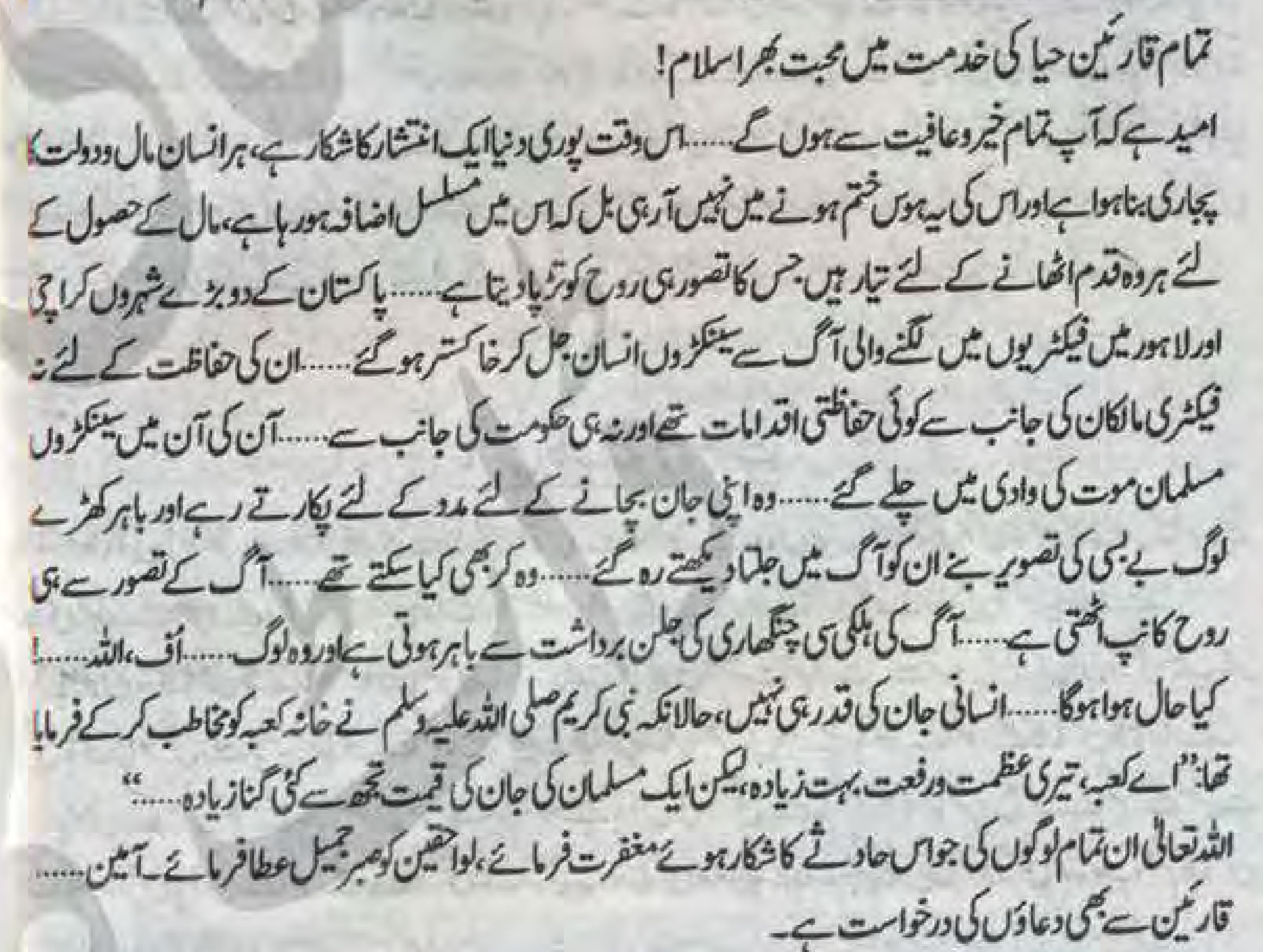
پاؤں کے ناخن کاٹنے کا مسنون طریقہ:......داہنے پاؤں کی چھنگلی سے ناخن کا کاٹنا شروع کرکے انگوٹھے سمیت تک، پھر بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے چھنگلی تک ترتیب وار ناخن کاٹنا چاہئے۔ یہی طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ناخن تراشنے کا شامی میں منقول ہے۔

ناخن کب کاٹے جائیں؟:......ناخن جمعہ کے دن نماز سے قبل کاٹنا سنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن قبل نماز جمعہ مونچھوں اور ناخنوں کو کاٹتے تھے (شامی)

روایت:......جو شخص جمعہ کے دن ناخن کاٹے اگلے جمعہ تک بلاؤں سے اس کو اللہ تعالیٰ پناہ دیں گے۔ (شامی)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ ابن دقیق العید رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ناخن تراشنے میں کوئی خاص کیفیت اور کسی دن کی تعیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول وثابت نہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا طریقے کے مستحب ہونے کا اعتقاد جائز نہیں۔

(انتخاب:......مجیب منصور انز، جامعہ تراث الاسلام، کراچی



حیا کی محفل

تمام قارئین حیا کی خدمت میں محبت بھرا سلام!

امید ہے کہ آپ تمام خیر وعافیت سے ہوں گے......اس وقت پوری دنیا ایک انتشار کا شکار ہے، ہر انسان مال و دولت کا پجاری بنا ہوا ہے اور اس کی یہ ہوس ختم ہونے میں نہیں آ رہی بل کہ اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، مال کے حصول کے لئے ہر وہ قدم اٹھانے کے لئے تیار ہیں جس کا تصور ہی روح کو تڑپا دیتا ہے......پاکستان کے دو بڑے شہروں کراچی اور لاہور میں فیکٹریوں میں لگنے والی آگ سے سینکڑوں انسان جل کر خاکستر ہو گئے......ان کی حفاظت کے لئے نہ فیکٹری مالکان کی جانب سے کوئی حفاظتی اقدامات تھے اور نہ ہی حکومت کی جانب سے......آن کی آن میں سینکڑوں مسلمان موت کی وادی میں چلے گئے......وہ اپنی جان بچانے کے لئے مدد کے لئے پکارتے رہے اور باہر کھڑے لوگ بے بسی کی تصویر بنے ان کو آگ میں جلتا دیکھتے رہ گئے......وہ کر بھی کیا سکتے تھے......آگ کے تصور سے ہی روح کانپ اٹھتی ہے......آگ کی ہلکی سی چنگھاری کی جلن برداشت سے باہر ہوتی ہے اور وہ لوگ......اُف، اللہ......! کیا حال ہوا ہوگا......انسانی جان کی قدر ہی نہیں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: ''اے کعبہ، تیری عظمت و رفعت، بہت زیادہ، لیکن ایک مسلمان کی جان کی قیمت تجھ سے کئی گنا زیادہ......''

اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کی جو اس حادثے کا شکار ہوئے مغفرت فرمائے، لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین......قارئین سے بھی دعاؤں کی درخواست ہے۔

مہر افروز مہر

رافعہ عبدالغنی، طیبہ احمد، غلہ منڈی ریلوے روڈ کمالیہ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم! باجی کیسی ہیں امید ہے کہ ٹھیک ہی ہوں گی، رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں ''حیا'' خوبصورت سے ٹائٹل کے ساتھ ملا، تو بہت زیادہ خوشی ہوئی، رمضان المبارک گزرنے کے بعد ''حیا'' پڑھا تو سوچا کہ اس پر خوبصورت سا تبصرہ بھی لکھ ہی دیا جائے، لیکن عید کی خوشیاں میں شریک ہو کر کچھ بھی یاد نہ رہا، پھر اا شوال کو خیال آیا تو پھر قلم کاغذ لے کر بیٹھ گئی، لیکن سوچ سوچ کر تھک گئی، کچھ یاد نہ آیا۔ ماشاء اللہ ''حیا'' اپنے قارئین کی زبردست محنت اور کوشش سے دن بدن ترقی کی راہوں پر گامزن ہے، اس میں ام حیات ہنگورا کی ایک زندگی ایک کہانی ''بے پردگی کا عذاب'' بہت اچھی تھی اور ''تربیت یا غفلت'' بھی اچھی جا رہی ہے اور نئی سلسلہ وار کہانی ''میرے عشق کی انتہا چاہئے'' مریم غازی کے قلم سے بہت ہی اچھی تھی، مریم غازی سے گزارش ہے کہ کہانی زیادہ صفحات کی بھیجا کریں، ایک ماہ کے طویل عرصہ کے بعد تقریباً 5، 6 ورق تو ہونے چاہئیں، آپ نے ''میری پسند'' والا سلسلہ شروع کر کے بہت سے دلوں کی خواہش پوری کر دی، اس کے لئے جزاک اللہ، اب اجازت چاہتی ہوں، دعاؤں میں یاد رکھئے گا، ''حیا'' کی پوری ٹیم کو میری طرف سے سلام۔

☆......☆......☆

بنت اکرم، جامعۃ الصفۃ، سعید آباد، کراچی سے لکھتی ہیں: محترمہ و مکرمہ مدیرہ صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید کرتی ہوں کہ آپ اور آپ کا سارا اسٹاف خیر و عافیت کے ساتھ ہوں گے اور اللہ رب العزت سے آپ سب کی عافیت ہی مطلوب ہے۔ رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں کو سمیٹے ہوئے ''حیا'' رسالہ ہمیں ملا، سرورق پر بیت اللہ کی تصویر دیکھ کر حرم مکہ کی بہت یاد آئی، بہت خوبصورت سرورق تھا۔ راحت باجی کی ''فداک ابی و امی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' بہت بہترین تحریر ہے، مگر ہر ماہ تسلسل سے نہیں آتی، ہم انتظار ہی کرتے رہ جاتے ہیں اور ''بنت مولانا عبدالمجیدؒ'' کی تو کیا ہی بات ہے، انتہائی دلچسپ انداز میں سفرنامہ تحریر کیا ہے، ہم بھی تصور ہی تصور میں ان کے ساتھ سیر کر لیتے ہیں، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، اور ''ایک زندگی ایک کہانی'' کا سلسلہ بے حد فائدہ مند ہے، معاشرے میں پھیلے ہوئے مسائل اور ان کو سلجھانا بطرز کہانی اصلاحی سلسلہ ہے، یہ سلسلہ رسالہ کی جان ہے، نیا سلسلہ ''تیرے عشق کی انتہا'' کی پہلی قسط بہت اچھی تھی، اب اللہ کرے، یہ کہانی تسلسل کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے۔ (آمین)......''حیا'' کے باقی تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح بہت اچھے تھے، بس کہانی کی کمی محسوس ہوتی ہے، اس دفعہ بھی چند چیزیں ارسال ہیں، شائع فرما کر شکریہ کا موقع دیں، ''حیا'' کی تمام قاریات کو سلام، ہاں اور ایک بات ''بنت مسعود'' ہمیں آپ کی نئی تحریر کا شدت سے انتظار ہے، جلدی سے ہمارے لئے نئی کہانی لے کر آئیے، مجھے آپ کا طرز تحریر بہت پسند ہے۔ والسلام

بنت اکرم صاحبہ، حیا کی پسندیدگی کا شکریہ، آپ کی ارسال کردہ چیزیں وقت آنے پر شائع ہو جائیں گی۔ ''بنت مسعود'' کی خدمت میں آپ کا پیغام پہنچا دیا گیا ہے۔

☆......☆......☆

عفراء محمد، ملتان سے لکھتی ہیں: مکرمہ محترمہ آپی جان، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید اور دعا ہے کہ آپ و ''حیا'' سے وابستہ تمام معاونین خیر و عافیت سے ہوں گے، سب سے پہلے اتنا شاندار ''ماں نمبر'' نکالنے پر ہماری طرف سے ڈھیر ساری مبارکباد اور غائبانہ دعاؤں کا گلدستہ قبول کیجئے۔ آپی جان! ''ماں نمبر'' بہت پسند آیا، اپنے پسندیدہ رنگ کا سرورق دیکھتے ہی دل خوش ہو گیا، ماشاء اللہ خوبصورت سا سرورق ہمیشہ کی طرح پر کشش تھا، ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک تھی، سب ہی لکھنے والوں نے بہترین انداز میں ماں کی عظمت کو خراج تحسین پیش کیا۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی تحریر بہت پر اثر تھی، ماں بے شک رب تعالیٰ کی دی ہوئی عظیم نعمت ہے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نعمت کی قدر دانی نصیب فرمائیں اور ہمیں اپنے والدین کا فرمانبردار بنائیں۔ (آمین)......''ماں نمبر'' میں ''ماں کی تڑپ'' پہلے نمبر پر رہی، ماشاء اللہ صبا یونس کے لکھنے کا انداز اتنا

پیارا ہے کہ ہر بات دل میں اترتی چلی جاتی ہے اور دین کی خدمت کا جذبہ مزید بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ''تربیت یا غفلت؟'' بھی بہترین انداز میں آگے بڑھ رہی ہے، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ ''ماں کے خدشات''، ''ایک زندگی ایک کہانی'' بہت زبردست تھی، ام حیات ہنگورا کی کہانیاں اتنی دلچسپ اور اصلاح پر مبنی ہوتی ہیں کہ میں اکثر سب سے پہلے انہی کی کہانی پڑھتی ہوں۔ ''مجھے میری امی واپس منگادو'' رضی الدین سید کی تحریر نے ہمیں اندر تک ہلادیا، یااللہ ہماری بہن عافیہ کی رہائی نصیب فرما۔ (آمین)...... ''دل کے معبد میں محبت کا روشن دیا'' سب سے منفرد تھی۔ ''حمزہ بہادر'' کی آخری قسط پڑھ کر دل کی کیفیت عجیب ہوگئی، کتنی ہی دیر ہم اس خوبصورت تحریر کے سحر میں کھوئے رہے، اس کی تعریف کے لئے الفاظ نہیں مل رہے۔ آپی جان! خط بہت طویل ہوگیا، انتالیٹ تبصرہ لکھنے پر میں معذرت کرتی ہوں اور شرماتے شرماتے آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ نے مجھ نااہل کی کہانی ''راہ راست'' کو شائع فرما کر ہماری حوصلہ افزائی کی ہے، اگرچہ ہم اس قابل نہیں ہیں، مگر آپی جان! ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی آپ ہماری حوصلہ افزائی کرتی رہیں گی۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ماہنامہ ''حیا'' کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور آپ کو اپنا فضل عظیم اور اجر عظیم عطا فرمائیں۔ (آمین)...... دعا گو اور دعاؤں کی طلبگار۔ والسلام

عفراء محمد صاحبہ، حیا رسالہ خصوصاً ''ماں نمبر'' پسند کرنے کا شکریہ

☆......☆......☆

بنت اعظم کراچی سے لکھتی ہیں: مہر آپی السلام علیکم! مئی کے شمارے میں اپنا خط اور کہانی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، اللہ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے میری حوصلہ افزائی کی۔ ''داستان مجاہد اور کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں'' کا اختتام بہت زبردست ہوا، راحت آنٹی کی کہانی غائب دیکھ کر بہت دکھ ہوا، کیونکہ قسط وار سلسلے باقاعدگی سے آنے چاہئے۔ جون کے شمارے میں امامہ زینب کی کہانی بہت پسند آئی۔ پروفیسر خیال آفاقی کی دونوں قسط وار کہانیاں بہت اچھی جارہی ہیں اور ''ایک زندگی ایک کہانی'' ہر دفعہ بہت اچھی ہوتی ہے، آپی میں اس دفعہ دو کہانیاں بھیج رہی ہوں، امید ہے آپ ضرور شائع کریں گی۔

بنت اعظم، حیا پسندیدگی کا شکریہ، راحت صاحبہ اپنی مصروفیات اور دیگر اعذار کی بنا پر بعض اوقات نہیں لکھ پاتیں۔ آئندہ ان شاء اللہ شکایت نہیں ہوگی۔

☆......☆......☆